سمیرا حمید

انتساب!

میں پاکستان میں تین خواتین سے
بے حد متاثر ہوں' انہی میں سے پہلی خاتون
''بلقیس ایدھی''
کے نام

پیش لفظ

''رابندر ناتھ ٹیگور کی روح میں ایک پرندے نے جنم لیا تھا جو خالص اُن کا پرندہ تھا' دوسرے پرندوں سے قطعی مختلف۔ اس سے پہلے اس طرح کے کسی پرندے کا کوئی وجود نہ تھا اور اسی لیے جب انہوں نے اُسے ادب کے میدان میں آزاد کیا تو دنیا پکار اٹھی یہ ٹیگور اور صرف ٹیگور کا پرندہ ہے۔

اگر کوئی فنکار اپنی روح میں پرورش پانے والے پرندے کو آزاد کرے اور وہ اپنی طرح کے پرندوں کے جھنڈ کا ایک حصہ بن جائے تو اسے فنکار نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے جو پرندہ خلق کیا ہے' وہ اس کا پرندہ نہیں' انوکھا اور ہوش ربا پرندہ' بلکہ ایک عام چڑیا ہے جسے چڑیوں کے کسی جھنڈ میں پہچانا نہیں جا سکتا۔ ہوسکتا ہے یہ چڑیاں بھی من موہنی ہوں لیکن ہیں تو معمولی چڑیاں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔'' (رسول حمزہ توف)

کہانیاں لکھتے ہوئے میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ میں اپنی روح کے پرندے کو آزاد کرنے کی کوشش کروں تو وہ جھنڈ کا حصہ نہ بن جائے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ یہ کوشش تو ابھی بس شروع ہی ہوئی ہے۔ کیونکہ روح کے ایسے پرندوں کو آزاد کرنے کے لیے پہلے روح میں ان کی پرورش کرنی پڑتی ہے۔ یہ کہانیاں جو آپ کے ہاتھ میں ہیں اسی مقصد کی طرف پیش قدمی ہے......

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو بھی کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتاب کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں اُمید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

سمیرا حمید /

sumaira_hamed@yahoo.com

خیال یار

سیاہ پالش سے پیانو جگمگا رہا تھا۔ اس کی جگمگاہٹ دھوکا دہی کا پرتو بھی لگتی تھی اور حقیقت کی نشاندہی کرتی ہوئی بھی۔ وہ اس ہال کے آخری کنارے رکھا تھا۔ ہال...... جس کی وسعت پر گماں ہوتا تھا کہ وہ پھیل کر دنیا کے آخری کنارے کو جا چھوئے گا۔ اسی ہال کی روشنی میں اپنی روشنی الگ کرتے ''خیال'' نے پیانو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اپنی انگلیوں کی متوقع جنبش کے بارے سوچتے ہوئے اس نے بورڈ کا ڈھکن الٹ دیا اور اسٹول پر بیٹھ گیا۔ پیانو کی کنجیاں اس لمس کے انتظار میں تھیں؛ جس لمس کا الہام انہیں ابھی کچھ دیر پہلے ہوا تھا۔ اگر یہی نظے تھا تو وہ اس طے شدہ دھن کو بجانے اور سننے کے لیے خود کو تیار کر چکی تھیں۔

اسٹول پر بیٹھ کر وہ سامنے کاؤچ پر لیٹی صدھم کو دیکھنے لگا۔

''صدھم......''

اس کی انگلیوں میں ایسا ارتعاش جاگا کہ اس نے کنجیوں کو چھوئے بنا ان پر اپنا جادو جگا دیا۔ کہ صدھم نام کی صدا ہال کی وسعت کے ساتھ کائنات کا سفر کرنے لگی۔

''صدھم...... اگر میرے پاس غور و فکر کی کنجیوں کی جگہ ''ادائیگی'' کی کنجیاں ہوتیں تو مجھے التجا یہ یہاں نہ آنا پڑتا۔''

دو انگلیوں کو اس نے پیانو کے سازوں پر رکھا۔ کنجیوں سے آواز تو آئی لیکن ساز ناپید رہا۔ پھر ہاتھ کو کنجیوں پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھسیٹتا چلا گیا۔ ہاتھ جو ارادے کی تکمیل میں اتنے ہی اہم ہوتے ہیں جتنی نیت عمل کی ادائیگی میں۔ کنجیوں کی پرشور تکرار اور الزام نے آواز و ساز پر کئی سوالیہ نشان بنا دیئے۔ صدھم ویسے ہی سوتی رہی جیسے وہاں کچھ ہو ہی نہیں رہا تھا...... نہ ہی کچھ ہونے والا تھا......

''ہم سوتے ہیں تو جاگنا کیوں نہیں چاہتے...... کتنی پیاری ہے تمہیں یہ نیند صدھم...... ایسی نیند تو صرف اسی وقت سویا جا سکتا ہے جب جاگنے کی جلدی ہو نہ بیداری کی چاہ......''

دعا صورت اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اس نے ان پر اپنا سر ٹکا لیا۔ اسے شدت سے اس دعا کی حاجت محسوس ہوئی جو ''صدھم'' کو جگا دے۔ وہ اس کی غفلت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو شاید اسے قائل بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ''غافل'' ہے۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ دعا میں کسے اولیت دے۔ اس حقیقت کو جو دھندلا رہی ہے۔ یا اس دھند کو جو حقیقت

بننے جارہی ہے۔

اپنے قد سے بڑی اور اتنی ہی اونچائی پر لگی پینٹنگ کے سائے تلے رکھے کاؤچ پر وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔کاؤچ جس کے عین سامنے کئی سو کتابیں دیوار کے سینے سے لگیں اپنی لامحدود آنکھوں کی حقیقت یافتہ بینائی سے اسے دیکھ رہی تھیں......بول رہی تھیں......بتارہی تھیں کہ سونے والے بڑے گھاٹے میں رہتے ہیں......اُٹھ جاؤ کہ جنہیں فلاح کی چاہ ہو وہ ایسے نہیں سویا کرتے......جو ایک بار دیکھ چکے ہوں وہ اندھوں کی صف میں مطمئن کھڑے نہیں ہوتے......

وہ شام کو یہاں آئی تھی اور سوچتے سوچتے کاؤچ پر ہی سوگئی تھی۔آج سے پہلے وہ کبھی اس جگہ نہیں سوئی تھی۔نہ ہی اسے خیال آیا تھا کہ دادا کی لائبریری میں سویا بھی جاسکتا ہے۔وہ اپنے منصوبے پر ایک آخری بار نظر ثانی کرنے آئی تھی کہ کہیں کوئی بھول چوک نہ ہوجائے۔

''خیال'' نے اپنی آنکھوں کی نمی کو کنجیوں پر گرتے دیکھا۔یوں ساز ایکدم سے بج اٹھے۔اس کی دس انگلیاں حکم کے تابع اور غفلت سے خوفزدہ ایسے پیانو پر حرکت پذیر ہوئیں جیسے ساعتیں محدود ہوچکی ہوں اور بھلائی سمٹ جانے کو ہو......

صدھم کی آنکھ کھل گئی۔ہال میں لگا فانوس روشن تھا۔وہ اتنا روشن ہوگا کہ اس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اسے اندازہ نہیں تھا۔یہ اندازہ کرنے وہ پہلے یہاں کبھی ایسے سوئی بھی تو نہیں تھی۔سونا جتنا ضروری ہوگیا تھا جاگ جانا اتنا ہی مشکل لگا۔اگر یہ ساز نہ بجتا تو قیامت ہی اسے جگاتی۔جب اس کے نام کی پکار کی جاتی اور سوال و جواب کے لیے اُسے حاضر کیا جاتا......

''تب جاگ جانے پر کیا حاصل......تب بیداری کس کام کی......''

سوئی جاگی آنکھوں سے وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ قیامت سے پہلے کس چیز نے اسے یوں نیند سے بیدار ہونے پر مجبور کردیا تھا۔کیا ہال میں لگے فانوس نے جس کی روشنی تہہ در تہہ اس کے گرد دائرے بناتی جیسے جنگ کی حالت میں یا قدِ آدم کھڑکیوں کے نیم واپٹوں نے جن کے پار سے ان پرندوں کی چہچہاہٹ صاف سنی جاسکتی تھی جو نفس رکھتے ہیں' نہ اس کی گستاخ اطاعت۔

اس کا اندازہ وہ کچھ دیر بعد کرسکی کہ اسے جگانے میں یہ سب عوامل کارفرما تھے اور خاص کر پیانو کی کنجیوں کے وہ سرجن کی زبان اس منصف کی ترجمانی کررہی تھیں جس کی انصاف پسندی کی وہ گواہ تھیں۔

اپنے کھلے بالوں اور ڈھلکتے ہوئے دوپٹے کو سنبھالتی وہ چلتے چلتے پیانو کے قریب آنے لگی۔پھر وہ خواب کی طرح رک گئی۔اس نے ایسا سوچا بھی کیسے تھا کہ پیانو خود بخود بج رہا تھا۔اسے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ ساز خود بخود دو ہی صورتوں میں بجتے ہیں۔ایک جادو کی صورت میں اور دوسرا خواب کی صورت میں......

تو وہ خواب میں تھی یا کسی جادو کے زیرِ اثر۔

''اٹھ گئی ہو پیاری لڑکی!''

جیسے ہی وہ اس کے بالکل قریب جاکر کھڑی ہوئی' اس نے گردن کو خم دے کر اس سے پوچھا۔پیانو وہ ابھی بھی بجارہا تھا۔انگلیوں نے پہلے اس کے وجود کی نمائندگی کی۔وہ درویش صفت تھیں۔پھر اس کے لبادے نے ''ایمان'' جس کا

رنگ تھا' یقین جس کی بنت میں تھا......بے داغ اور اجلا......رنگ میں سفید' چمک میں نور۔''

''تم نے مجھے جگادیا۔''

''مجھے اعتراف ہے......ہاں میں نے ایسا کیا......لیکن تمہیں جگادینے کی خوشی بھی بہت ہے......''

''کیوں......؟؟''

''یہ ضروری تھا......اتنا ہی ضروری جتنا میرا اور تمہارا ایک ساتھ ہونا......اس وقت......ابھی......فوراً......''

''تمہیں معذرت خواہ ہونا چاہیے......''

''تم معافی چاہتی ہو؟ دہراؤ' ہماری معافی''......الفاظ اہم نہیں......الفاظ ضروری بھی نہیں......تم بس ارادے پر کاربند رہنا۔''

''میں کیوں دہراؤں......؟''

''کیونکہ جو تمہارا ارادہ ہوگا وہی میرا ہوگا......تمہاری خیر میری ہی تو ہوگی......''

''تمہاری باتیں عجیب ہیں......''

''یہ حقیقت ہیں......''

''مبہم اور بے معنی......''

''واضح اور بامعنی......''

''تم یہاں کیوں آئے ہو......؟''

''تمہارے لیے آیا ہوں صدھم......سنو یہ ساز کیا کہہ رہا ہے......''

اس کی انگلیاں عبادت گاہوں میں صف بندی کیے جھکتی اور اٹھتی لگتی تھیں۔باوضو اور باجماعت۔صدھم نے اپنی آنکھیں مسلیں اور اسے دیکھا' غور سے دیکھا' پھر اسے سننے لگی۔وہ چاہتی تھی کہ وہ ایسی دھن پر ہمہ تن گوش رہے جو کلام کی جرأت رکھتی تھی۔جو ''خاموشی'' سے کچھ زیادہ اور ''محویت'' سے ذرا زیادہ پر تھی۔وہ پیانو کے ساتھ ٹیک لگاکر کھڑی ہوگئی اور بھول گئی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔وہ ساز میں ڈوبنے لگی۔اسے محسوس ہوا کہ وہ یہ دھن سن چکی ہے۔اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ دھن اسی کے وجود کا حصہ رہی ہے......''رہی ہے''......اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہی دھن اب اس سے الگ ہورہی ہے......

اس نے یکدم بجانا بند کردیا۔اس نے بھی فوراً بند آنکھیں کھول دیں۔

''بجاؤ......''صدھم نے فرمائش کی

''میں ایک جائز دھن بجاکر جاؤں گا......مگر اس کا انتخاب تمہیں کرنا ہوگا۔''

صدھم نے کہیں بہت پیچھے سفر کیا۔اسے یاد آتے آتے رہ جاتا تھا کہ وہ اسے کہاں سے اور کیسے جانتی ہے۔ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہ وہ خود کو دیکھ رہی ہے۔اگلے لمحے لگا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جس پار وہ کئی بار جاچکی ہے اس پار سے اب وہ خود کو نکال لائی ہے......اسے یاد آتے آتے رہ جاتا......''وہ کون ہے''......اور ''خود وہ کون تھی''......

''کون ہو تم۔''وہ چاہتی تھی کہ وہ اسے یاد کرادے۔

''میں تمہارا خیال ہوں صدھم...... میں تم ہوں......''

❀ ❀ ❀

''میں جانتی ہوں میں کون ہوں...... میں تم نہیں ہو سکتی۔''

''تم جانتی ہو میں کون ہوں۔ ابھی میری شناخت اتنی گم شدہ نہیں ہوئی کہ تم مجھے پہچان نہ سکو۔ میں پاکیزہ رہا ہوں ان نیکوکاروں کی طرح جن کی روحوں پر گناہ کے چھینٹے ہوتے ہیں نہ نفس پر کھینچا تانی کی ڈور۔ میں تمہاری عبادت' تمہاری ریاضیت' تمہاری خیر ہوں۔''

صدھم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جھک کر آداب بجا لایا۔ ''میں تمہارا مشکور رہوں گا اگر میں ہمیشہ ایسا ہی رہا تو...... ایسا اتنا ہی خوب صورت اور پاکیزہ۔ دیکھو میرا مسکرانا' میرا چلنا' میرا بولنا۔ میں سراپا حسن ہوں۔ میں کائنات کا محور ہوں...... میں محبت ہوں۔''

''تم ''محبت'' ہو......؟؟'' اس کے لہجے میں تمسخر نے اپنی آمیزش کرنی شروع کر دی تھی۔

''کیا محبت سے خوب صورت کچھ اور ہے؟'' وہ نرمی سے گویا ہوا

''تم نے تو کہا تم میرا خیال ہو۔'' صدھم حیران ہوئی۔

''کیا تمہارا خیال ''محبت'' نہیں۔''

''محبت میرا ایمان ہے...... صرف خیال نہیں......'' صدھم مغرور ہونے لگی

''اگر محبت کو ایمان رکھتی تو مجھے آنا نہ پڑتا......''

''کیوں آئے ہو پھر......؟''

''خود کو بچانے نہ آتا صدھم...... جو تم کرنے جا رہی ہو تمہیں روکنے نہ آتا......''

''کیا کرنے جا رہی ہوں میں......؟'' صدھم نے حیرت سے اسے دیکھا

''تم نے سنا نہیں انسان جلد باز واقع ہوا ہے...... تم بھی وہی انسان ہو......''

صدھم کی بھنویں تن گئیں...... ''ہاں ہوں...... اگر جلد بازی سود مند ہو تو مجھے یہ جلد بازی منظور ہے......''

''کیا تمہیں شر کی خیر سود مند لگتی ہے......؟؟''

''کیا تم مجھے نیکی و بدی کا سبق دینے آئے ہو...... سوال کرنے آئے ہو مجھ سے......؟''

''سوالوں سے ڈرانے آیا ہوں صدھم...... جن کے جواب نہیں ڈھونڈ پاؤ گی ان سوالوں کو کیسے جھیل پاؤ گی۔''

صدھم نے قہقہہ لگایا۔ ''تمہاری باتیں عجیب ہیں......''

''تمہاری طلب عجیب تر...... تمہاری چاہت جواب طلب...... خیر سمیٹ چکی ہو تو شر کی طرف کیوں بڑھ رہی ہو۔ تم تو ہادی سے محبت کرتی ہو صدھم...... تمہیں ہادی چاہیے...... چاہت بدل کیوں رہی ہو......''

صدھم نے اسے ایسے دیکھا جیسے جادو کی چھڑی سے وہ اسے ہادی دینے آیا ہو۔ صدھم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''نہ چاہ بدلی ہے...... نہ چاہت......'' اس نے سرگوشی کی۔

''مجھے دیکھو صدھم...... پہچانو مجھے...... میرے حسن کو دیکھو...... ایمان سے بھرا میرا دل' خیر کی طرف لپکتے میرے ہاتھ پیر' بھلائی کہتے سنتے' دیکھتے میرے زبان کان آنکھ' حد میں رہتا میرا نفس۔ دیکھو مجھے میں ''مجسم حسن'' ہوں...... میں تم ہوں۔'' وہ خاموش ہوا اور پلٹ کر پیانو کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

صدھم اس کی خوبصورتی کو مبہوت دیکھ رہی تھی......

''کیا تم نے مجھے ''مجسم حسین'' دیکھ لیا ہے صدھم...... میں کیسا تھا......؟''

صدھم نہ سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ ''میں کیسا تھا'' نے البتہ اسے چونکا دیا۔

اس کی پشت صدھم کی طرف ہو گئی۔ اس کے ہاتھوں کی جلد پھٹنے لگی۔ وہ بنجر ہو گئی اور اس میں دراڑیں پھوٹنے لگیں۔ یہی دراڑیں تنا ہوا جال بن کر ایسے ٹوٹیں جیسے مکڑی کا جال جو ایک ہی لپیٹ میں سارے کا سارا لپٹ گیا۔ کراہیت کی ابتداء ہاتھوں سے ہوئی۔ بھدے اور بدنما' غلیظ اور ناپاک۔

''یہ کیا ہوا؟''

''کل یہ ہاتھ سمیٹ لیے گئے...... ابتداء ان سے ہوئی...... انہوں نے مانگنا چھوڑ دیا ہے صدھم۔ اللہ پر ایمان اور یقین کے جن دھاگوں نے انہیں مضبوطی سے باندھ رکھا تھا۔ تم نے انہیں کھول دیا ہے۔''

''ہاں! میں نے دعا سے ہاتھ سمیٹ لیے تھے...... اللہ کے یہاں دیر بھی ہے اور اندھیر بھی...... مجھے اللہ سے کچھ نہیں مانگنا۔''

''تم اپنے مالک سے کہہ چکی ہو کہ تمہیں اب اس کی ملکیت میں نہیں رہنا......''

''میں اس مالک سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس کی غلامی میں نہیں رہنا......'' صدھم نے گردن تان کر کہا

''وہ رحمان ہے...... آقا نہیں...... آقا ہوتا تو تکبر کے اس مظاہرے پر تمہاری زبان بندی کر دیتا......''

دونوں ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

''تمہارے ہاتھوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے...... اب تم پیانو نہیں بجاؤ گے......'' صدھم کی نظریں پھر سے اس کی ہاتھوں پر مرکوز ہو گئیں۔

''ضرور بجاؤں گا...... اگر تم نے بجانے دیا......''

صدھم نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ ''میں ہی تو تمہیں بجانے دوں گی۔ میری شادی ہونے والی ہے۔ مجھے خوش ہونے کے سارے حقوق حاصل ہو چکے ہیں۔ محبت کا ہو جانا خوش آئند ہے اور محبت کو پا لینا خوش بختی۔ میں آج یہ خوش نصیبی حاصل کر لوں گی۔ تم پیانو بجاؤ......'' وہ مسکرائی...... سرکش مسکراہٹ......

''تم سرکش ہوتی جا رہی ہو...... باغی اور حد سے نکلتی ہوئی......''

''میں سرکش ہوں...... باغی اور حد سے نکل چکی...... اور مجھے ہونا بھی کیا چاہیے......'' اس کی بھنویں تن گئیں

''تمہیں فرمانبردار ہونا چاہیے...... صابر اور دعا گو......''

وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔ ”یہ تو سب کمزور لوگوں کے ہتھیار ہیں...... ویسے اللہ کمزوریوں کو اتنا پسند کیوں کرتا ہے ......“

”اللہ اس انسان کو پسند کرتا ہے جو نفس کی لگاموں کو اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے نہ کہ نفس کو اپنی لگا میں تھما دیتا ہے...... جو اپنے نقص پر نظر رکھتا ہے‘ گمراہی سے بچتا ہے‘ ہر پل اپنی اصلاح کرتا ہے۔“

”اصلاح یہی ہے کہ ہم اپنے دل کو مار لیں...... روئیں چلائیں‘ تکلیف میں رہیں اور پھر صبر کر کے رہ جائیں؟“

”اصلاح یہ ہے کہ یہ سب فانی ہے۔ فانی چیزوں کے لیے نہ روئیں‘ نہ چلائیں‘ نہ تکلیف میں رہیں...... اللہ نے اشرف بنا کر جو شرف دیا ہے اسے واویلوں کی نظر نہ کریں......“

”اگر میں ایسی ہی اشرف ہوتی تو اللہ مجھے وہ دیتا جو میں مانگتی ہوں......“

”اگر اشرف نہ ہوتی تو اللہ ”دعا مانگنے“ کی فضیلت ہی تمہیں نہ دیتا...... دعا تو عبادت ہے...... جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس عبادت سے دور نہیں رہتے......“

”اگر دعا عبادت ہے تو میں یہ عبادت کر کر کے تھک چکی ہوں۔ اب میں اپنی فلاح سمیٹنے جا رہی ہوں...... اوصاف کو قتل کرنے...... میں نے سوچ لیا ہے...... سوچ لیا ہے...... ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انسان اپنی قسمت خود لکھتا ہے۔ میں بھی لکھوں گی...... تم دیکھنا......“

”دیکھ رہا ہوں۔“ وہ اطمینان سے بولا

”تمہیں دیکھنا محال ہوتا جا رہا ہے...... تم کریہہ اور بدصورت ہوتے جا رہے ہو...... تعفن سانسوں میں اٹک رہا ہے......“

”اگر میں تمہیں ایسے دیکھ سکتا ہوں تو تمہیں بھی مجھے ایسے ہی دیکھنا ہوگا۔ فیصلہ دونوں صورتوں میں تمہارا ہے۔“

”ہاں! اب یہ میرا فیصلہ ہے...... تمہیں کیا لگتا ہے میں خوفزدہ ہو جاؤں گی یا تم مجھے بھٹکا دو گے۔ سنو ہمارے کالج میں ایک لڑکی ہے‘ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں کو زہر دے کر مار دیا تھا۔ یہ بھی سنا ہے کہ اس نے زہریلی دوا کو اس کے سوپ میں ملا دیا تھا۔ لیکن میں نے انگور کے جوس کا انتخاب کیا ہے‘ اوصاف کو بہت پسند ہے...... آج سب ہادی کی بڑی خالہ کے گھر جا چکے ہیں‘ وہاں ڈھولک ہے۔ صرف میں اور اوصاف ہی گھر ہیں۔ میرے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں آج......“

”جو کرنا آسان ہے وہ بھگتنا بہت مشکل ہے صدھم...... تم قتل کرنے جا رہی ہو...... میں پناہ کے لیے کہاں جاؤں گا......؟“

”میں ہادی کو بچپن سے ہی پسند کرتی ہوں۔ گرمیوں میں جب وہ بڑے گیٹ کو چپکے سے کھول کر دبے پاؤں آیا کرتا تھا تو میں فوراً جان جاتی تھی کہ ہادی آیا ہے۔ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر میں آج بھی اسے اتنے ہی شوق سے دیکھتی ہوں جتنے شوق سے پہلی بار دیکھنا شروع کیا تھا۔ لان میں وہ دادا کے ساتھ کرکٹ کھیلتا‘ پاپا کے ساتھ والی بال‘ چچا کے ساتھ ریسلنگ یا باقی سب کے ساتھ بیڈمنٹن‘ میں اسے کھڑکی سے دیکھتی یا لان میں بیٹھ کر...... دیکھتی ضرور تھی۔“

”کیا تم میرا حال نہیں دیکھ رہی...... کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ بدصورتی اپنی صورت مجھ میں نمایاں کرتی جا رہی ہے۔“

”اوصاف بڑھ چڑھ کر ہر کھیل میں اس کے ساتھ حصہ لیتی تھی۔ ہونہہ...... ہم سب لڑکیاں ایک ہی اسکول میں تھیں لیکن اوصاف نے ضد کر کے ہادی کے اسکول میں ہی ایڈمیشن لیا۔ اس کے کالج میں۔ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں۔ وہ ہادی کا سایہ بنتے بنتے اس کے دل کا حصہ بن گئی۔ لیکن ایسے بھی کبھی ہوتا ہے کیا؟ جو چیز پہلے سے ہی کسی اور کی ہو وہ نہ دی جا سکتی ہے نہ لی جا سکتی ہے۔ ہادی کوئی چیز تو نہیں جسے اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں لے جائے۔“

”ایمان کوئی چیز تو نہیں جسے کسی انسان کے لیے بے ایمان کر لیا جائے......“

”بچپن سے لے کر اب تک اوصاف نے ہادی پر اپنا حق ثابت کرنا چاہا۔ وہ کہتی ہے وہ ہادی سے محبت کرتی ہے...... کیسے کر سکتی ہے وہ ہادی سے محبت...... ہادی سے تو میں محبت کر چکی ہوں۔ وہ تو اس کی سوچ میں آنے سے بہت پہلے میرے نصیب میں آ چکا تھا...... کیسے وہ ہادی پر قبضہ کر سکتی ہے‘ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی کہ ہادی کس کروٹ سوتا ہے۔ کس وقت اٹھتا ہے۔ کتنا وقت سوتا ہے۔ میں جانتی ہوں سب...... بہت کچھ جان چکی ہوں......“

”کیا تم نے سب جان لیا ہے؟ جو سب جانتا ہے وہ تو خدا ہے...... تم خدائی صفت کا دعویٰ کر رہی ہو؟“

۞...........۞...........۞

”صدھم! تم بہت اچھی لیکن بہت ڈرپوک بچی ہو۔ جو مائیں میری طرح بیمار ہوں اور ان کی بیٹیاں تمہاری طرح گھٹی گھٹی ہوں تو مت پوچھو کہ انہیں کتنا ڈر لگتا ہے۔ کیسے کیسے وسوسے انہیں گھیرے رکھتے ہیں۔ میری صدھم...... میری پیاری صدھم...... بہادر نہیں بن سکتی تو اتنی ڈرپوک بھی نہ بنو...... برا وقت شاید جلد ہی آ جائے...... تمہارا کڑا وقت تو اسی دن شروع ہو گیا تھا جس دن تم میرے گھر پیدا ہوئی تھی۔

میں تمہیں موت کی حقیقت نہیں بتانا چاہتی لیکن یہ اتنی بڑی حقیقت ہے کہ خود ہی سب پر آشکار ہو جاتی ہے۔ کاش موت کا فرشتہ ایک دکاندار ہوتا جسے کچھ دے کر ہم زندگی کا کچھ وقت خرید لیتے۔ یا وہ خوشامد کو پسند کرتا اور میں کتنے ہی جتنوں سے اس کی خوشامد کر کے کچھ وقت اُدھار لے لیتی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اب تسلیوں اور سہاروں کی تلاش میں ہوں‘ اپنے لیے نہیں تمہارے لیے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے مرنے پر تم روؤ۔ میں چاہتی ہی نہیں کہ تم پر کبھی ایسا وقت آئے کہ تمہیں رونا پڑے۔ اگر کوئی آنسو پونچھنے والا موجود نہ ہو تو رونا بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ صدھم کبھی مت رونا...... نہیں روؤ گی نا؟“

اس کے آنسو گرنے لگے اور سر نفی میں۔

اسے دیکھ کر وہ اداس ہو گئیں۔ ”میرے کہنے پر تم کچھ تو کر ہی سکتی ہو گی۔ اپنی ماں کی کسی نصیحت کو تو حکم مانو۔ مجھے کوئی تو اطمینان دو۔“

صدھم نے بڑھ کر ان کا سر چوم لیا اور پھر آنکھیں۔ زویا کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے اور کیا رہنے دے۔

”میری بیماری سے اتنا ضرور ہوا ہے کہ تمہارے دادا اور تمہارے عقیل انکل نے میری ایک بات مان لی ہے۔“ وہ رکیں

''میری درخواست پر تمہارے دادا نے تمہارا رشتہ ہادی کے ساتھ طے کر دیا ہے۔ ہادی تمہارا کزن ہے اور اچھا دوست بھی ہے۔ بہت اچھا لڑکا ہے ہادی۔ مجھے بہت پسند ہے۔ صدھم تمہیں اس لیے یہ سب بتا رہی ہوں تا کہ تم یاد بھی رکھو اور دھیان بھی۔ تمہیں اپنے اور ہادی کے اس رشتے کا پاس رکھنا ہے۔ تمہیں اس رشتے کو ایسے نبھانا ہے کہ لوگ تمہیں میری بیٹی ہونے کے طعنے دینا چھوڑ دیں۔''

صدھم کی نظریں اپنی ماں کے چہرے پر گڑ گئیں۔ وہ اس خبر پر حیران تھی۔

''بیٹا لوگوں کے پاس جو ہے اس پر نظر نہ رکھنا مگر جو تمہارا ہے اس کا ضرور خیال رکھنا۔ تمہیں اپنے حق کی پہچان ہونی چاہیے اور دوسروں کے حقوق کی بھی۔ کسی کا حق غصب نہ کرنا اور نہ اپنا ہونے دینا۔ کاش تم کچھ تو...... تھوڑی سی ہی سمجھ دار ہوتی۔ تمہاری ماں نہیں ہوگی تو تمہارا خیال کون رکھے گا صدھم۔ تمہیں خود ہی اپنا خیال رکھنا ہے۔ رکھو گی اپنا خیال؟

''اللہ...... وہ ہے ہم دونوں کے ساتھ ماما......''

زویا نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''میں نے اللہ کو ناراض کر دیا ہے' اپنے ماں باپ کا دل دکھایا۔ اللہ کا دل شاید ماں باپ کے اندر دھڑکتا ہے' جب ہم ایسا دل توڑ دیتے ہیں جس میں اللہ رہتا ہے تو پھر اللہ ہمارا بھی نہیں رہتا......''

''اللہ ہمیشہ ہمارا رہتا ہے ماما...... وہ آج بھی آپ کا ہے...... میرا ہے......''

''مجھے اللہ پر تمہارا یقین بہت پسند ہے صدھم۔ یہ یقین تمہیں ہمیشہ حاصل رہے' تمہیں کبھی اللہ سے دور نہ جانا پڑے۔''

''آپ بھی اللہ سے دور نہیں ہیں......''

''میں ہر ایک سے بہت دُور نکل گئی ہوں صدھم...... زندگی کے اس مقام پر مجھے لگتا ہے میں اپنی ساری ہی بازیاں ہار گئی ہوں۔ اب ایک آخری بازی بچی ہے...... تم...... تم جیت جانا صدھم...... میری طرح نہ ہو جانا...... خوش رہنا اور دوسروں کو خوش رکھنا۔''

اس رات زویا ساری رات بولتی رہی اور صدھم سنتی رہی۔ ٹھیک تین دن بعد وہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی۔ وہ ہائی بلڈ پریشر اور ذیابطیس کی مریضہ تھی۔ ایک ماہ پہلے بی پی شوٹ ہو جانے سے وہ کوما میں چلی گئی تھی۔ تین دن بعد وہ ہوش میں تو آ گئی تھی مگر اس کی صحت دوبارہ بحال نہیں ہو سکی۔ بیماری اس کے جسم کو نہیں دل کو لگی تھی۔ بس دل کی اسی بیماری کی آخری اسٹیج پر تھی وہ...... اس سے اگلی اسٹیج پر موت اس کی منتظر تھی......

صدھم...... تیرہ سال کی' الگ تھلگ' خاموش' بے چاری سی لڑکی...... بے چاری ہی رہ گئی۔ اس نے زندگی میں بہت بڑی خوشیاں نہیں دیکھی تھیں مگر ایک بہت بڑا غم دیکھ لیا تھا۔ اس کے خواب بڑے بڑے نہیں تھے لیکن اس کی زندگی کی ایک بڑی حقیقت ماں ایک خواب بن گئی تھی۔ زویا سے اس نے کہہ دیا تھا کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔ لیکن ماں کے مرنے کے بعد اس نے اللہ کو خود سے دُور محسوس کیا۔ اگر اللہ اس کے قریب ہوتا تو اس کے دل کے قریب لوگوں کو اس کی زندگی میں موجود رکھتا۔ وہ اسے اتنا ہی دُکھ دیتا جتنا وہ سہہ سکتی۔ اتنی ہی تکلیف جس پر وہ کراہ نہ سکتی' واویلا نہ کرتی' صبر کر سکتی۔

زندگی کی سب پیاری چیزیں تکلیف دے کر کے جاتی ہیں...... جیسے زندگی...... جو موت لے کر آتی ہے......

❀......❀......❀

وقت ہمیشہ بدل جاتا ہے۔ برا تب ہوتا ہے جب وقت کے ساتھ لوگ بھی بدل جاتے ہیں۔

اس کے پاپا احسن رضا نے اپنی نرگس سے اپنی منگنی ختم کر کے اس کی ماما زویا سے شادی کی تھی۔ صدھم کے دادا ذاکر رضا نے انہیں گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ بزنس' گھر' دولت ہر چیز سے بے دخل کر دیا تھا۔ احسن رضا سات سال تک گھر اور خاندان سے بے دخل رہے۔ بے اولاد رہے' اکیلے اور تنہا ہو گئے' اپنی زندگی کی بدحالی پر کڑھتے رہے۔ پہلے انہیں لگتا تھا کہ زویا کے بغیر مر جائیں گے پھر وہ گھر والوں کے لیے تڑپنے لگے۔ گھر واپس جانے اور اپنے ماں' باپ کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے ان کی مرضی سے دوسری شادی کر لی۔

''میں بے اولاد نہیں رہنا چاہتا زویا۔ تمہیں ڈاکٹرز نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ تم ماں نہیں بن سکتی۔''

''میں ماں نہیں بن سکتی لیکن آپ باپ بن سکتے ہیں...... اللہ جلد آپ کو صاحب اولاد کرے۔''

اور وہ کیا کہتی۔ سات سال پہلے جو شخص ان کے لیے سب کچھ چھوڑ آیا تھا' سات سال بعد وہ انہیں تقریباً چھوڑ رہا تھا۔ وہ دوسری شادی کر آیا تھا' اپنے آبائی گھر رہنے لگا تھا' دوسری شادی ہو جانے کے بعد زویا کو بتا رہا تھا۔ وہ انسان ہی بدل گیا جس کے لیے زویا نے اپنا گھر چھوڑا تھا تو وہ حالات کے بدلنے کا کیا شکوہ کرتی۔ وہ اس سے وہ سوال کیوں کرتی جس کا جواب وہ جانتی تھی۔

زویا اپنے گھر میں رہنے لگی اور احسن اپنے آبائی گھر ''رضا ہاؤس'' میں۔ ایک سال کے اندر اندر وہ ایک بیٹے کے باپ بن گئے۔ دوسرے سال دوسرے بیٹے کے اور چوتھے سال دو بیٹیوں کے۔

''صدھم اور اوصاف'' کے...... اللہ تعالیٰ نے زویا کو بھی اولاد سے نواز دیا تھا۔

احسن اکثر بیٹوں کو زویا کے پاس لے آتے تھے۔ رضا ہاؤس میں ہونے والی تقاریب میں زویا بھی چلی جایا کرتی تھی۔ انہیں کوئی خاص رتبہ یا پروٹوکول نہیں ملتا تھا۔ مگر بہت زیادہ سرد رویے بھی نہیں ملتے تھے۔ صدھم کی دادی ان کا خیال رکھتی تھیں۔ ان کی گود میں احسن کی اولاد تھی اس لیے تھوڑا بہت حق زویا کو بھی دے دیا گیا تھا خاندان میں شامل ہونے کا۔ کچھ عزت انہیں بھی مل گئی تھی۔

ان دنوں صدھم اپنی زندگی سے بہت خوش تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ''رضا ہاؤس'' کیا ہے۔ وہ اور زویا وہاں کیوں نہیں رہتے۔ زویا وہاں جانے سے کیوں گھبراتی ہے۔ اس نے کبھی یہ غور ہی نہیں کیا تھا کہ اس کے پاس کیا کیا ہے اور رضا ہاؤس کے باقی بچوں کے پاس کیا کیا کچھ نہیں ہے۔ پاپا کے ساتھ وہ کبھی کبھی وہاں چلی جایا کرتی تھی۔ وہاں کا ماحول اس کے اپنے گھر کے ماحول سے بہت مختلف تھا۔ دادا اور دادی کے علاوہ صرف ایک ہادی ہی تھا جو اس سے بات کرتا تھا۔ گھر کے گیارہ بچوں میں وہ اکیلا تھا جو اسے اپنے کمرے میں لے جا کر کھیلنے کے لیے اپنے کھلونے دیتا تھا۔

اس کا اپنا گھر' ماما زویا کا گھر چھوٹا تھا مگر وہ اس کا اپنا تھا۔ اسے زندگی جہاں سے ملی تھی اس نے وہیں سے اسے قبول کر کے گزارنا شروع کر دیا تھا۔ زندگی اسے ویسی ہی پیاری تھی جیسی وہ اسے ملی تھی۔ وہ زویا کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ ان دونوں کے درمیان محبت حد سے سوا تھی...... اور بس...... اس سے زیادہ اسے کیا چاہیے تھا......

❀......❀......❀

دادا پاپا سے زیادہ گھر آنے لگے۔ وہ صدھم سے بہت پیار کرتے تھے۔ اکثر اسے اپنے ساتھ گھمانے لے جاتے تھے۔ وہ زویا کو بھی پسند کرنے لگے تھے۔ ان تینوں کا تعلق بننے لگا تھا۔

''تم نے ایسا کیوں زویا......'' ایک دن وہ زویا سے شکوہ کر ہی بیٹھے۔ زویا ان کے آفس میں کام کرتی تھی۔ احسن نے وہیں زویا کو پسند کیا تھا۔

''وہ پاگل پن تھا پاپا...... محبت کا پاگل پن۔ نہ احسن نے آپ لوگوں کا سوچا' نہ میں نے اپنی فیملی کا۔ آپ ناراض رہے تو میرے والدین بھی راضی نہیں رہے۔ آپ دونوں کو چھوڑا تو سب چھوڑنا پڑا۔ سکون' اطمینان' خوشی۔ پتا نہیں پاپا انسان کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ وہ فلاں چیز یا انسان کے بغیر مر جائے گا۔ اگر کوئی مجھے سات سال بعد کی زندگی دکھا دیتا تو میں احسن سے شادی نہ کرتی۔ میں ان سے اب بھی محبت کرتی ہوں لیکن صرف ان سے محبت میرے لیے پوری خوشی نہیں بن پا رہی...... ان دنوں محبت کے لمبے لمبے فلسفے سیکھ لیے تھے ہم دونوں نے۔ اب احسن کو میرے چھوٹے چھوٹے حقوق بھی یاد نہیں...... ان دنوں مجھے لگتا تھا کہ سچ اگر دنیا میں کہیں بولا جا رہا ہے تو وہ صرف احسن کی زبان سے بولا جا رہا ہے...... مجھے معلوم نہیں تھا کہ کچھ سچ جھوٹ میں ڈھال دیئے جانے کے لیے بولے جاتے ہیں۔''

''اپنے والدین سے ملا کرو۔'' انہوں نے پیار سے کہا

''چلی جاتی ہوں کبھی کبھی ان سے ملنے۔ بھائی تو دونوں امریکہ شفٹ ہو چکے ہیں۔ شاید اماں ابا بھی ان دونوں کے پاس ہی چلے جائیں۔'' اس نے اداسی سے کہا

''ابھی بھی وہ ناراض ہیں تم سے......؟''

''میں خود سے بہت ناراض ہوں۔ جب میں گھر سے احسن کے لیے نکلی تھی تو اماں جوان تھیں۔ اب جب جاتی ہوں ان سے ملنے تو وہاں ان کی جگہ ایک بوڑھی عورت ملتی ہے' جو کھانستی ہے' بات کرتے کرتے رک جاتی ہے۔ جو مجھے گلے سے تو لگاتی ہے لیکن ممتا کی گرمائش نہیں دیتی' میری پیشانی تو چوم لیتی ہے لیکن اپنے لمس سے دُور رکھتی ہے' جو میرا ہاتھ تو پکڑ لیتی ہے لیکن اپنا پکڑنے نہیں دیتی۔''

''تمہارے وہم ہیں سب زویا......''

''پاپا میری ماں...... وہ بھی میرے بعد گھر سے نکل آئی تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ابھی بھی گمشدہ ہیں اور میں انہیں گھر میں ڈھونڈتی ہوں۔ میں نے اب جانا ہے کہ انسان دنیا میں چاہے کوئی بھی گناہ کر لے لیکن ماں باپ کا دل دکھنے کا گناہ نہ کرے۔ مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ یہ گناہ معاف ہوتے ہوتے بھی بڑی اذیتیں دے جاتا ہے۔ معاف ہوتے ہوتے بھی یہ حقیقی معافی تک نہیں جا پاتا۔''

''ایسے نہ سوچو زویا...... تم اپنی صحت اور خراب کر لو گی......''

''پتا نہیں محبت کے نام پر ہم اپنی ساری غیرت کیوں بیچ دیتے ہیں۔ کبھی مجھے اپنے چھوٹے بھائیوں سے بھی محبت تھی۔ لیکن کسی بھی خونی رشتے کی محبت مجھے احسن کی ''محبت'' سے نہیں روک سکی۔ میرے چھوٹے بھائی نے اماں سے کہا کہ کیوں گھسنے دیا انہوں نے مجھے گھر میں...... نکال باہر کرتے مجھے...... اسی کی وجہ سے ہمیں عزت کی تلاش کے لیے ملک سے باہر آنا پڑا......''

''تم جانتی ہی ہو زویا کہ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کے ایسے اقدام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا...... انہیں معاف تو بالکل نہیں کیا جاتا......''

''پاپا وہ تو میرے بھائی ہیں' اتنا بڑا دل نہیں رکھتے...... مجھے تو اللہ بھی شاید ہی معاف کرے۔''

''انسان کے پیمانے پر اللہ کی رحمدلی کو نہ رکھو...... تم بہت زیادہ سوچنے لگی ہو......''

''یہی تو مسئلہ ہے پاپا...... جب سوچنا چاہیے تھا تب سوچا نہیں...... آپ جانتے ہیں ہوا کیا تھا...... میری آنکھوں کے سامنے احسن کا چہرہ آ گیا تھا۔ انسان کے سامنے انسان ہی محبت میں ڈھل کر آ جائے تو اس کے حواس کھو جاتے ہیں۔ وہ عقل سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔''

''احسن بہت لاپرواہ ہو گیا ہے تم سے...... میں کرتا ہوں اس سے بات......''

''جب میں نے اپنی زندگی سے لاپرواہی برتی تو بدلے میں مجھے بھی لاپرواہی ملنی چاہیے۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایک ہنستی کھیلتی' شوخ و چنچل لڑکی اتنی جلدی خود پر ایسے بڑھاپا طاری کر سکتی ہے۔''

وہ تلخی سے ہنس دی۔ ''جوان تو وہ رہتا ہے جو خوش رہتا ہے۔''

''تو خوش رہا کرو نا...... ہم ہیں تمہارے ساتھ زویا! پریشان مت ہوا کرو۔''

''اب تو صرف صدھم کے لیے پریشان رہتی ہوں...... اس کا خیال رکھیں گے نا آپ؟

''میں' تم اور احسن...... ہم سب مل کر رکھیں گے اس کا خیال...... اتنی مایوس کیوں ہو......؟''

''دل میں بڑے خوف چھپے بیٹھے ہیں پاپا...... ناامیدی میرے دل پر قابض رہتی ہے......''

''صدھم سے باتیں کیا کرو...... دیکھو کتنی چھوٹی سی ہے وہ اور کتنی پیاری باتیں کرتی ہے...... سب ٹھیک ہو جائے گا زویا۔''

⚝..........⚝..........⚝

احسن رضا نے گھر آنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھر کے اخراجات کے لیے پیسے دینے آتے اور چلے جاتے۔ اب ان کے لیے زویا کی بس اتنی ہی اہمیت رہ گئی تھی۔ ویسے بھی آج کل وہ اپنی دوسری بیوی نورین سے محبت کر رہے تھے۔ اور نورین کو ان کا یہاں آنا پسند نہیں تھا۔

زویا کی بیماری بڑھنے لگی تو ذاکر رضا انہیں ''رضا ہاؤس'' لے آئے۔ ''رضا ہاؤس'' جہاں صدھم کی چھوٹی چچی' احسن کی سابقہ منگیتر نرگس رہتی تھی۔ اور اس کی سوتیلی ماں نورین بھی۔ یہ دو لوگ ان دو لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ نورین نے دبا دبا اور نرگس نے کھل کر اعتراض کیا لیکن ذاکر رضا نے کسی کی نہیں سنی۔ وہ اور کیا کرتے' احسن کو زویا کی کوئی فکر نہیں تھی۔ زویا بیماری میں صدھم کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ اس حالت میں زویا کو اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔

کتنی بری جگہ تھی وہ...... جہاں ایک بیمار اور بیمار ہونے لگا تھا۔ زویا ان دونوں کی نفرت برداشت نہیں کر سکی۔ وہ خالی ہاتھ تھی۔ اس کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا' شوہر بھی نہیں۔ اگر احسن اب زویا سے اور محبت نہیں کر سکتے تھے تو خیال تو

رکھ سکتے تھے نا۔ راتوں کو زویا تکلیف سے کراہتی تو اس کے پاس صرف صدھم ہوتی تھی۔ احسن اپنی بیوی کے ساتھ ہوتے۔ صدھم میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ رات کے ان پہروں میں اپنے باپ کے کمرے کا دروازہ بجا کر انہیں اپنی ماں کے پاس لے آئے۔ الٹا وہ خود بھی زویا کے ساتھ رونا شروع کر دیتی تھی۔

نرگس کو ان کا وجود گھر میں کسی صورت برداشت نہیں تھا۔ وہ صدھم کے سامنے زویا کو یہ جتانے آجاتیں کہ یہ بیماری زویا کے کیے کی سزا ہے۔ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھی۔ اسے چین کیسے مل سکتا تھا۔ یہ انجام تھا اس گناہ کا جو زویا نے احسن کو نرگس سے چھین کر کیا تھا۔

انجام اس گناہ کا جس کی توبہ وہ رات دن کیا کرتی تھی......

''اللہ مجھ سے ساری نعمتیں چھین لے گو یہ اللہ کی شان نہیں لیکن میں یہ ہرجانہ دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں چاہتی ہوں وہ میرے جسم، میرے سکون، میری روح سے ہر طرح کا ہرجانہ لے لے اور بدلے میں اس تکلیف کو کم کردے جو میرے ماں باپ نے جھیلی۔ روزِ ازل جب والدین سے ان کے فرائض کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وہ میرے والدین سے میرے گناہ کا سوال نہ کرے کہ میں ایسی تنزلی کا شکار کیوں ہوئی۔ ان سے کہاں کوتاہی ہوئی کہ میں نے ایسی غلطی کی۔ میں ایک عرصہ خود کو یہ تسلی دیتی رہی ہوں کہ میں نے نکاح کیا ہے۔ شرعی حکم پورا کیا ہے، میری کوئی غلطی نہیں۔ اور ایک عرصہ مجھے یہ تسلیاں درکار رہیں کہ شرعی کاموں میں ایسی بے سکونیاں نصیب نہیں ہوتیں۔''

''دنیا کے کسی بازار سے اگر مل سکتا تو میں گزرا وقت لے آتی اور پھر اس وقت میں ایک نصیحت لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتی کہ ''جس چیز کی چاہت سمندری طوفان کی حیثیت اختیار کرلے اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ کشتی ڈوبنے سے یا پاش پاش ہونے سے بچ بھی گئی تو بے سمت ہونے سے نہیں بچے گی۔'' زویا رات دن روتے روتے یہی کچھ بڑبڑاتی رہتی۔

''کتنی بار احسن سے کہہ چکا ہوں کہ تمہارا خیال رکھا کرے......'' ذاکر رضا شرمندہ ہوتے

''وہ میرا خیال نہ رکھیں لیکن صدھم تو ان کی بیٹی ہے...... اس کی ضرورتوں میں، محبت اور توجہ بھی شامل ہے......''

''تمہارے پاس لاتا ہوں احسن کو...... سمجھاتا ہوں اسے۔''

''انہیں صرف صدھم کے لیے سمجھا دیں پاپا...... صدھم کو اپنے سینے سے لگالیں وہ۔''

''بیٹی ہے احسن کی زویا...... کیسی باتیں کرتی ہو...... باپ کی محبت ایسی ہی ڈھکی چھپی ہوتی ہے۔''

''کاش! ایسا ہی ہوتا لیکن اوصاف کے لیے احسن کی محبت ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ میرے لیے اوصاف بھی صدھم جیسی ہی ہے لیکن احسن کے لیے صدھم اوصاف جیسی نہیں ہے۔''

''کچھ بچے لاڈلے بھی تو ہوتے ہیں۔''

''وہ صدھم کو لاڈلی نہ رکھیں لیکن اس سے پیار تو کریں۔ کیا میری محبت کے ساتھ میری اولاد کی محبت بھی ختم ہوگئی ان کے دل سے؟''

''احسن ایسا ہی رہا ہے...... جتنا ضدی اتنا ہی غیر یقینی...... پہلے ضد سے نرگس سے منگنی کی پھر تم سے شادی کرلی۔''

''کاش میں بھی یہ جان جاتی کہ احسن اتنے غیر یقینی ہیں تو ان کی محبت پر اتنا یقین نہ کرتی......''

زویا نے لمبا گہرا سانس لیا۔ اس کے پاس کہنے اور ثابت کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ لیکن وہ جان چکی تھیں کہ جس امتحان میں وہ پہلے سے ہی ناکام قرار دی جاچکی تھیں اس امتحان کو دلائل سے ''پاس'' کرنے کی کوشش بھی ناکارہ قرار دی جائے گی۔ احسن کو اپنی زندگی میں واپس لانے سے زیادہ انہیں صدھم کو ''رضا ہاؤس'' میں مستحکم کرنے کی فکر تھی۔ انہیں صدھم کے مستقبل کی فکر تھی۔

۞......۞......۞

''اسے میری درخواست سمجھ لیں یا منت۔ میں ہاتھ جوڑنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ صدھم آپ کا ہی خون ہے پاپا'' ہاتھ جوڑ لینے کے لیے تیار زویا نے پاپا اور ان کے ساتھ کھڑے عقیل کو دیکھا۔

''صدھم ہمارا خون ہے تو تم بھی ہماری بہو ہو۔ تم اتنی فکر مند کیوں ہو زویا۔ ابھی وہ صرف تیرہ سال کی ہے۔ ہم ہیں نا...... تمہیں بھی اللہ سلامت رکھے اور احسن کو بھی، اتنی فکر نہ کرو...... اتنا ہلکان نہ کرو خود کو۔ تمہیں کوئی موذی مرض نہیں ہے۔ تم خواہ مخواہ کی ٹینشن لینا چھوڑ دو بس۔ سوچ سوچ کر تم نے اپنی صحت تباہ کرلی ہے۔ ڈاکٹرز بار بار کہتے ہیں کہ خوش رہا کرو۔''

''ناقدری سے بڑھ کر کون سا مرض مہلک ہوگا۔ بس آپ مجھے مطمئن کردیں۔ تیرہ سے اٹھارہ اور اٹھارہ سے بیس بائیس کا ہونے میں کتنا وقت لگے گا پاپا۔ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ آپ سے کیسے کہوں کہ اس کی کتنی فکر ہے۔ اس کے اکیلے رہ جانے کے خیال کا درد بے جان لیوا ہے۔ اس درد کی دوا مجھے کرنے دیں۔ مجھے دلی سکون دے دیں......''

دادا نے عقیل کی طرف دیکھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' عقیل فوراً بولے۔ وہ احسن سے چھوٹے تھے اور مزاج میں ان سے بہت مختلف تھے۔ وہ حالات سے سمجھوتا کرلیتے تھے اسی لیے احسن کی منگیتر نرگس سے بھی شادی کرلی تھی۔

''میرے تین بیٹے ہیں...... جس کے لیے چاہیں ہاں کردیں بھابھی کو۔''

ذاکر رضا نے کچھ دیر تک سوچا۔ ''زمان اور شرجیل تو کافی بڑے ہیں صدھم سے...... ہادی ٹھیک ہے۔''

''نرگس مجھے پسند نہیں کرتی لیکن صدھم احسن کا خون ہے۔ پاپا آپ اس بات کا خیال رکھیے گا، وہ احسن کی بیٹی ہے۔''

''ہادی اور صدھم کا رشتہ پکا سمجھیں بھابھی۔ نرگس کی فکر نہ کریں۔ وقت کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارے خاندان کا حصہ ہے صدھم، میرے بھائی کی اولاد ہے۔'' عقیل نے زویا کو ہر طرح سے تسلی دینی چاہی

''مجھ سے وعدہ کریں۔'' زویا نے التجائیہ کہا

''میرا وعدہ ہے بھابھی...... صدھم ہماری ہی بیٹی بنے گی۔ اگر آپ چاہیں تو نکاح کرلیتے ہیں۔''

''نہیں نہیں! مجھے اعتبار ہے آپ پر۔ بچے ابھی چھوٹے ہیں، نکاح ٹھیک نہیں رہے گا، بس آپ کی زبان کافی ہے۔''

لیکن یہ زبان کانی نہیں رہی......

❂......❂......❂
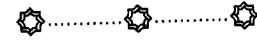
تین دن بعد زویا کا انتقال ہو گیا اور صدھم اکیلی رہ گئی۔ایک وقت میں اس کے پاس ایک ہی کیوں ہوتا تھا۔ماں تھی تو ہادی نہیں تھا۔ہادی ملا تو ماں نہیں رہی اور اب ہادی وہ بھی......

''اپنی چیزوں کا خیال رکھتے ہیں' ان سے پیار کرتے ہیں' رشتوں کا احترام کرنا۔''

زویا نے اسے اچھی طرح سے ہادی اور اس کے رشتے سے متعلق بتادیا تھا۔وہ ہادی سے زویا کی طرح ہی محبت کرنی لگی۔اس نے زویا والی غلطی نہیں دہرائی تھی۔نہ اس نے کسی اور کی طرف دیکھا تھا نہ کسی اور کے بارے میں سوچا تھا۔ہادی کے ساتھ اسے اپنے رشتے کا پورا پورا احساس تھا۔

''ہادی کو میری امانت سمجھ لو صدھم' خیانت نہ کرنا کبھی' جیسے میں نے اپنی ماں سے کی تھی۔اس کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ دیکھنا۔''

اس نے امانت میں خیانت کی نہ کسی اور کی طرف دیکھا......ایک صرف ہادی......صرف ہادی......

''تمہاری اس گھر میں اتنی ہی حیثیت ہے کہ تم احسن کی بیٹی ہو اور تم اتنی ہی بے وقعت ہو جاتی ہو کیونکہ تمہاری ماں زویا ہے۔ہادی سے شادی ہو جائے گی تو تم معتبر ہو جاؤ گی۔خاندان کے ساتھ جڑ کر رہو گی تو ٹھیک رہو گی۔ورنہ زویا کی طرح اکیلی اسپتال میں بستر پر پڑی موت کی آمد کی چاپ سنو گی۔''

وہ خاندان کی حیثیت کو اچھی طرح سے سمجھ گئی تھی۔اس کا خاندان ہادی تھا۔اس کی زندگی' اس کی ماں کی پسند' اور اس کا ہونے والا شوہر۔وہ اس سے محبت میں حدیں پار نہ کر دیتی تو کیا کرتی......وہ اس کے نام کے ساتھ سانس نہ لیتی تو مر نہ جاتی......

ایک دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی کہ ہادی وہاں سے گزرا۔اسے روتا دیکھ کر وہ اندر آ گیا۔وہ زویا کی وفات کے آٹھ ماہ بعد کا وقت تھا۔پہلے وہ خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''اب بس کرو رونا صدھم......''

اس نے اسے اپنے ساتھ لگا کر اتنے پیار سے کہا اور ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کیے کہ صدھم نے بیچ میں رونا بند کر دیا۔وہ اس کے سینے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔اسے ایسا لگا جیسے وہ زویا کے سینے کے ساتھ لگی ہو۔وہ محبت جو کھو گئی تھی وہ اسے پھر سے حاصل ہو گئی۔وہ پناہ جو وہ ڈھونڈتی پھرتی تھی وہ ہادی کے سینے سے لگتے ہی میسر آ گئی۔کتنی ہی دیر وہ ہادی کے سینے پر اپنے آنسو بہاتی رہی۔

''میرے کمرے میں اتنی ساری گیمز رکھی ہیں' جاؤ اور جا کر ان سے کھیلو لیکن ایسے مت رو......مجھے اچھا نہیں لگتا......کیا تمہیں اچھا لگتا ہے......؟؟

''نہیں......مجھے بھی اچھا نہیں لگتا رونا......''

''بس پھر ٹھیک ہے اب رونا نہیں......آؤ دادا سے کہتے ہیں وہ ہمیں آئسکریم کھلا کر لائیں......''

اسے ساتھ لے کر وہ دادا کے پاس آ گیا۔وہ تینوں ساتھ مل کر آئسکریم کھانے گئے۔اور پھر زویا کو یاد کر کے وہ دوبارہ روئی ضرور مگر اکیلے رہ جانے کے شدید غم سے نہیں۔وہ اپنے آنسو صاف کر لیتی تھی کیونکہ ہادی کو اچھا نہیں لگتا تھا اور جو ہادی کو اچھا نہیں لگتا تھا وہ اسے بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہادی کو یہ لگے کہ وہ اس کی بات نہیں مانتی۔وہ ہادی کی ہر بات ماننا چاہتی تھی۔وہ تو ہادی سے ہر بات بھی کرنا چاہتی تھی لیکن وہ جھجک جاتی تھی۔کچھ نرگس کا خوف تھا کہ وہ آتے جاتے ہادی کو اٹھتے' بیٹھتے' سوتے' جاگتے تو دیکھ لیتی تھی لیکن اس کے قریب نہیں جاتی تھی۔لیکن ایک دن یہ خوف بھی جاتا رہے گا۔کوئی وقت سے پہلے ہی آپ کو بتا جائے کہ آپ کو انعام میں کیا ملنے والا ہے تو وقت کٹتا ہی نہیں۔وہ ہادی' اپنے انعام' کے ملنے کے دن کے انتظار میں وقت کو بمشکل کاٹ رہی تھی......

❂......❂......❂

رضا ہاؤس میں چار خاندان آباد تھے۔

تایا جی......احسن......عقیل......اور صدھم......وہ اکیلی ہی الگ خاندان بناتی تھی کیونکہ وہ زویا کی بیٹی تھی۔

سب اپنے اپنے الگ خاندان کے ساتھ مکمل تھے جبکہ وہ زویا کے بغیر بالکل ادھوری تھی۔اور اوصاف پورے ''رضا ہاؤس'' کو مکمل کرتی تھی۔۔اوصاف جگمگاہٹ تھی اس گھر کی۔وہ احسن کی جان تھی' دادا کی باربی' تایا کی کرکٹ ٹیم کی کیپٹن' پھوپھو کے بچوں کی سنڈریلا' وہ اوصاف تھی......سب کے لیے سب کچھ تھی......ہر خوبی' ہر صفت' ہر رنگ لیے......

اس کی آنکھیں گہری سبز تھیں' بے حد سفید رنگت' سنہری اور ڈارک براؤن بال تھے۔وہ انسانوں کے لیے بنائی گئی پری تھی۔تایا جی کی عریشہ اسے خاص طور پر تیار کروا کر اپنے کالج فنکشن میں لے کر جاتی تھی۔پھوپھو کے بڑے بیٹے فرید نے اس کا پورٹ فولیو بنوایا اور ایڈ کمپنیز میں کڈز ماڈلنگ کے لیے بھیج دیا اور پھر اوصاف نے ملک اور بیرون ملک کے کئی نامور برانڈز کے اشتہارات میں کام کیا۔وہ ایک ایمبیسڈر کڈ بن گئی تھی۔جب وہ لوگ گھومنے کے لیے جاتے تھے تو لوگ روک روک کر اس کی تصویریں بناتے تھے۔اس کے لیے ساری تعریفیں کم تھیں' اس پر ساری تعریفیں ختم تھیں۔وہ اس گھر میں موجود ہر شخص سے زیادہ خوبصورت تھی......وہ بے انتہا خوبصورت تھی......

اوصاف باربی ڈول......ماڈل کڈ......فینس سنڈریلا......

اتنا سب کچھ اور پھر ہادی بھی۔وہ سب کا سب کچھ لے لیتی اس کا صرف ایک ہادی چھوڑ دیتی۔پاپا کی ساری محبت اس کے پاس تھی' اس کی محبت چھوڑ دیتی......

سب لڑکیاں لاہور کالج جاتی تھیں۔صدھم بھی وہی گئی مگر اوصاف کو لمز جانا تھا......کیوں......کیونکہ وہاں ہادی تھا......دادا اسے وہاں بھیجنا نہیں چاہتے تھے انہیں وہاں کا ماحول پسند نہیں تھا۔مگر ہادی کو جانا تھا تو اوصاف کو بھی جانا تھا۔وہ ہر اس جگہ موجود ہوتی جہاں ہادی موجود ہوتا تھا۔خاندان بھر میں ان کی دوستی مشہور تھی۔

ان دونوں کی دوستی نہ جانے کب شروع ہوئی۔تب جب ہادی اسے بے بی کار میں بٹھا کر لان کی سیر کرواتا یا اس کے ساتھ کرکٹ اور والی بال کھیلتا۔شاید تب جو وہ اسے بائیسکل چلانا سکھاتا تھا اور تب جب دونوں دادا کی کار چپکے سے ان سے پوچھے بغیر لے جانے لگے۔اسی وقت سے دونوں سب ساتھ ساتھ کرنے لگے تھے......وہ ساتھ ساتھ رہتے

......ساتھ ہی ہو گئے......

کالج جانے سے پہلے ان دونوں میں پہلی بار لڑائی ہوئی تھی۔لڑائی کی وجہ وہ لڑکیاں تھیں جو ہادی سے فری ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔یہ وہ لڑکیاں تھیں جو ہادی کے میوزک بینڈ کے تیسرے کنسرٹ میں آئی تھیں۔لڑائی کی اس وجہ نے صدھم کو پریشان نہیں کیا تھا۔وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ ہادی کسی کے بھی ساتھ رہے' ہے وہ اسی کا۔کیوں ہے اس کا؟ کیونکہ عقیل انکل اسے دے چکے ہیں۔ان دونوں کی منگنی ہو چکی ہے' جلد ہی ان کی شادی ہو جائے گی' اور وہ ہر دعا میں اسے مانگتی ہے۔اسے ضرورت نہیں تھی کہ وہ ہر وقت ہادی کا پہرا دیتی رہے۔اتنا ضرور تھا کہ وہ اسے دیکھنے' اس سے بات کرنے کے موقعے تلاشتی رہتی تھی' اس کے اوقات کار سے اپنا دن گزارتی تھی۔

دو بجے کالج سے آنے کے بعد وہ بمشکل دس پندرہ منٹ تک اپنے کمرے میں رہتا۔پھر وہ گھر میں ہی اپنے بنائے اسٹوڈیو میں چلا جاتا جہاں وہ شام تک رہتا۔پھر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نکل جاتا اور رات گئے ہی واپس آتا۔ اس کے کمرے میں جانے' کمرے سے باہر آنے' گھر آنے اور گھر سے جانے تک کا ہی وقت اور موقع ہوتا تھا جب وہ اسے دیکھ سکتی تھی۔رات بارہ' ایک' دو' تین' جب تک وہ واپس نہیں آ جاتا تھا وہ اپنے کمرے کے ٹیرس میں ہی ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کرتی رہتی تھی۔اس کے پاس اور کرنے کے لیے تھا ہی کیا' کالج اور گھر یا دادا کی لائبریری۔

۞......۞......۞
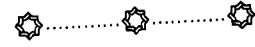
اچھے لوگ اس کی زندگی سے کم ہوتے گئے۔زویا کے جانے کے ٹھیک دو سال بعد دادی کا بھی انتقال ہو گیا۔جو اس کا زویا کی طرح ہی خیال رکھتی تھیں۔ان کے جانے سے وہ اور تنہا ہو گئی۔گھر میں ایک وہی سب سے زیادہ دکھائی دیتی تھی۔سب سے زیادہ فارغ رہتی تھی۔اس کے پاس پڑھنے کے علاوہ کوئی مصروفیت نہیں تھی۔گھر میں صرف ایک نرگس تھی جو کبھی بھی' کسی موقعے پر بھی اسے مخاطب نہیں کرتی تھی۔وقت گزر گیا تھا مگر ان کا رویہ نہیں بدلا تھا۔نورین صرف ضرورت کے وقت بات کر لیا کرتی تھیں۔وہ بھی دادا اور پاپا کو دکھانے کے لیے۔

ان دونوں کے علاوہ گھر میں اور کوئی اس کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کرتا تھا۔ہادی اسے بھی اپنے ساتھ کنسرٹ پر لے جاتا تھا۔اوصاف زبردستی اسے آؤٹنگ کے لیے لے جاتی تھی' دوسرے کزنز بھی اس سے کافی فرینڈلی تھے' اسے اپنے ساتھ ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔وہ جانتی تھی کہ اس میں ایسا کچھ نہیں ہے کہ اسے خاص اہمیت دی جاتی۔وہ اوصاف کی طرح خوبصورت نہیں تھی مگر عریشہ اور امثال کی طرح پیاری تھی۔وہ کسی بھی وجہ سے چونکاتی یا حیران نہیں کرتی تھی' وہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔وہ نہ ایسے بات کر سکتی تھی کہ دوسروں کو اپنا گرویدہ کر سکے' نہ ہی اس کی شخصیت ایسی تھی کہ دوسروں کو اپنے سحر میں جکڑ لے۔وہ بہت عام نہیں تھی تو بہت خاص بھی نہیں تھی۔وہ ایک سیدھی سادی اپنی دنیا میں مگن لڑکی تھی......اپنی دنیا......ہادی کی دنیا گم......

تایا جی نے بڑے بیٹے انس اور بیٹی عریشہ کی شادیاں ایک ساتھ کیں تو پہلی بار اس نے ہادی سے فرمائش کی۔

''پلیز میرے ساتھ ایک تصویر بنوا لیں۔''

''کیوں نہیں......آؤ ادھر......''

ہادی نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور اسے اپنے قریب کر لیا۔محبت کا یہ پہلا لمس تھا جو اس نے ہادی کی طرف سے وصول پایا۔اس لمس نے اس کے سارے جسم کو پہلے ناسور بنا دیا اور پھر اسے لگا کہ اس لمس سے بہار کی آمد کی چاپ اس کے پورے جسم نے سننی شروع کر دی ہے......اسے اپنا آپ معطر ہوا لگا......آئینے میں اس نے ایک نئی صدھم کو دیکھا......خوبصورت صدھم کو......ہادی کے رنگ میں پوری کی پوری رنگی صدھم کو......

۞......۞......۞
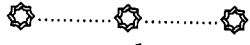
''کیا تم جانتے ہو محبت کیا ہوتی ہے؟ کیا تم نے کبھی ایسی محبت کا ذائقہ چکھا ہے جس کی سطح گلابی ہو اور پرتیں گلابی تر......''

صدھم کے گال آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے۔اس کی آنکھوں کا رنگ گلابی ہو چکا تھا اور انہی آنکھوں کی پرتیں گلابی تر تھیں۔

''صدھم میں تو اس محبت کو جانتا ہوں جس کی سطح ''ایمان'' ہے اور جس کی پرتیں ''ایمان'' سے تر۔''

صدھم نے رخ موڑ کر کسی قدر تنفر سے اسے دیکھا۔''تم انسانی معاملات میں اللہ کو کیوں لا رہے ہو؟''

''تم اپنے اور اللہ کے درمیان ''انسان'' کو کیوں لا رہی ہو......؟''

صدھم کی آنکھوں میں قید سارے پانی میں جھل تھل ہونے لگی اور وہ سسک کر رہ گئی۔

''تم نے ایک انسان کو اپنے لیے ''خدا'' بنا لیا ہے۔اس کی محبت کو اپنے لیے وبال بنا لیا ہے۔محبت جب وبال بن جاتی ہے صدھم تو وہ محبت نہیں رہتی......صرف ایک خواہش......ایک انسانی جذبہ بن جاتی ہے......جذبے جب اپنی تعریف اور ترکیب بدل دیں تو اپنے فیصلے بدل دینے چاہیے۔''

''تم مجھے میرے فیصلے سے بھٹکا نہیں سکتے۔''

''بھٹکا تو تم خود رہی ہو خود کو۔''

''اگر اسے بھٹکنا کہتے ہیں تو مجھے راست راستوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔میں اوصاف کو ضرور اس کے انجام تک لے جاؤں گی۔اگر موت ہی برحق ہے......میری محبت یا اوصاف کی روح کے لیے......تو میں اس کی روح کے لینے کا انتظام لے کر جاؤں گی۔''

۞......۞......۞
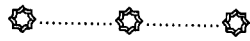
اوصاف اپنا موبائل اچھالتی دادا کی لائبریری میں آئی۔ڈیڈ! کیا میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔بات سن کر آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ اس کا اعلان کریں گے یا میں کروں......یا اس کے لیے کچھ اور سوچنا چاہیے؟'' وہ مسکرا رہی تھی

''بات بتاؤ......اعلان کا فیصلہ بعد میں کریں گے......'' دادا مسکرائے

''اس عید سے پہلے مجھے ہادی سے شادی کرنی ہے' آپ کو بتا دیا ہے باقی سب کو آپ بتا دیں۔'' اس نے اس طرح کہا جیسے کالج ٹرپ پر جانے کی بات کر رہی ہو۔

ریک سے کتابیں نکالتے صدھم کے ہاتھوں کی جان جاتی رہی۔سب کتابیں زمین پر آ گریں۔

''اوہ......صدھم! اوصاف نے گردن موڑ کر اسے دیکھا'' تم یہاں ہو؟ آجاؤ تم بھی......مل کر طے کرتے ہیں......''

اوصاف کا چہرہ سیاہ تھا۔اس کی آنکھیں خون رنگ۔آج سے پہلے اسے کبھی اوصاف اس طرح بدصورت نہیں لگی۔

''اوصاف!'' دادا کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا۔

''ڈیڈ......؟؟'' اوصاف نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا کہ وہ اتنا غصہ کس لیے کر رہے ہیں

''پاپا! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' نورین بھی وہیں آگئی۔

''تم جاؤ اوصاف۔'' دادا نے کہا

''میں چلی جاتی ہوں لیکن مجھے یہ کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے آپ کو میری بات بہت بری لگی ہے......؟''

''تم جاؤ......نورین اسے یہاں سے جانے کے لیے کہہ دو......'' دادا کے لہجے کی سختی بڑھنے لگی

اوصاف حیرت سے دادا کو دیکھنے لگی۔''لیکن ڈیڈ......وہ......؟''

''جاؤ یہاں سے......سنا نہیں تمہارے دادا کیا کہہ رہے ہیں۔'' نورین نے جھنجھلا کر کہا

نہ چاہتے ہوئے بھی اوصاف وہاں سے چلی گئی۔صدھم کو بھی جانا پڑا لیکن پیچھے سے جا کر وہ لان کی کھڑکی کے ساتھ کان لگا کر کھڑی ہوگئی۔

''پاپا جسٹس امتیاز کے بیٹے کا پرپوزل آیا ہے......اوصاف انکار کر رہی ہے۔''

''تم انہیں ہاں کہہ دو۔'' دادا فوراً بولے

''میں انہیں فوراً ہاں کہہ دیتی مگر اوصاف کہہ رہی ہے ہادی......''

''یہ ہادی کا نام بھی نہیں لے سکتی......ہادی میں زویا کو دے چکا ہوں' صدھم کے ساتھ اس کا رشتہ طے ہے۔''

حیرت کی زیادتی سے کتنی ہی دیر تک نورین سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ٹھیک ہے زویا کی بیٹی کو اس گھر میں سب کچھ ملا۔اتنا کچھ مل جائے گا اسے' انہیں معلوم نہیں تھا۔

''کہاں صدھم......کہاں ہادی......'' چڑ کر وہ طنز کر رہی گئیں۔

''اپنی بیٹی صدھم کے لیے ہی کہہ رہی ہو نا نورین؟'' دادا بھی طنزیہ بولے

''وہ زویا کی بیٹی ہے۔'' وہ اور برا مان گئیں۔ایسے جیسے مرنے والی زویا نے مر کر بھی انہیں ایک طمانچہ دے مارا ہو۔ان کی بیٹی اوصاف کا انتخاب ہادی' زویا کی بیٹی صدھم کے لیے پہلے سے ہی طے کیا جا چکا تھا۔کہاں اوصاف کی پسند اور کہاں صدھم کا نصیب۔وہ بل کھا کر رہ گئیں۔

''احسن کی بیٹی ہے زویا......تم ماں ہو اس کی سوتیلی ہی سہی......''

''پھر احسن جانیں اور آپ جانیں۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکیں اور چلی گئیں۔

کھڑکی سے اندر کی گفتگو سنتی صدھم بھی اطمینان سے چلی گئی۔اس رات وہ اطمینان سے سوئی' ورنہ اسے بے

چینی لگی رہتی تھی کہ کوئی اس گھر میں ان دونوں کے رشتے کا نام ہی نہیں لیتا۔اب دادا نے لیا تو نورین کی زبان سے سب کو معلوم ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

نرگس کو معلوم ہوگیا......اور وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آئیں۔

''خون کا اثر بھی کبھی مرا ہے......زویا مرگئی تو کیا ہوا......سب سیکھا گئی ہے وہ تمہیں۔''

صدھم کو بہت دکھ ہوا ان کے انداز پر......مرے ہوئے لوگوں کو کوئی ایسے یاد کرتا ہے' ایسے یاد کرواتا ہے......

''تمہاری ماں کو تو میں نے اس گھر میں گھسنے دیا تھا' تمہیں اپنے بیٹے کی زندگی میں کسی قیمت پر نہیں گھسنے دوں گی۔''

صدھم کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔بے بسی' لاچاری اور شدید دکھ کی کیفیت نے اسے نڈھال کر دیا۔

رات کو نرگس آنٹی اور دادا کی باتیں اس نے چھپ کر سنیں۔

''جب احسن نے مجھ سے اپنا رشتہ ختم کیا تو آپ نے مجھ سے آ کر کیا کہا تھا......'' وہ غصے میں تھیں مگر تحمل سے ہی بولیں۔

دادا گڑبڑا گئے۔

''میں یاد دلاتی ہوں آپ کو' آپ نے کہا تھا۔''تم پر ظلم ہوا ہے' لیکن یہ ظلم احسن نے تم پر کیا ہے' چاہو تو اس کی سزا مجھے دے لو......''

''ہاں! میں نے کہا تھا......''

''کیا میں نے آپ سے کچھ کہا......آپ عقیل کے لیے میرا رشتہ لائے اور میں نے آپ کا مان رکھا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ شکست خوردہ سے بولے

''تو آج آپ مجھے اس کی سزا کیوں دے رہے ہیں۔آپ جانتے ہیں' میں زویا' اس کی بیٹی سے کتنی نفرت کرتی ہوں۔پھر آپ نے ہادی کے ساتھ اس کا رشتے کیسے طے کر دیا' آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے۔''

''یہ رشتہ عقیل نے طے کیا تھا'' انہوں نے بودی سی دلیل دی۔

''عقیل سے یہ رشتہ آپ نے طے کروایا ہے......آپ دونوں کی مرضی سے ہوا ہے یہ سب......''

''میرا فیصلہ غلط نہیں ہے بیٹا......کیا تمہارے لیے عقیل کا میرا فیصلہ غلط تھا' کیا عقیل نے تمہیں خوش نہیں رکھا۔ صدھم بہت اچھی لڑکی ہے نرگس' پھر وہ بن ماں کی بچی ہے......''

''وہ زویا کی بیٹی ہے۔''

''وہ احسن کی بیٹی ہے۔'' دادا نرمی سے بولے

''مجھے یہ یاد نہیں کہ اس کا باپ کون ہے' اس کی ماں کون ہے مجھے یہ نہیں بھولتا......''

''بھول جاؤ پرانی باتوں کو......''

''بھول جاتی اگر صرف بات ہوتی' میری بے عزتی تھی وہ......اس عورت کے لیے مجھے ٹھکرایا گیا۔''

''پرانے زخم اس وقت تک رستے رہتے ہیں جب تک ان پر معافی کی مرہم نہ لگادی جائے۔صدھم کا کوئی قصور نہیں تھا اس سب میں۔''

''میرا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔میں کسی صورت زویا اور اس کی بیٹی کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔آپ کچھ بھی کہیں لیکن صدھم کے لیے میری ناں ہاں میں نہیں بدلے گی۔''وہ تن کر کھڑی تھیں۔

''ایسا انداز نہ اپناؤ نرگس!اٹل فیصلے صرف اللہ کے ہوتے ہیں۔جب انسان بے جا ضد پر آجاتے ہیں تو اللہ کی ناراضی کا سامنا کرتے ہیں......اللہ کو راضی کرنے کی تدبیر کرو......''

''اس معاملے میں میں مجبور ہوں پاپا......پلیز مجھے مجبور مت کریں۔''لفظ اللہ پر وہ کچھ شرمندہ سی ہوئیں۔

''نفرت کا یہ کیسا رشتہ ہے جو ہم ہمیشہ بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔''وہ دکھ سے بولے۔

''یہ میرے اختیار میں نہیں پاپا......''

''کیا بلاوجہ کی نفرت گناہ نہیں؟بن ماں کی بیٹی ہے وہ'تمہیں اس پر ترس نہیں آتا۔کیسے چھپ چھپ کر روتی رہتی ہے کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔جو گناہ اس نے نہیں کیا اس کی سزا اسے کیوں دے رہی ہو۔تم نے احسن کی باقی اولاد کو بھی تو اپنالیا ہے تو صدھم کیوں نہیں۔تمہیں اوصاف پسند ہے لیکن صدھم نہیں'صرف اس لیے کہ صدھم زویا کی بیٹی ہے۔صدھم تمہاری اور ہماری بیٹی ہے نورین۔کیا تم نے سنا نہیں کہ بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔تمہاری بھی ایک بیٹی ہے'وقت اور موت کسی کو نہیں چھوڑتے......آج ہم ہیں کل نہیں ہوں گے......پھر......وقت بدلنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے......وقت بدلنے سے پہلے آؤ اپنے فیصلوں کو بدل لیں......نہ میں نے احسن کی ایسی تربیت کی تھی نہ باقی اولاد کی کہ وہ ایسے بے رحم ہو جائیں۔میں نے ایسا رزق تو کبھی نہیں کمایا کہ وہ تم لوگوں کے دل اتنے سخت کر دیں کہ اس میں سے نفرت کا گزر تو ہو لیکن رحم دلی کا نہیں......''

دادا کی ان باتوں نے نرگس پر عجیب اثر کیا۔وہ خاموش ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''جن کی اپنی بیٹیاں ہوں'ان کے دل تو بہت نرم ہوتے ہیں۔کیا یہ کم ہے کہ اس کی ماں نہیں ہے'اور وہ کتنے دکھوں کی مستحق ہے۔اتنے بڑے غم کے بعد اور کتنے غموں پر اس کا حق بنتا ہے۔''

نرگس خاموش ہوگئیں۔لفظ موت نے ان پر گہرا اثر کیا تھا۔ہاں!یہ ایک موت ہی ہے جو سب سے بڑا غم ہے ان کے لیے جو زندہ رہ جاتے ہیں۔وقت اور موت کسی کو نہیں چھوڑتے......وقت گزر جاتا ہے اور موت آ ہی جاتی ہے۔اور پیچھے رہ جانے والے کتنے تنہا رہ جائیں گے''مرجانے''والے نہیں جان پائیں گے۔

✿......✿......✿

''وہ نہیں مان رہی پاپا''نورین پھر ان کے پاس موجود تھیں۔

''بلاؤ اسے......اور تم جاؤ......''

''یہ سب انکار اور تکرار کیوں ڈیڈ؟''وہ آتے ہی حیرانی سے بولی۔

جسٹس امتیاز کی طرف سے آنے والا......

''آنے والا یا جانے والا'مجھے نہیں معلوم کرنا۔ان کی دولت'رتبہ'کم آن ڈیڈ......مجھے عہدے مت گنوائیں۔کیا ہوگیا ہے آپ کو......آپ چاہتے ہیں میں صاف صاف بات کروں تو سنیں......میں بے حد......بے حد اور بے حد محبت کرتی ہوں ہادی سے۔کیا اتنا کافی ہے یا اور بتاؤں......میں نے تو سوچا تھا آپ سب لوگ خوش ہوں گے۔آپ سب کو لگتا تھا کہ میں ضدی ہوں اور اپنی مرضی کروں گی اور نہ جانے وہ''اپنی مرضی''کس طرح کی ہوگی۔اب ہادی کا کہہ دیا ہے تو......ایسا کیوں کر رہے ہیں جیسے میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہو؟''

''نورین......''وہ دھاڑے۔اوصاف ڈر گئی۔

''لے کر جاؤ اس بے شرم کو یہاں سے۔''

ان کی بات پر اوصاف حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔حیرت سے ہی صدھم بھی اسے دیکھنے لگی۔اوصاف کی اتنی جرأت کہ وہ ہادی کے بارے میں سوچنے لگی۔دادا کا انداز اسے اچھا لگا۔وہ جانتی تھی ایسے ہی کسی انداز میں ہادی اوصاف کو جھڑک دے گا۔

''نہ جانے آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔''اوصاف وہیں کھڑی تھی۔

''میں نے ہادی کو فون کر دیا ہے'وہ آرہا ہے۔''

''ہادی آئے یا ہادی کا باپ آئے......ہوگا وہی جو میں کہوں گا......سمجھی تم......''دادا پھر غصے سے چلائے

اوصاف خاموش انہیں دیکھتی رہی۔کچھ ہی دیر میں ہادی بھی وہاں موجود تھا۔

''تم دونوں جاؤ یہاں سے۔''

اس کے آتے ہی دادا نے دونوں کو ایک ساتھ ڈپٹ دیا۔ان کا غصہ بڑھنے لگا تھا۔

''ہادی!ڈیڈ نہ جانے کیوں ایسے کر رہے ہیں۔''اوصاف وہاں سے جانے والی نہیں تھی نہ ہی ہادی کو جانے دینا چاہتی تھی۔

''اوصاف!تم جاؤ یہاں سے......''ہادی نے نرمی سے کہا اور اوصاف چلی گئی

صدھم جانتی تھی کہ اوصاف زبردستی اپنی ہر بات منواتی ہے۔ورنہ ہادی اس کی آدھی بات بھی نہ سنے۔دوستی اپنی جگہ مگر وہ ہادی پر بے جا مسلط تھی۔اس نے خود کو اس کے گرد جال کی طرح بن دیا تھا۔

''ہادی!تم بھی جاؤ۔مجھے تم دونوں سے کوئی بات نہیں کرنی......''

''دادا!آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟''وہ حیران ہو کر بولا۔

''میں نے تمہارے لیے صدھم کو پسند کیا ہے۔بس مجھے انکار نہیں سننا۔''دادا نے بات الجھا کر کی'سیدھی طرح کرنی چاہیے تھی۔

ہادی حیران سا انہیں دیکھنے لگا۔''صدھم!''وہ بڑبڑایا۔

''صدھم کو کون ناپسند کر سکتا ہے دادا'وہ اتنی پیاری ہے۔لیکن اوصاف کے مقابلے میں آپ کسی کو بھی لا کر کھڑا کریں گے تو میں انکار ہی کروں گا۔آپ جانتے ہیں میری اور اوصاف کی دوستی کو۔''

چھپ کر ان کی باتیں سنتے، کھڑے کھڑے صدھم کے جسم سے جان نکل گئی۔ اس کے دل میں ایک دم سے ایسی ٹیس اٹھی کہ اس کے لیے وہاں کھڑے رہنا محال ہو گیا۔

''اگر اوصاف نہ ہوتی تو میں کبھی آپ کو انکار نہ کرتا۔ اب آپ بھی مت کریں۔''

ہادی کی آواز اس کی تکلیف کے بار کو بڑھا رہی تھی۔ لیکن وہ اس کی آخری بات سے متفق تھی کہ اگر اوصاف نہ ہوتی تو...... اگر وہ ہوتی ہی نہ تو......

اسے ہونا ہی نہیں چاہیے تھا یا کم سے کم اس کے اور ہادی کے درمیان تو بالکل نہیں......

✡......✡......✡
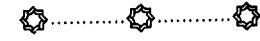
''ہاں! اسے نہیں ہونا چاہیے...... تمہارے اور ہادی کے درمیان......''

صدھم نے چونک کر اسے دیکھا...... ''تو تم متفق ہو مجھ سے......''

ہاں! لیکن تمہیں پہلے ''ہادی'' کا تعین کر لینا چاہیے......''

''میں کر چکی ہوں تعین۔'' وہ اونچی آواز میں بولی

''کر چکی ہوتی تو میری یہ حالت نہ ہوتی۔'' اس نے اپنے ہاتھوں اور سر کی طرف اشارہ کیا۔ روشن پیشانی سے پھوٹنے والا سیاہ جال اس کی روشن آنکھوں کو بے نور کرتا اس کے دل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گمراہی اپنے سب ہتھیار لیے اس کی شہ رگ پر وار کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی...... اس کی تیاریوں کو عروج صدھم نے دیا تھا...... جیسے آغاز صدھم نے کیا تھا......

صدھم نے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنا شروع کیا۔

''دیکھو میری بینائی جا رہی ہے...... تم مجھے اندھا کر رہی ہو...... میری سماعت دھوکا دہی پر آ چکی ہے...... میری زبان دعوے کر رہی ہے...... دیکھو صدھم تم میرا کیا حال کر رہی ہو...... کیا تم نے میرا احسن نہیں دیکھا، کیا اس حسن نے تمہیں مبہوت نہیں کیا، اب کیا تمہیں غلاظت اور کراہیت دکھائی نہیں دے رہی...... خوف نہیں محسوس ہو رہا...... اور کیا تمہیں خود کو اللہ سے الگ کر لیے جانے کا کوئی صدمہ نہیں...... میں بدصورت ہوتا جا رہا ہوں اور تمہیں اپنے گناہ کے حسن پر ناز ہے...... تم اپنا وعدہ کیوں توڑ رہی ہو صدھم......''

''کون سا وعدہ......؟''

''تم نے خود سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم ہمیشہ ہادی کو خوش رکھو گی...... جو وہ چاہے گا وہی کرو گی؟''

''میں نے کبھی اسے ناخوش نہیں کیا......''

''تم جلد ہی اس کی خوشنودی کھو دو گی......''

کیا تم اندھے ہو، تمہیں میری تکلیف نظر نہیں آ رہی۔ دیکھو میری کیا حالت ہو گئی ہے۔ اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر میں نے کتنی بار مانگا ہے...... کتنی راتوں میں...... کتنے سجدوں میں...... زبان تھک گئی ہے اب...... دل رو رہا ہے اب...... اب بس...... میں اوصاف کو آج زہر پلا دوں گی۔''

''وہ مر جائے گی، تم اسے قتل کر دو گی...... تم مجھے کہیں کا نہیں چھوڑو گی صدھم...... میری پناہ مجھ سے نہ چھینو صدھم......''

''اسے مر جانا چاہیے۔'' اس نے انتہائی نفرت سے کہا

یہ ظلم ہے...... مر تو اس خیال کو جانا چاہیے جو تم نے نفس کی گرہ میں باندھ لیا ہے...... تم انسان سے شیطان بن رہی ہو...... تم اشرف ہونے پر راضی نہیں رہنا چاہتی، تم رتبے سے گر رہی ہو......'' وہ شدید کرب سے بولا

''محبت سب سکھا دیتی ہے۔'' اس نے گردن کو اکڑا کر کہا

''یہ سب جو تم نے سیکھ لیا ہے...... محبت نے سکھایا ہے؟''

''ہاں......'' اس نے غرور و تکبر سے گردن کو اور اکڑا لیا

''کس کی محبت سے؟'' خیال رو دینے والے انداز سے بولا

''ہادی کی محبت نے۔'' انداز میں اور غرور چھلکنے لگا

''ہادی کی نہیں، انسان کی محبت نے۔''

''وہ صرف انسان نہیں ہے۔'' وہ چلائی

''صرف ایک انسان ہی ہے۔ ورنہ اس کی محبت تمہیں بے صبرا نہ بنا دیتی۔ وہ تمہیں ناشکری اور گناہ کی طرف راغب نہ کرتی۔ تم نے غور ہی نہیں کیا ان سب پر، غرور اور تکبر پر، شر اور خیر پر، گناہ اور ثواب پر، تم سب بھول گئی ہو۔ ایک محبت نے تمہیں سب بھلا دیا ہے۔ تم نے تکبر سے سر اٹھا کر خود کو گناہ کے میدان میں لا کھڑا کیا ہے۔ تم نے دعا کے لیے ہاتھ گرا کر اپنی مرضی کے لیے اٹھا لیے ہیں۔ کیا یہ محبت ہے جس نے تمہیں منکر بنا دیا ہے۔ اللہ سے محبت کرتیں تو یہ سب نہ سیکھتیں۔ انسان سے محبت نے تمہیں اتنا سکھا دیا ہے۔ تم ایک انسان کو مارنے جا رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ تم محبت کرتی ہو...... یہ ہے وہ محبت؟''

''ہاں یہی ہے وہ محبت...... مجھے اب یہی محبت چاہیے......''

✡......✡......✡
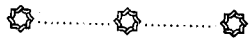
''مجھے اور احسن کو ہادی اور اوصاف کے ساتھ رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ کو بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' احسن اور نورین آج ایک ساتھ آئے تھے۔

''ہادی صدھم کا منگیتر ہے۔'' دادا کڑے تیور لیے بولے۔

''ہادی اوصاف کے ساتھ خوش رہے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''

''وہ صدھم کے ساتھ بھی خوش رہے گا۔'' دادا اپنی بات سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''آپ خواہ مخواہ ضد کر رہے ہیں پاپا......''

''کیا صدھم تمہاری بیٹی نہیں ہے احسن۔ ساری حمایت تم اوصاف کی ہی کر رہے ہو......؟''

''بیٹی ہے اس لیے کہہ رہا ہوں۔ دونوں کی پسند کو جانتا ہوں بلکہ سب جانتے ہیں اوصاف اور ہادی کی ایک

دوسرے کے لیے پسندیدگی کو......''

''صدھم سے پوچھا اس کی پسند کا......؟؟''

''صدھم کسی کے ساتھ بھی خوش رہ لے گی' مگر اوصاف نہیں۔ آپ بھی جانتے ہیں صدھم اور اوصاف کے فرق کو۔''

''صدھم مسکین ہے اور اوصاف نہیں......'' دادا نے طنزیہ جتایا

نورین نے جز بز ہو کر پہلو بدلا۔

دونوں میں ایک ہی فرق تھا کہ ایک محبت کرتی تھی اور اظہار بھی کرتی تھی۔ جبکہ دوسری محبت کرتی تھی اور خاموش رہتی تھی۔ گھر میں چلنے والے صورتحال سے صدھم اچھی طرح سے واقف تھی۔ وہ لائبریری' ہال اور دادا کے کمرے میں ہونے والی ساری گفتگو کو جانتی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں اور کان اچھی طرح سے کھول لیے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ بے خبری میں ماری جائے۔

ہادی اپنے کنسرٹ کے لیے شہر سے باہر تھا اور اوصاف بھی اس کے ساتھ تھی۔ دادا بہت بے چین رہتے تھے۔ وہ کسی کی کوئی بھی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ جانتی تھی' دادا اس کا حق کسی کو نہیں لینے دیں گے۔ ہادی صدھم کا حق تھا اور ان کا فرض تھا اس کا حق اسے ہی دینا۔

نورین آنٹی نے ایک بار پھر دادا' تایا جی' پھوپھو' عقیل انکل اور نرگس آنٹی کو بات چیت کرنے کے لیے اکٹھا کیا۔ نجانے کیوں وہ ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

''نہیں نورین! ہادی کے رشتے کے لیے میں صرف صدھم کے لیے ہی ہاں کروں گی۔''

اس جواب نے نورین کی گویا زبان چھین لی۔ انہیں یقین نہیں آیا کہ صدھم کے لیے یہ الفاظ نرگس کہہ رہی ہیں' زویا کی بیٹی کے لیے جس سے وہ نفرت کرتی تھیں۔ دادا نے فخر سے نرگس کو دیکھا۔ آج پھر نرگس نے ان کا مان رکھ لیا تھا۔

''وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔'' نورین اپنا غصہ بمشکل دبا کر بولیں۔ ان کی بیٹی کے مدمقابل ایک صفر لڑکی تھی۔ یہ بھی ان کی بے عزتی ہی تھی کہ ایسی لڑکی ان کی بیٹی کے مقابلے پر جیت رہی ہے۔

''میں ہادی کو سمجھا لوں گی۔ ایک مرتے ہوئے انسان سے میرے شوہر نے وعدہ کیا ہے' مجھے بھی مرنا ہے' میری بھی ایک بیٹی ہے...... پتا نہیں مجھے کس کس سے کیا کیا وعدہ لینا پڑ جائے۔ وقت بدلتے اور موت آتے دیر نہیں لگتی۔''

''اوصاف ایسا نہیں ہونے دے گی بھابھی......''

''تم اسے سمجھاؤ' اسے بتاؤ کہ صدھم کا رشتہ سالوں پہلے سے ہی طے ہے۔'' نرگس اوصاف کو لے کر کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں۔

''میں تو آپ کو سمجھا رہی ہوں' گھر میں لڑکوں کی کمی نہیں ہے۔ ہادی نہ سہی' شرجیل ہے۔ جذباتی ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ عقیل نے وعدہ کیا تھا تو شرجیل سے کر دیتے ہیں۔ صدھم اسی گھر میں رہے گی' وعدہ بھی پورا ہو جائے گا آپ کا۔''

دادا اس بات پر سوچنے لگے۔ نرگس بھی خاموش ہو گئیں۔

''اوصاف اور ہادی نہیں مانیں گے' آپ سب مان جائیں۔ اگر ہادی صدھم کے لیے مان جاتا تو آپ ان دونوں کی کر دیں' اوصاف نہیں بھی سمجھے گی تو کیا کر لے گی۔'' نورین نے منہ بنا کر کہا۔

اوصاف کے ہوتے ہوئے ہادی صدھم کے لیے کیسے مان جائے گا۔ سب جانتے تھے' اوصاف زمین آسمان ایک کر دے گی۔ خود کو جلا دے گی' دنیا کا آگ لگا دے گی مگر اپنی منوائے گی' اسے ہادی چاہیے تھا اور بس......

اور اسے......صدھم کو......

اسے کیا چاہیے' یہ سوچنے والا وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ اوصاف اور ہادی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں یہ سب جانتے ہیں۔ وہ کسے پسند کرتی ہے کوئی جاننا ہی نہیں چاہتا......

۞............۞............۞

''انسان اتنا منہ زور کیوں ہو جاتا ہے؟''

''کیا انسان کو بنانے والے کو یہ معلوم نہیں تھا' اس کی منہ زوری کا......اس کی خواہش کی حد کا......؟؟''

''معلوم تھی' اسی لیے اس نے لگامیں دی تھیں......''

''میں نے وہ لگامیں نہیں دیکھیں......''

''کیا تم اپنی مرضی سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرتی سونے کے لیے......؟؟''

''وہ ایک قدرتی عمل ہے......''

''وہ تمہاری چاہ ہے......تم جانتی ہو آنکھ بند کر کے تمہیں نیند لینی ہے...... یہ تمہارا حکم ہے......تمہاری آنکھ کو' تمہارے جسم کو۔ تمہارا یہ حکم ہی تمہاری لگام ہے......خواہش ''نفس'' ہے ......اور نفس کی لگامیں ہمارے ہاتھ میں ہیں..........وہ کیا ہے جو اس لگام سے نہیں ہوتا؟''

''محبت...... یہ بے بس کر دیتی ہے......''

''نہیں صدھم......بے بسی تمہاری مٹی میں نہیں گوندھی گئی...... یہ تمہاری اپنی تخلیق ہے......''

''میں بشر ہوں کچھ تخلیق نہیں کر سکتی......''

''کیا تم اپنی خواہشات تخلیق نہیں کرتیں......کیا تمہاری چاہ تمہاری تخلیق نہیں......؟؟''

''تم دلائل میں مجھے ہرا سکتے ہو......''

''میں کتنے بھی دلائل میں تمہیں ہرا دوں......تمہارا ایک بدعمل تمہیں جیتا سکتا ہے......میری کشش کتنی بھی زور آور کیوں نہ ہو' یہ تمہارے ''کر دینے'' کے عمل سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میں کتنا بھی طاقتور ہوں' کسی ضعیف بوڑھے کی طرح کپکپانے میں وقت نہیں لوں گا۔ میں کتنا بھی خدا کے قرب کا طلبگار ہونا چاہوں' تمہاری بشری طلب کے بوجھ تلے دب کر رہ جاؤں گا۔ تم انسان عمل اور بدعمل کے خالق ہو......تم ہر پل اپنے اندر نئے پیمانے نافذ کرتے ہو۔ میں کتنا بھی یادداشت میں ''جمالِ رب'' کا نظارہ کرتا رہوں تم ''کمالِ فن'' سے اس نظارے کو بھلا دینے پر مجبور کر دو گے......قادر تو تم ہو نیک و بد پر......اپنے راستے' اس راستے کی منزل پر......''

''جب حقیقی قادر اپنی قدرت نہ دکھائے تو انسان کو قادر بننا ہی پڑتا ہے......''

''اللہ کی صفتِ حقیقی پر ایسے شک نہ کرو صدھم۔ مجھے اتنا شرمندہ نہ کرو' جس سے محبت کے دعوے کرا چکی ہو اس پر ایسے شک نہ کرو۔ کیا تم نے کبھی اس پل پر غور نہیں کیا جب ایک ہو کر ہم سب نے اللہ کو اپنا خالق مانا تھا۔ اس کے سامنے ایسے جھکے تھے کہ دوبارہ اٹھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ دنیا میں آنے کے لیے ہم کیسے اللہ کی بارگاہ کی طرف لوٹ لوٹ جاتے تھے کہ وہ اپنا فیصلہ بدل لے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ''ہماری تخلیق'' کا لمحہ کیسا تھا۔ اور کیا تم یہ بھی یاد کرنا نہیں چاہتی کہ ہم نے فرشتوں پر رشک کیا تھا کہ وہ ایک اللہ کے حکم کے پابند ہیں اپنے نفس کے حکم کے تابع نہیں۔ اور کیا ہم نے دلوں میں یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ہم بھی ایسے ہی پابند ہوں گے؟...... اپنی حدود میں...... اپنے رب کی رضا میں...... اپنے خالق کی محبت میں...... بس......

انسان بھٹک جانے والا بھی ہے اور بھٹکا دینے والا بھی۔ ٹھیک کہا اللہ نے ''انسان بہت جلد باز ہے''۔ یہ دنیا ''جلد بازی'' کا بازار ہے...... یہاں کچھ قائم نہیں...... یہاں کسی کو دوام نہیں...... اس بازار میں ایسا ہے کیا جس کے لیے ''حقیقی محبت'' کو بھلا دیا جائے۔ کیا تم دیکھتی نہیں کہ ولیوں نے کیسے اپنے محل چھوڑ دیے' اپنے رتبے' اپنی شان و شوکت' وہ سب کچھ جو ان کے پاس تھا...... کس لیے؟ اللہ کی محبت میں۔ تم ایک انسان کو چھوڑ دینے کے لیے تیار نہیں ہو۔ کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ دنیا کی ساری دولت دے کر بھی اللہ کی محبت خریدی نہیں جا سکتی اور بس صرف ایک انسان خود...... انسان خود جو یہ محبت حاصل کر سکتا ہے...... یہ تو تم ہو جو اللہ کی ساری محبت پا سکتی ہو...... دیکھو اللہ نے اپنی محبت کی قیمت کیا رکھی ہے...... اس نے اپنی محبت میں انسان کی ''بندگی'' رکھی ہے۔ اس کا بندہ بن جاؤ صدھم...... اسی کی بندگی میں رہو......''

''جب لوگ اتنا کچھ برا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا تو پھر میں کیوں نہیں...... میں نے کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا' میری ماں نے بھی نہیں کیا تھا۔ اللہ نے انہیں سزا نہیں دی اور مجھے سزا دلوا دی...... اللہ کو اپنی انصاف پسندی پر نظر ثانی کرنی چاہیے...... اسے دیر نہیں کرنی چاہیے...... کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب لوگوں کو انصاف ملنا بند ہو جاتا ہے یا اس میں دیر ہونا شروع ہو جاتی ہے تو کیا ہوتا ہے...... وہ سرکش ہو جاتے ہیں...... وہ بغاوت پر اتر آتے ہیں...... دکھ ہو یا صبر اس کی ایک حد ہوتی ہے......''

''میں یہ جانتا ہوں کہ جب کوئی بے صبرا ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔''

''کیا ہوتا ہے......''

''وہ بے سکون ہو جاتا ہے...... وحشی ہو جاتا ہے...... جانتی ہو صبر کی تلقین کیوں کی گئی ہے؟''

''صبر ایک بہلاوا ہے جو اسے دے دیا جاتا ہے جو کمزور رہ جاتا ہے۔ صبر ایک تالا ہے جس کی چابی بے بسی ہے' ایک ایسا گھونسلا جس کے پرندے پر کٹے ہیں' ایک ایسی شرینی جو دُکھ کی تلخی میں گھولنے کے لیے دے دی جاتی ہے......''

''جب تم نے کبھی صبر کیا نہیں تو تم اتنی تلخی سے بات کیسے کر سکتی ہو۔''

''میں نے بچپن سے اب تک صبر ہی کیا ہے......''

''کیسے......؟''

''مجھے تمہیں تفصیل نہیں بتانی...... میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں......''

''میں بتاتا ہوں۔ جب تم آنکھ کھولتی تھی تو تمہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تمہیں انتظار کرنا پڑتا تھا کہ کب تمہیں نور عطا ہو اور تم بینا ہو جاؤ۔ تم نے دعائیں کی کہ تمہاری سماعیں تمہارے اختیار میں دے دی جائیں تاکہ تمہیں کم سے کم وہ تو سنائی دے جو تم سننا چاہو۔ تمہیں چاہ تھی کہ کاش تم اپنی مرضی سے اپنی زبان کا استعمال کر سکو۔ تمہیں وہ قوت عطا ہو جو زبان تک لقمہ لے جانے میں کارگر ثابت ہو اور......''

''بس کرو! میں اکیلی نہیں ہوں جس کے پاس آنکھ ناک کان ہے۔''

''تو پھر تم اکیلی نہیں ہو جس نے دُکھ کا ذائقہ چکھا...... غم سہا...... جو بے بس ہوا...... جسے لاچار کر دیا گیا...... جس کی ماں مر گئی' جو تنہا رہ گئی...... تم اکیلی نہیں ہو......''

''ٹھیک ہے میں اکیلی نہیں ہوں...... پھر میں گناہ کرنے میں بھی اکیلی نہیں ہوں۔''

''جو معمولی غموں پر صبر کرنے سے قاصر ہے...... وہ گناہ کی سزا کس صبر سے کاٹے گا؟''

''تا عمر دکھوں کو سہتے رہنا بھی سزا ہی ہے...... تم چاہتے ہو میں آنسو بہا کر بیٹھ جاؤں۔''

''ہاں! تم بیٹھ جاؤ لیکن فیصلے کے انتظار میں......''

''فیصلہ جو میرے حق میں نہیں ہو گا......''

''فیصلہ جو تمہارے لیے ہو گا......''

''وہ مجھے پسند ہو یا نہ ہو......''

''اگر تم سے پوچھا جاتا تو تم تو انسان ہونا بھی پسند نہ کرتی۔ اب انسان بن چکی ہو تو خدا بن رہی ہو۔''

''تم اللہ کی حمایت کے لیے آئے ہو......''

''اللہ کو اپنی حمایت کی ضرورت نہیں پڑتی...... میں تو تمہاری حمایت میں آیا ہوں...... تمہیں بچانے......''

''تم بس یہ چاہتے ہو میں اپنی محبت کا خون کر دوں......''

''میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم ''محبت'' کو پا لو...... حقیقی محبت کو۔''

''اللہ کی محبت اگر کافی ہوتی تو دنیا میں مرد اور عورت کا جوڑ نہ بنتا......''

''اللہ کی محبت اگر ناکافی ہوتی تو اس مرد اور عورت کا جوڑا ہی نہ بنتا...... رشتے اور تعلق محبت میں حائل نہیں ہوتے۔ ماں باپ' بہن بھائی' شوہر اولاد' یہ سب تو زندگی کی مقررہ مدت میں ساتھ نبھانے والے سہارے ہیں۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ روز قیامت سب کو اپنی اپنی پڑی ہو گی۔ ماں کو اولاد کی فکر نہ ہو گی' باپ کو اپنے خاندان کا پتا نہ ہو گا...... کیوں؟ کیونکہ تب صرف ایک تعلق اہم ہو گا...... ''اللہ اور بندے کا''۔ جو تب اہم ہو گا وہ اب کیسے غیر اہم ہو سکتا ہے صدھم...... حقیقی تعلق تو تمہارا اور اللہ کا...... باقی سب تو فانی ہے......''

۞......۞......۞
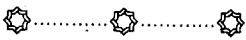
دادا کے کمرے میں ہونے والی اس آخری فیصلہ کن بات چیت نے صدھم کو اتنا بے یقین کر دیا کہ اسے یہ

احساس شدت سے ہوا کہ جو سزا اس کی ماں کے حصے میں آنے سے رہ گئی تھی وہ اب اس کے حصے میں بڑے آرام سے آ گئی ہے۔ جو تکلیفیں بچ گئی تھیں وہ اسے منتقل کر دی گئی ہیں۔ وہ رات اس کے کمرے میں ماتم بن کر اتری۔ وہ اتنا روئی اتنا روئی کہ اس کی آنکھوں کی ساری بینائی' اس کے دل کی خوش امیدی کے سنگ بہہ گئی۔

''آپ نے ہادی اور اوصاف کے نکاح کا اعلان کر دیا ہے دادا؟'' اگلے دن صبح ہی وہ دادا کے سامنے تن کر کھڑی تھی۔

''ہاں! دونوں کی مرضی تھی تو.....'' وہ اتنا ہی کہہ سکے

''اور میری مرضی.....؟'' وہ پہلی بار ان سے ایسے مخاطب تھی

''تمہاری مرضی.....'' وہ حیران ہوئے

''ماما نے مجھے بتا دیا تھا' میرے اور ہادی کے رشتے کے بارے میں.....'' اپنے حق کی بات کرنے کے لیے وہ مضبوط انداز سے کھڑی تھی۔

وہ چونک گئے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ اس بات سے واقف ہے۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے صدھم۔''

''جھوٹ مت بولیے دادا! آپ سب جانتے ہیں۔'' وہ رونے لگی۔

دادا حواس باختہ ہو گئے۔

''کتنے ظالم ہیں آپ۔ کتنی ظالم ہیں نورین آنٹی' اپنی بیٹی کا مقدمہ لڑ کر جیت گئیں۔ ماما زندہ ہوتیں تو وہ بھی میرے لیے لڑتیں' آپ کو آپ کا کیا وعدہ یاد کرواتیں۔''

''کیا میں نے تمہیں زویا سے کم پیار دیا۔''

''کوئی میرے لیے نہیں لڑا' میں صرف آپ کا خون ہوں' آپ کی بیٹی نہیں۔ میرا کوئی نہیں' میں کسی کی نہیں۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' وہ پیار کرنے اس کے قریب آئے۔ ''ہم شرجیل کے ساتھ.....''

''محبت کے بدلے میں آپ تعلق دے رہے ہیں۔ سودا کر رہے ہیں میرے ساتھ' اوصاف سے کیوں نہیں کرتے یہ سودا آپ۔''

''میں مجبور ہوں..... ہادی اوصاف سے.....''

''آپ مجبور نہیں ہیں..... غلط ہیں آپ..... غلط کر رہے ہیں آپ سب میرے ساتھ.....''

''ہادی کی مرضی ہے یہ صدھم..... وہ نہیں مان رہا.....'' یہی ایک ٹھوس دلیل تھی ان کے پاس

''ہادی کی مرضی مجھے ہونا چاہیے تھا۔ آپ کو اسے' سب کو بتا دینا چاہیے تھا ہمارے رشتے کے بارے میں' اپنے وعدے کے بارے میں۔ آپ نے یہ بات اب تک کیوں چھپا کر رکھی۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے تھے کہ اوصاف کیسے ہادی کا سایہ بنتی جا رہی ہے۔ کہاں سو رہے تھے آپ دادا.....؟''

''میں ایسا کرتا تو بھی ہادی اپنی ہی مرضی کرتا۔''

''یہ ایک نام نہاد عذر ہے بس۔ میری ماں کو کوئی محبت نہیں دے سکا' مجھے بھی نہیں دے سکا۔ میں شرمندہ ہوں کہ

میں اس خاندان کا حصہ ہوں جہاں لفظوں کا پاس نہیں۔ جہاں مرنے والے اس لیے مر جاتے ہیں کیونکہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جہاں زندہ لوگوں کو اکیلا اور تنہا کر دیا جاتا ہے' انہیں کچھ دیا تو نہیں جاتا لیکن چھین سب لیا جاتا ہے۔'' کہتے کہتے وہ ہانپ گئی۔

دادا خاموش کھڑے سنتے رہے۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہے تھے

''کیا مجھے آپ کو یہ بتانا پڑے گا کہ ہادی میرے لیے کیا ہے۔''

دادا نے شرمندگی سے سرخ ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''چپ ہو جاؤ صدھم..... میں بہت بے بس ہوں' مجھے معاف کر دو۔''

اس نے نفرت سے دادا کو دیکھا۔ ''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی' جیسے آپ سب نے کبھی میری ماں کو معاف نہیں کیا۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے صدھم.....''

''ایسا ہی ہے ورنہ نکاح میرا اور ہادی کا ہو رہا ہوتا.....''

اپنے کمرے میں بیٹھ کر وہ کتنی ہی دیر تک دادا کی بے حسی پر آنسو بہاتی رہی۔ ہادی رات گئے کنسرٹ سے واپس آیا تو وہ اس کے پاس گئی۔

''تم سوئی نہیں ابھی تک۔'' وہ حیران ہوا

''مجھ سے شادی کر لو۔'' ہاتھوں کو مسلتے وہ بس اتنا ہی کہہ سکی' اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولی۔

شوز اتارتے اس نے رک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بہت دیر تک دیکھتا ہی رہا۔ پھر کھڑے ہو کر آہستہ سے اس کا گال تھپتھپا کر بولا۔ ''جا کر سو جاؤ صدھم' بہت رات ہو گئی ہے۔''

اور وہ کمرے میں آ گئی لیکن سوئی نہیں.....

وہ رات اس کی ساری محبت' نرم دلی' شکر گزاری چھین کر لے گئی۔

اس رات اس نے سب جانے دیا..... انتظار..... یقین..... ایمان.....

۞ ۞ ۞

حسن' ذہانت' ماں باپ' کامیابی اور ہادی..... اللہ کو اوصاف کی جھولی ہی نظر آئی سب دینے کے لیے اور جو کب سے میرے ہاتھ پھیلے تھے..... وہ؟ مجھے نفرت ہے ہر انسان سے..... اوصاف سے' پاپا سے' نرگس آنٹی' نورین آنٹی' دادا سب سے۔ وہ تنفر سے بولی۔

''کیسی محبت ہے تمہاری جس نے تمہیں نفرت سکھا دی ہے۔ منکری کا آغاز نفرت اور ناپسندیدگی سے ہوتا۔''

''میں یہ جانتی ہوں کہ ظالم کا ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ مظلوم کو بھی ظالم بنا دیتا ہے.....''

''تو یہ ہیں وہ جو وہ تمہارے کانوں میں پھونکتا ہے..... یہ ہیں وہ دلائل ہیں جو شیطان تمہیں دیتا ہے.....؟''

''کیا مظلوم اپنے لیے آواز نہیں اٹھا سکتا.....؟؟''

"آواز اٹھاؤ.....تم تو ہتھیار اٹھا رہی ہو.....قتل کر رہی ہو.....کس کس خون کے قطرے کا حساب دو گی.....اس کی سانسیں جو سطے کی گئی ہیں ان کا.....یاد رکھنا ایک انسان کا قاتل ایک انسان کا قاتل نہیں ہوتا.....وہ اس کے رزق، تنفس، عبادت، دعاؤں، خیرات، نیکی، اور لاکھوں کروڑوں اعمال کا قاتل ہوتا ہے.....وہ دعائیں جو اوصاف مانگتی ہے.....وہ عبادتیں جو اوصاف کرتی ہے، تم ان سب کی قاتل بننے والی ہو....."

"جب میری ہر چیز کا قتل ہو گیا تو اوصاف کی کیوں نہیں....."

آنکھوں کی بینائی چھین چکا، گناہ آلود سیال شہ رگ تک آتا دل پر قابض ہونے لگا.....حسن گہنا گیا.....صبر اور شکر کا انجام قریب آیا.....بھلائی کی چال معدوم ہو گئی.....دعا اور یقین کی زبان بندی.....ایمان کی برتیں اس کے روئیں روئیں سے الگ ہوتی اسے ہیبت ناک بنانے لگیں.....اس کی قائم مقائم خوش ظاہری دھول کی طرح اُڑنے لگی.....

"میرا کوئی بھائی نہیں، کوئی بہن نہیں، باپ تک میرا نہیں، ایک ماں تھی وہ بھی زندہ نہیں رہی۔ ایک ہادی ہے وہ کیسے کیسی کو دے دوں۔ اجنبیوں کی طرح اس گھر میں زندگی گزاری ہے.....ایسے جیسے مسافر ہوں.....باقی کی زندگی بھی ایسے کیسے گزار دوں؟"

"یہ دنیا مسافر خانہ ہی تو ہے.....راستوں میں بھی کوئی پڑاؤ کرتا ہے.....دیکھو تو سہی منزل ہے کہاں.....کیا پیغمبروں، نبیوں اور ولیوں نے مسافروں کی طرح زندگی نہیں گزاری۔ انہوں نے دنیا کی چیزوں پر ہاتھ نہیں رکھے تھے صدھم.....ملکیت کی گنتی کیوں کرتی ہو.....یہ سورج چاند ستارے کس کے ہیں.....فلک کی چھت کس کے لیے.....یہ سب تو سامان ہیں جو کائنات کے خالق نے بنائے ہیں.....یہ تو دیکھو اس نے تمہیں کیوں بنایا؟ اپنے لیے.....اس نے تمہیں کس لیے بنایا.....اپنے لیے.....جب منزل اللہ کی محبت ہو تو جھولی کو ہیرے موتی جیسے پتھروں سے نہیں بھرتے۔ دل میں زمینی یا آسمانی جنت کے میووں کی چاہ نہیں رکھتے....."

"میں نبی یا ولی نہیں.....میں انسان ہوں.....اس دنیا کی ہوں.....مجھے وہی چاہیے جو اس دنیا میں سب کو ملتا ہے....."

"وہ بھی انسان ہی تھے، اسی دنیا کے تھے۔ کوئی ولی پیدا نہیں ہوتا لیکن بس اپنے عمل سے بنتا ہے۔ تم اپنے عمل سے کیا بننے جا رہی ہو.....دیکھو مجھے....."

بے داغ لباس سیاہ تر ہو گیا۔ پھر وہ پھٹنے لگا اور جسم کے زخم پھوٹ پھوٹ کر نظر آنے لگے۔ ان میں سے پیپ رسنے لگی۔

"تم نے مجھے کتنا بدصورت بنا دیا صدھم۔ میری نورانیت رخصت ہو رہی ہے اور سیاہی میرے اندر حلول کر رہی ہے۔ اب اندھیرے مجھ پر فدا رہے رہیں گے، گناہ کی لذت مجھ پر حاوی رہے گی، سب پا لینے کی تمنا مجھے بے حال رکھے گی، مادیت میرے اندر قیام کرے گی۔ اب مجھے اسے راستے پر چلنا ہوگا جس کا انجام "سوال" ہوگا.....جس سوال کا انجام "سزا" ہوگا۔"

"ہادی ہی میرا سب کچھ ہے.....اگر وہ انعام کی صورت نہیں مل سکتا تو پھر سزا کی صورت ہی سہی....."

آہ.....! وہ نیچے گر گیا۔ "اب یہ پاؤں چل کر اللہ کی بارگاہ میں نہیں جائیں گے کیونکہ انہیں ہادی نہیں ملا۔"

"ہاں نہیں جائیں گے۔" وہ چلائی۔

"میں اندھا ہو گیا ہوں، میری آنکھوں کا نور چلا گیا ہے، مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔" وہ اپنی آنکھیں ٹٹولنے لگا

"مجھے صرف ہادی نظر آتا ہے....."

"مجھے اس کے آگے پیچھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ مجھے دنیا نظر آ رہی ہے، دنیا کا مالک نہیں، مجھے دنیا میں رہنے والا چاہیے، دنیا بنانے والا نہیں۔"

"ہاں! کچھ نہیں چاہیے مجھے اس کے سوا....."

"او خدایا! مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ رحمتوں کے قصے، خدائی محبت کے وعدے، قرآن کی آیتیں۔ محبت نے مجھے بہرا کر دیا ہے۔ میں نے اپنے کان لپیٹ لیے ہیں....."

"کیا سب میرے لیے بہرے نہیں ہوئے.....کیا سب کو جواب نہیں دینا اپنے اعمال کا....."

"تمہیں اپنے اعمال کی فکر نہیں تو دوسروں کے اعمال کی فکر کیوں کر رہی ہو۔ تمہیں اپنے حسن کی فکر نہیں تو دوسروں کی بدصورتی پر انگلی کیوں اٹھا رہی ہو.....اللہ کی محبت کا ذائقہ چکھا کر تم مجھے گناہ کے ذائقوں میں لتھڑانا چاہتی ہو؟" اس بار وہ دھاڑ کر بولا۔

"بس کرو.....خدا کے لیے.....چلے جاؤ یہاں سے....." وہ رونے لگی

"تم رحم کرو.....مجھ پر رحم کرو.....ایک بشر کے لیے مجھے اللہ کی محبت سے محروم نہ کرو.....مجھے جنت نہیں چاہیے.....جنت کا مالک تو چاہیے نا.....میری آنکھوں کو میرا نور واپس دے دو۔ میری کانوں کو ہدایت کی صدا دے دو صدھم۔ اونچے درجے پر بٹھا کر مجھے نچلے درجوں میں نہ دھکیلو.....جس دل میں "عشق حقیقی" گھر کر چکا ہے اس دل کو "عشق مجازی" کے سپرد نہ کرو.....خالی کر دو اپنے دل کو اس محبت سے جو فانی ہے....."

"میں خود خالی ہاتھ ہوں....." وہ ضدی انداز سے بولی

"جس کے پاس ایمان ہے وہ خالی ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ آنکھیں کھول کر صرف ایک بار اور خود کو ٹٹول لو۔ ڈھونڈ لو وہ ایمان جسے کل رات تم نے بھلا دیا.....صدھم اس گناہ کا بار.....یہ کون اٹھائے گا.....اسے اٹھا کر کیسے معافی مانگو گی.....کیسے گڑگڑاؤ گی۔"

"میں اوصاف کو زہر دوں گی.....ضرور دوں گی.....ہادی میرا ہے....."

"ہادی ہی تو تمہارا ہے صدھم.....ہادی کا تعین کر لو....."

"ہادی میری جان ہے....."

"یہ جان کب تک ہے؟ تیس سال؟ چالیس سال.....ستر اسی نوے سال.....کب تک ہے یہ جان تم میں؟ اتنے سے سالوں کے لیے ابد کا سودا نہ کرو.....چند عشروں کے لیے.....چند عشروں کی زندگی کے لیے.....چند عشروں کی سانسوں کے لیے.....ابدی محبت کو نہ ٹھکراؤ۔ صرف ایک انسان کے لیے، کل جہاں کے مالک کو مت بھلاؤ۔ تمہاری یہ نفرت

سب اعمال لے ڈوبے گی، تم ایک انسان کو مار دو گی اللہ سے معافی کیسے مانگو گی...... کیسا لگے گا جب دعا کے بجائے توبہ کرنی پڑے گی...... خود پر توبہ کی نوبت مت لاؤ۔''

''مجھے نہیں چاہیے معافی...... کون کرنا چاہتا ہے توبہ......'' تکبر سا تکبر تھا۔

''تمہیں اللہ سے معافی بھی نہیں چاہیے۔'' ہاں اب سے لگا کہ اس کا انجام تو قریب تر ہے۔ اس نے اپنے جسم کے ایک ایک عضو سے بھلائی کو رخصت ہوتے دیکھا۔ سورج کو مغرب سے طلوع ہوتے، شہادت کی انگلی کو بند ہوتے، صراط مستقیم کو گمراہی میں تقسیم ہوتے۔

ایک ایک عضو گہنا گیا...... شرک صورت اور کریہہ ہو گیا......

''جو چاہیے تھا وہ نہیں ملا تو معافی بھی نہیں چاہیے......''

''حقیقی ہادی کو پہچان لو، کائنات کے ہادی کو پالو...... وہ تمہارے لیے سو بشر بنا دے گا تم اس ایک ہادی کو کہاں ڈھونڈو گی......''

''مجھے سو بشر نہیں چاہیے...... مجھے ایک اپنا ہادی چاہیے......''

''اپنی نمازوں اور تہجد کے سجدوں کو بچا لو۔ اپنے صبر اور اپنی نیکی کو۔ دعا مانگنے والوں میں سے ہی رہو۔ اللہ کی حکمت جان نہیں سکتیں تو اس کے غلط ہونے کا دعویٰ بھی نہ کرو۔ اللہ کو مت بتاؤ اسے تمہیں کیا کیا دینا ہے، اس کو مت جتاؤ کہ اس نے تمہیں کیا کیا نہیں دیا، کیا کیا دے کر چھین لیا، کیا کیا دینا تھا، اسے مت سناؤ کہ وہ نہیں سنتا...... یہ کفر ہے...... یہ کفر تم نے کیسے سیکھ لیا...... اللہ کے بندے یہ کفر نہیں سیکھتے......''

''اگر وہ میرا اللہ نہیں تو میں اس کا بندہ نہیں......''

''اس سے اپنی محبت بیان کرو...... نفرت نہیں...... ہاتھ اٹھا کر صرف چیزیں مت مانگو......''

''وہ میری نہیں سنتا...... اس نے مجھے کچھ نہیں دیا...... میں بھی اس کی نہیں سنوں گی......''

''اس کے لیے اپنی طرف سے کوئی جھوٹ مت گھڑو۔ اس نے تمہیں اپنی محبت کی طرف مائل کیا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی تمہیں کچھ چاہیے تھا۔ تمہاری سرشت میں نیکی کا مادہ رکھا، تمہیں فلاح پا لینے والوں کی صف کی طرف دھکیل دیا، تمہیں ہدایت دی معراج کی طرف۔ یہ ہے وہ سب جو اس نے تمہیں دیا...... سب جو تمہارا ہے...... جن نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ان کا شکر کیسے ممکن ہو گا...... شکر ہی ممکن نہیں تو ان سے انکار کیسے ممکن ہو گا......''

''مجھے ''مجسم حسین'' دیکھ لیا تھا نا صدھم...... وہ تم ہو جو ''مجسم حسین'' ہو...... تمہارا باطن، تمہارا ایمان، تمہاری اللہ سے محبت ہے مجسم حسن...... کوئی حسن اس حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتا...... کوئی عمل ''حقیقی محبت'' کے عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتا...... جس دل کو اللہ کا گھر بنا لیا ہے اس دل کو ''دنیا داروں'' کا گھر نہ بناؤ...... تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ایک انسان کے بدلے تم اللہ کو چھوڑ دو......''

''تم یقین اور ایمان ہو...... پاکیزہ اور معطر......''

''اور اب دیکھو...... میری بدصورتی...... تم مجھے مٹا رہی ہو...... برباد کر رہی ہو...... دیکھو مجھے صدھم...... میں

کریہہ اور غلیظ ہوتا جا رہا ہوں...... تعفن زدہ اور ناپاک...... سیاہ اور سیاہ کار......''

صدھم نے نظریں اس پر گاڑ دیں اور پھر اپنی نظریں جھکا لیں۔ وہ ایسی کریہہ صورت کو دیکھنے کی طلب گار نہیں تھی۔

''جسے آج آنکھ بھر کر نہیں دیکھ پا رہی اسے کیسے جھیل پاؤ گی...... جان جاؤ صدھم وہ جو حقیقت ہے...... جس کا اللہ ہے اس کا سب ہے...... کیا تم دیکھتی نہیں کہ اس نے انسان کو اسے دے دیا اور خود کو تمہیں...... اس نے تمہیں اپنے لیے رکھا...... تم اس پر رو رہی ہو...... اس پر کہ اللہ نے تمہیں پسند کیا...... تم اس پر چلا رہی ہو......''

''واویلا کرنا ہے تو اب کرو...... مجھے دیکھ کر کرو...... میرے مٹ جانے پر......''

✿......✿......✿
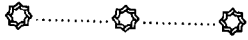
اس نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ ایک دھن بجا کر جائے گا۔ وہ صدھم کی مرضی کی دھن بجا کر گیا...... روتے، آہ و بکا کرتے، وہ اس طرح سیاہ سیال میں جل کر راکھ ہو گیا جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا...... جس کی بنیاد مٹی تھی اس کی سزا راکھ ہو گئی......

✿......✿......✿
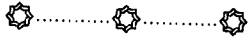
کاؤچ پر لیٹے لیٹے صدھم کی آنکھ کھلی۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ باہر رات ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں اور بالوں کی چند لٹیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے۔ وہ شاید بہت دیر تک اور بہت زیادہ روتی رہی تھی۔ اٹھ کر اس نے لائٹ روشن کی۔

ہال خالی تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک پیانو کے پاس کھڑی رہی۔ ڈھکن الٹ کر اس نے پیانو پر اپنی انگلیاں رکھیں اور انہیں گھسیٹتی چلی گئی۔ پھر وہ اسٹول پر بیٹھ گئی۔ اپنا سر اس نے کنجیوں پر ٹکا لیا۔ تعفن سے اس کی سانسیں اٹکنے لگیں۔

دن کی روشنی رخصت ہو چکی تھی...... رات کی سیاہی پھیل جانے کو تھی......

نڈھال سی چلتی وہ اوصاف کے کمرے میں آئی۔

''یہ دیکھو، نکاح کا جوڑا آ گیا ہے۔'' اوصاف نے صدھم کو شرارہ پکڑایا اور صدھم نے اسے انگور کا جوس۔

''اچھا ہے......'' صدھم اوصاف کو دیکھ کر مسکرا نہیں سکی

''صرف ایک گلاس؟'' اوصاف البتہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''اوہ......! جگ میں کچن میں بھول آئی ہوں۔'' وہ گئی اور جگ لے آئی۔

اوصاف گلاس ختم کر چکی تھی اور شرارہ دیکھ رہی تھی۔

''کیسا لگا تمہیں اپنا ڈریس؟''

بہت اچھا! ویسے بھی آج مجھے سب کچھ بہت اچھا لگ رہا ہے...... سنو صدھم پاپا بتا رہے تھے کہ جلد ہی تمہاری اور شرجیل کی منگنی ہو جائے گی......'' وہ شرارت سے مسکرائی

صدھم خاموش رہی۔ اسے شرجیل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی......

''تمہیں شرجیل پسند ہے نا...... ویسے وہ تھوڑا سا تنک چڑا ہے...... ہے نا؟''

''پتا نہیں...... میں اسے نہیں جانتی...... تم خوش ہو اوصاف......'' اس نے اوصاف سے پوچھا

''خوش...... یہ بے حد چھوٹا لفظ ہے...... میری دعا ہے کہ ہر لڑکی میری طرح خوش نصیب ہو' اسے ہادی جیسا شوہر ملے' اس کے دل کی مراد پوری ہو......''

''تمہیں ہمیشہ سے معلوم تھا نا کہ ہادی تمہارا ہی ہے......'' ایک ٹیس صدھم کے دل میں اٹھی

''ہاں! جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ہیں......''

''مجھے بھی معلوم تھا کہ وہ میرا ہے اور میں اس کی ہی ہوں...... پھر نجانے میں کیوں بھول گئی...... صرف چند مہینوں میں ہی اسے بھول گئی......''

''کسے......؟'' اوصاف نے پلٹ کر اسے حیرت سے دیکھا

''اپنے ایمان کو...... اس ایمان سے اپنی محبت کو......''

اوصاف الجھ سی گئی۔ ''تم کیا کہنا چاہتی ہو صدھم......''

''یہی کہ وہ کوئی چیز نہیں کہ اسے بھلا دیا جائے......''

''بالکل! ویسے میں نے سنا تھا کہ دادا چاہتے تھے کہ تمہاری اور ہادی کی...... پتا نہیں دادا کو یہ کیا سوجھی...... تمہیں ہادی اچھا لگتا ہے کیا......؟''

''ہاں......!'' اس نے پرزور انداز سے سر ہلایا۔ ''بہت......''

اوصاف سمجھی وہ مذاق کر رہی ہے۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ مجھے صرف ''ہادی'' سے ہی محبت ہے......''

''اوصاف نے ٹھٹک کر اسے دیکھا' 'مذاق کر رہی ہو نا......؟''

''نہیں! اب ہی تو سنجیدہ ہوئی ہوں......''

''تم کس ہادی کی بات کر رہی ہو......'' اوصاف کے چہرے کے رنگ اُڑ گئے

''میں اس ہادی کی بات کر رہی ہوں جس کے لیے میں کچھ بھی چھوڑ سکتی ہوں...... تمہارے ہادی کو بھی۔''

اوصاف نے اسے نا سمجھی سے دیکھا۔

''اس کی جس کی ساری محبت مجھے حاصل ہے۔ جس کی بندگی اب مجھ پر بھاری نہیں رہے گی کیونکہ جس دل میں ''عشقِ حقیقی'' گھر کر چکا ہو اس دل کو ''عشقِ مجازی'' کے سپرد نہیں کرنا چاہیے......''

''میں اس واحد اور لاشریک کی بات کر رہی ہوں' جو میرا ''ہادی'' ہے...... جس کا تعین میں اب کر چکی ہوں......''

۞............۞............۞
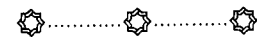
ایک تھی محبت

پہلی بار میں نے اُسے الحمراء ہال نمبر تین کی سیڑھیوں کے کنارے بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔

سردیوں کی دھوپ اپنی ساری شادابی لیے اس کے گٹار سے ہوتی ہوئی' گردن تک بڑھے اس کے بالوں پر پڑ کر چھن رہی تھی۔ اس کی لمبی انگلیاں گٹار پر وقفے وقفے سے متحرک تھیں اور اتفاق سے جیسے جیسے میں سیڑھیاں اُوپر چڑھ رہی تھی ویسے ویسے گٹار کی تاریں سرگم چھوڑ رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آخری سیڑھی پر پہنچ کر میں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ آدھا گٹار' دائیں بائیں چہرے کو چھپاتے اس کے بال اور ٹھوڑی کی ڈاڑھی مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ مجھے ہال کے اندر چلے جانا چاہیے تھا لیکن میں وہیں کھڑی رہی۔ شاید گٹار کی دھن نے مجھے منجمد کر دیا تھا یا میرا ارادہ ہی منجمد ہو جانے کا تھا۔

یہ ابتداء تھی اس سفر کی جس کی انتہاء نے اسے میرے دل میں ''لازوال'' کر دیا اور مجھے ''زوال پذیر''

ہال کے لکڑی کے دروازے' جس پر لگے لوہے کے جھلے بہت شور کرتے ہیں کہ سامنے کھڑے ہو کر میں نے زندگی میں پہلی بار ذرا آگے ہو کر کسی لڑکے کو دیکھنا چاہا کہ وہ کون ہے یا کیسا ہے۔

''وہ عیسیٰ تھا......''

کھڑے کھڑے جیسے ہی میں نے اسے دیکھنے کے لیے چہرہ آگے کو جھکایا' اس نے گٹار پر سے اپنا چہرہ اٹھا لیا۔ ہم دونوں کے سر ایک ہی ساعت میں ایک ہی رخ پر ایک دوسرے کی طرف اٹھے۔ میرا جھکا رہ گیا اور اس کا اٹھا۔ میں اوپر آخری سیڑھی پر کھڑی تھی اور وہ نیچے پہلی سیڑھی پر بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں سوالیہ تھیں اور میری حیرت زدہ......

وہ میری طرف اچنبھے سے دیکھ رہا تھا...... اور میں اس کی طرف خوف سے...... اس کے جادو کا مجھ پر چڑھ جانے کا خوف...... اتنے سالوں بعد حقیقت میں اس سے مل لینے کا خوف۔ میں یکدم پیچھے ہٹی تو لیکن وہاں سے ہل نہیں سکی۔ سر اٹھائے وہ میری طرف بدستور دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھ ابھی بھی گٹار کی تاروں پر تھا۔

''وہ مم...... میں......''

میں نے اسے ایسے دیکھنے کی کوئی وجہ دینی چاہی لیکن دے نہیں سکی اور تیزی سے اندر ہال میں چلی گئی۔ اندر ہال میں بیٹھے ہوئے بھی مجھے اس کی آنکھوں کی حیرت یاد آتی رہی۔ دھوپ جو اس کی کٹی چھٹی ڈاڑھی میں سے چھن چھنا رہی

تھی۔سوال جو اس کی آنکھوں میں سمٹ آئے تھے۔وہ دھن جو وہ بجانے کی تیاری کر رہا تھا......

جس وقت میں اپنی کانفرنس اٹینڈ کر کے واپس جانے لگی۔اس وقت بے اختیار میں وہیں سیڑھیوں کے پاس رک گئی۔اب وہ وہاں سیڑھیوں پر نہیں بیٹھا تھا۔میں نے ایسے ہی ایک نظر سارے الحمراء پر ڈالی اور اسے تلاش کرنا چاہا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

کینٹین سے پانی لے کر جب میں واپس جا رہی تھی تو وہ ایک لڑکے کے ساتھ آرٹ گیلری سے نکل رہا تھا۔اب گٹار اس کی پشت پر کراس تھا۔سر پر ایسی بد رنگ گول ہیٹ تھی جو اسے ماڈرن پپی کی لک دے رہی تھی۔وہ ہاتھ میں پکڑے پاپ کارن کھا رہا تھا۔اس کا منہ اتنی تیزی سے چل رہا تھا جیسے وہ کئی دنوں کا بھوکا ہو۔اتنا غریب لگتا تو نہیں تھا لیکن ایسے پاپ کارن کھاتے وہ بڑا ہی غریب لگ رہا تھا۔

''عیسیٰ......اوے گٹار والے..........رک......''

پیچھے سے کسی نے آواز دی تو اس کا منہ اور وہ خود ایک ساعت کے لیے ساکت ہو گئے۔اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔میں نے بھی گردن گھما کر دیکھا۔اس کے دوست نے پیچھے سے آ کر اس کی گردن کو جکڑ لیا۔اور وہ اس سے شیر کے بچے کی طرح لاڈ کرنے لگا۔

میں ان سے چار اسٹیپ نیچے کھڑی تھی اور وہ چار اسٹیپ اُوپر۔اور اتفاق سے' ہم پھر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔اس بار پھر سے وہ اچھنبے سے اور میں خوف سے...... مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ میں کس خوشی میں وہاں کھڑی ہو کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

دونوں دوست اپنے لاڈ سے فارغ ہوئے تو عیسیٰ میرے قریب آیا۔

''کیا میں تمہارا کوئی گم شدہ رشتے دار ہوں...... جسے دیکھ کر تم بار بار یوں چونک رہی ہو......؟''

گٹار کے کچھ تار اس کی آواز میں بھی تھے......

میں نے ناں میں سر ہلا دیا۔وہاں سے جانے کی پھر بھی کوشش نہیں کی۔

''اوہ! میں نے تو کھڑے کھڑے ساری پلاننگ کر لی تھی کہ میرے کوئی امیر کبیر انکل مجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔یعنی کوئی ٹائیکون ٹائپ انکل......قریب قریب ملک ریاض جیسے......پھر وہ مجھے اپنے بنگلے میں لے جائیں گے۔جہاں میرے لیے ایک ساؤنڈ پروف اسٹوڈیو ہو گا۔خیر یہ تو ذرا آگے کی باتیں ہیں......مین بات یہ ہے کہ ان کی اکلوتی بیٹی مجھے پسند کرنے لگے گی۔اتنا پسند کہ ہماری شادی ہو جائے گی۔انکل اپنی ساری جائیداد بیٹی اور داماد یعنی میرے نام کر جائیں گے۔میں اس جائیداد سے پہلے تو ورلڈ ٹور کروں گا پھر میں اپنی ایک ایسی میوزک کمپنی کھولوں گا جو مجھ جیسے غریب لیکن قابل فنکاروں کو پروموٹ کرے گی......دنیا میں میرا اور میری کمپنی کے فنکاروں کا ایک نام ہو گا...... یونو بگ نیم......فیم......سب خوش خوش......لیکن تم نے میرے اتنے سارے خواب توڑ دیئے......''

''میں اپنے پاپا کی اکلوتی بیٹی ہی ہوں۔''میری زبان سے یکدم نکلا جبکہ میں اس کا ڈرامہ سمجھ رہی تھی

''لیکن تمہارے ڈیڈ میرے انکل نہیں ہیں......''وہ مسکرا کر آگے جانے لگا۔اس کا دوست اب ڈسپوزیبل کپ میں چائے لا رہا تھا۔وہ اس کے پاس گیا چائے پکڑی' سپ لیا اور پھر یکدم مڑ کر مجھے دیکھا۔اتفاق سے میں چند قدم ہی

آگے رینگ سکی تھی۔

''اور تم مجھے پسند بھی تو نہیں کرتیں۔''ذرا سا چلا کر اس نے کہا

میں ابھی بھی وہیں کھڑی تھی۔برا ہوا اس زمین کا جس نے میرے پیر جکڑ لیے تھے۔

''کیا تمہارا مجھے اغواء کرنے کا ارادہ بن رہا ہے۔تمہیں لگتا ہے کہ میں کوئی ہائی فائی آرٹسٹ ہوں' جس کے بدلے میں حکومت تمہیں بھاری تاوان دے دے گی۔یا تمہارے گروپ کے لوگوں کو جیلوں سے رہا کر دے گی؟''

''ہائی فائی تو تم کہیں سے بھی نہیں لگ رہے......''اس کی اوور ایکٹنگ سے میں چڑ سی گئی

''لیکن تم ہر طرف سے ہائی فائی لگ رہی ہو......رچ کڈ......امیر ترین......لیکن آرٹسٹ نہیں......''

''مجھ پر کمنٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں......''اب مجھے غصہ آ گیا۔آرٹسٹ تو غریب لوگ بنتے ہیں۔مجھے کیا ضرورت تھی آرٹسٹ بننے کی۔

چائے کے کپ سے سپ لیتے وہ تھوڑا سا چونکا۔پھر مونچھوں تلے دبے ہونٹوں سے ہنس سا دیا۔''مجھے گھورنے کی بھی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔میں میوزیم میں رکھا مجسمہ نہیں جسے تم اتنی جزئیات سے دیکھ رہی۔پھر بھی اگر تم ایسے ہی گھورتے رہنا چاہتی ہو تو پہلے ٹکٹ لے لو۔میرا خیال ہے مجھ پر کم سے کم پچاس ڈالر کی ٹکٹ تو لگنی ہی چاہیے......لاؤ پچاس ڈالر......''

اس نے ہاتھ آگے کیے اور اس کا دوست اسے کہنی مار کر ہنسنے لگا۔میں بھنا کر وہاں سے چل کر پارکنگ میں آ گئی۔وہ دونوں دوست بھی پارکنگ سے اپنی بائیک نکالنے لگے۔ان کی بائیک کافی دیر تک میری کار کے سامنے سڑک پر لہراتی رہی۔دونوں میری کار کو آگے جانے کا موقعہ ہی نہیں دے رہے تھے۔اگر میری ڈرائیونگ ذرا سی اچھی ہوتی تو میں ان کی بائیک کو اپنی کار سے ایک گھونسا مار کر آگے نکل جاتی۔جب ان دونوں کا مجھے تنگ کرنے سے جی بھر گیا تو ہاتھ لہرا کر اور فلائنگ کس دے کر عیسیٰ غائب ہو گیا۔

میں اپنے کالج' اپنی کلاس' اپنی سوسائٹی میں ہزاروں لڑکوں کو دیکھ چکی تھی۔ان سے مل چکی تھی۔انہیں جانتی تھی۔پھر اسے ہی دیکھ کر مجھ پر انجانے جادو کا اثر کیوں ہوا۔کیا صرف اس لیے کہ ایک بار میں نے اس کی شکل کے ایک لڑکے کا اسکیچ بنایا تھا۔بلکہ اسی کا......

مجھے پینٹنگ کا شوق تھا لیکن پاپا نے مجھے سمجھایا کہ اس میں میرا کوئی مستقبل نہیں ہے۔میں امین گل جی یا صادقین کے لیول کی پینٹر بن جاؤں تو ٹھیک ہے۔لیکن اگر نہ بن سکوں تو اپنے ہی پیسوں سے آرٹ کی نمائشیں ارینج کروانے سے اچھا ہے کہ میں ایسا کام کروں کہ پیسہ بھی خود بخود آئے اور شہرت بھی۔سیدھے سیدھے وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں ایسا کام کروں جو مجھے زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ دے۔جس پر دس لگانے سے سو ملیں......

حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے پینٹنگ کا شوق تھا جنون نہیں۔حتیٰ کہ میں نے آج تک صادقین کے ایک بھی پینٹنگ دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔اسکیچز بنانے میں میرا ہاتھ کافی صاف تھا۔فارغ وقت میں میں اسکیچز بنا لیتی تھی۔پاپا ہی کہتے ہیں کہ جن چیزوں سے بڑے فائدے حاصل نہ ہوں انہیں فارغ وقت کے لیے شوق بنا لینا چاہیے' پوری زندگی کا مقصد نہیں۔میں نے شوق کو مقصد نہیں بننے دیا اور ٹیکسٹائل ڈیزائنر بننے لگی۔

عیسیٰ کا اسکیچ میں نے تب بنایا تھا جب میں نیویارک چھٹیاں گزارنے کے لیے گئی تھی۔ ماما کو یورپ کی ٹھنڈ بہت پسند ہے۔ لیکن مجھے ٹھنڈ سے چڑ ہے خاص کر برف سے۔ ایک دن ماما تو اپنی دوستوں کے ساتھ باہر گھومنے چلی گئیں اور میں گھر میں اکیلی رہ گئی۔ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ گو مجھے برف باری کبھی اچھی نہیں لگی لیکن اس دن میں پہلی بار اُٹھ کر گھر سے باہر نکلی۔ پہلے دروازے پر کھڑی ہو کر جھانکتی رہی پھر کوٹ پہن کر پوری ہی باہر نکل آئی۔ پھر گھر سے دُور چلی گئی اور پھر بہت دُور۔ پتا نہیں میں کب تک چلتی رہی۔ یہ بھی یاد نہیں کہ اتنا کیوں چلتی رہی۔ ایک گلی تھی جہاں بہت سے بچے کھیل رہے تھے۔ کچھ میری عمر کے بھی تھے۔ تیرہ سال کے۔ کچھ مجھ سے بڑے بھی تھے۔ بہت شور تھا وہاں۔ اینٹوں سے بنی لمبی دیوار پر کچھ بچے رنگ برنگے چاک پکڑے کارٹونز بنا رہے تھے۔ ایک بچی سانتا کلاز بنا رہی تھی۔ ایک اٹھارہ انیس سال کا لڑکا برف سے نکلتی شارک بنا رہا تھا۔ نیچے ایک چاک گرا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر دیوار پر کچھ سوچے بغیر لکیریں کھینچنی شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد جب میں فارغ ہوئی تو وہاں عیسیٰ بن چکا تھا۔ لڑکا جو شارک بنا چکا تھا' وہ میرے پیچھے کھڑا ہو کر دیکھ رہا تھا۔

''بوائے فرینڈ......؟''

اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے چونک کر پہلے لڑکے کو پھر اپنے بنائے اسکیچ کو دیکھا۔

''میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس دیوار پر کبھی اپنی گرل فرینڈ نہ بناتا......''

''کیوں......؟''

''کیوں کہ یہاں تو یہ مٹ جائے گا......''

''یہ اتنا خاص نہیں کہ اسے خاص جگہ پر بنایا جاتا......''

''تمہارے لیے اپنی ہی چیز خاص نہیں......کتنا اچھا اسکیچ بنایا ہے تم نے لیکن مٹا دینے کے لیے......''

میں مسکرا دی۔ مجھے پرواہ نہیں تھی کہ وہ مٹ جاتا ہے یا نہیں۔ وہ میرے ہاتھ سے نکلی لکیریں تھی اور بس......

اگر وہ میرے ہاتھ سے نکلی لکیریں تھیں تو وہ وہاں سیڑھیوں پر گٹار کون بجا رہا تھا۔ گیارہ سال بعد وہ دیوار سے کود کر یہاں کیسے آ گیا تھا۔ گیارہ سال پہلے وہ دیوار پر میرے ہاتھ سے کیسے بن گیا تھا......

۞............۞............۞
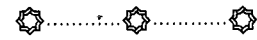
میری دوست ثمرہ کی پینٹنگز کی نمائش تھی اور میں وہ دیکھنے الحمراء آرٹ گیلری آئی تھی......

نہیں! یہ جھوٹ ہے۔ سچ یہ ہے کہ میں وہاں عیسیٰ کے لیے آئی تھی لیکن بہانے سے۔ یعنی میرے اندر چور تھا۔ مجھے کوئی بہانہ چاہیے تھا جو مجھے مل گیا کہ میں تو ثمرہ کے لیے آئی ہوں۔ میں سرسری نظروں سے پینٹنگز دیکھنے لگی۔ ایسے ہی ادھر ادھر کا ایک چکر لگانے لگی۔ دراصل اسے ڈھونڈنے لگی۔ مجھے شک تھا کہ وہ وہاں میوزک کلاسز لینے آتا ہے۔ شک کافی حد تک ٹھیک تھا۔ وہ اپنی کلاس لے کر باہر نکل رہا تھا۔ اس بار وہ مجھے دیکھ کر چونکا۔ اور سیدھا چلتا ہوں میرے پاس آیا۔

''تم وہی ہو نا......؟''

''وہی کون......؟''

''جس نے اس دن میرے سہانے سپنے توڑ دیئے تھے......سارے کے سارے......سب کے سب......''

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''میں تمہیں یاد ہوں۔''

''جیسے چونک چونک کر' رک رک کر' سہم سہم کر تم مجھے دیکھ رہی تھی وہ تمہیں ہمیشہ یاد رکھوانے کے لیے کافی تھا۔ یہ شرف مجھے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ مجھے ایسے گھور گھور کر کسی نے نہیں دیکھا۔''

''مجھے کوئی شوق نہیں تمہیں دیکھنے کا۔'' مجھے برا لگا کہ اس نے مجھ پر ایسے طنز کیے

''تمہیں یہ شوق پورا کرتے میں نے خود دیکھا ہے......''

''تم خود کو کیا سمجھ رہے ہو......؟''

''عیسیٰ!''

''مسٹر عیسیٰ آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں......''

''دُور کریں میری غلط فہمی......'' اس نے اپنے گٹار کو اپنے شوز پر ٹکا لیا اور گٹار کے سرے پر اپنی ٹھوڑی رکھ لی۔

''میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے......''

''میں نے ایک نئی دھن سیکھی ہے......سناوں تمہیں......؟''

گٹار کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر وہ پوچھ رہا تھا۔ اتنے دوستانہ انداز سے پوچھ رہا تھا کہ میں فوراً سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ اور وہ بھی بیٹھ کر گٹار بجانے لگا۔ اگر میں اس کی دھن کا ترجمہ ٹھیک نہیں بھی کر پا رہی تھی تو بھی وہ کچھ یوں تھی۔

''وہ دیکھتی ہے مجھے......رک رک کر......چھپ چھپ کر......''

میں بھنا کر کھڑی ہو گئی اور پاوں پٹخ پٹخ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ مجھے آج سے پہلے کسی نے ایسے شرمندہ نہیں کیا تھا۔ ٹھیک ہے وہ ایک آرٹسٹ ہے۔ اس میں اس کے فن اور اس فن کی لگن کے سب رنگ نمایاں ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ایسا سلوک کرتا۔ اگر گیارہ سال پہلے میں نے اس کی تصویر کو دیوار پر بنا نہ دیا ہوتا تو اس کا باپ بھی مجھے اس کی طرف متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔

جب میں تقریباً بھاگتی ہوئی اپنی کار کا دروازہ کھول رہی تھی تو وہ بھی تقریباً ہانپتا ہوا میرے پیچھے آ رہا تھا۔

''مجھے عیسیٰ کہتے ہیں......''

اس دن میری قسمت بری طرح سے خراب تھی کیونکہ فوراً میرے منہ سے نکلا۔ ''جانتی ہوں۔''

''اوہ! تو تم باقاعدہ مجھے تلاش کرتی رہی ہو......میرا پیچھا کرتی رہی ہو......میں بھی سوچ رہا تھا کہ آدھی رات کو کون مجھے اپنے خوابوں میں بلا لیتا ہے۔ اتنی نیند سے مجھے جگا دیتا ہے۔ اتنا جنون میرے لیے۔ تم میرے پل پل کا پتا لگاتی ہو۔ دیکھو کسی دن میرے کمرے میں نہ کود آنا۔ ویسے بھی میں سب سے اُوپر والی منزل میں رہتا ہوں۔ کھڑکی تک آتے آتے تم خود اُوپر پہنچ جاو گی......آنا ہو تو پائپ سے نہ آنا' گھر کے پچھلی طرف ایمرجنسی سیڑھیاں ہیں وہاں سے آ جانا......''

میں بھنا کر پلٹی اور وہ قہقہے لگانے لگا۔

گھر آتے ہوئے میرا غصے سے برا حال رہا۔ مجھے کیا ضرورت ہے اس سڑک چھاپ کے منہ لگنے کی۔

۞............۞............۞

اس سے اگلی ملاقات این سی اے کالج میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ درخت کے نیچے بیٹھا باتیں کر

رہا تھا۔ میں قریب سے گزر رہی تھی کہ اچانک میری اس پر نظر پڑی۔ چونکہ ایک مہینے بعد وہ پھر سے میرے سامنے آیا تھا اس لیے میں ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر رُک گئی۔ ابھی مجھے ٹھٹک کر رکتے ایک لمحہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا اور قہقہہ لگا کر اپنی آنکھوں کے اُوپر ہاتھ رکھ کر ہلانے لگا۔ یعنی ایسے اشارے کرنے لگا کہ پھر سے مجھے چھپ چھپ کر دیکھ رہی ہو نا۔ میرا خون سمٹ کر میرے چہرے پر آ گیا۔ دل چاہا ایک نہیں ایک سو تھپڑ مار کر آؤں اسے......

''تم سمجھتے کیا ہو خود کو......'' میرا بس چلتا تو خنجر اتار دیتی اس کے سینے میں

''عیسیٰ......'' اس نے آرام سے کہا......'' نام ہے میرا......ویسے میں خود کو مائیکل جیکسن بھی سمجھ لیتا ہوں......لیکن کبھی کبھی......اور تم......؟

''میں......مائی فٹ......''

''opps......'' زبان کو ذرا سا باہر نکال کر وہ شرارت سے ہنسا

''دل چاہ رہا ہے تمہارا منہ توڑ دوں......''

''دل توڑ دو میرا......پھر میں رانجھا بن جاوں گا......پھر تم دیکھنا کیسی کیسی لازوال دھنیں نکلیں گی اس ٹوٹے دل سے......''

اس کی تیز دھاری زبان کا مقابلہ کرنا کتنا مشکل تھا......میں کھڑی اسے گھورتی رہی......

''تم کہہ کیوں نہیں دیتی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم یوں چھپ چھپ کر مجھے دیکھتی ہو۔''

یہ جملہ اس نے ایسے کہا ہی تھا کہ درخت کے آس پاس بیٹھے سبھی اسٹوڈنٹس گردنیں گھما کر مجھے دیکھنے لگے کہ کون کس سے محبت کرتا ہے اور یوں چھپ چھپ کر دیکھتا ہے۔ سارہ سامنے ایزل پر کام کر رہی تھی۔ اس بے چاری کا تو اسٹروک بھی غلط ہو گیا تھا۔

''شٹ اپ......''

''اپ شش شش......'' اس نے آنکھ دبا کر کہا

''گو ٹو ہیل......''

''گو ٹو ہیل نہیں کہتے......گو آن ہیل کہتے ہیں......یعنی ہیل پر چلنا......''

''اُفف......''

''دیکھو تم مجھے بہت زیادہ امیر لگتی ہو۔ میرا غریبانہ مشاہدہ کہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں بندھی اس گھڑی کی قیمت ستر سے اسی ہزار کے درمیان ہے۔''

اس کا غریبانہ مشاہدہ غلط تھا۔ میری گھڑی کی قیمت ڈیڑھ لاکھ تھی۔

''یہ تم نے سوئس ہی پہن رکھی ہے نا۔ ہاں! یہ وہی ہے اور تمہاری کار......چلو اسے چھوڑتے ہیں۔ چلو مان لیتے ہیں کہ میں بھی تمہیں پسند کرنے لگوں گا۔ لیکن تمہارے ڈیڈی پاپا' جو بھی تمہیں انہیں کہتی ہو کو مجھ جیسا غریب انسان پسند نہیں آئے گا۔ وہ مجھے ریجیکٹ کر دیں گے' بلکہ میری غربت کی کافی بے عزتی بھی کریں گے......میرا دل ٹوٹ جائے گا' تم خودکشی کر لو گی اور میں تمہارے غم میں ایک بڑا فنکار بن جاؤں گا۔ ویسے میں کوئی زیادہ نقصان میں نہیں رہوں گا ہاں البتہ تم اپنا

حساب کتاب پھر سے لگا لو......''

وہ روانی سے کہہ رہا تھا۔ افسوس کا مقام تو یہ تھا کہ سب پوری توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ سارہ نے برش کو اپنی ٹھوڑی سے ٹکا لیا تھا۔

''خودکشی مائی فٹ......''

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''یعنی تم مان رہی ہو کہ تم مجھے پسند تو کرتی ہو لیکن خودکشی جتنا نہیں۔''

''اگر یہ نوبت آئی بھی تو تم پر ہی آئے گی......محبت بھی تم ہی مجھ سے کرو گے اور خودکشی بھی......''

اس کا دوست دل کھول کر ہنسا۔ عیسیٰ نے مجھے آنکھ ماری' میں نے سارہ کے ہاتھ سے برش کھینچ کر عیسی کے منہ پر مل دیا۔

''اس کا منہ سرخ لکیروں سے سج گیا۔''

''تم نے مجھے سرخ رنگ دیا......کیا نام ہے تمہارا......ہاں صوفی......یہ کیا کیا تم نے......تم ضرور مجھے خون میں نہلاوں گی۔ لیکن اگر خون کا دریا بہا کر بھی تمہیں پانا پڑا تو میں پاوں گا......تمہیں پالوں گا میری جان......''

سب پھر ہنسنے لگے۔

✡..........✡..........✡
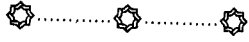
اگر وہ واقعی غریب تھا تو وہ غریبوں جیسا کیوں نہیں تھا۔ دبا دبا' احساس کمتری کا مارا' کپڑوں جوتوں کی طرح گاڑیاں چینج کرنے والی لڑکیوں سے بات کرتے ہوئے چیک ان رکھنے والا۔ یا وہ غریب نہیں تھا یا وہ غریب تو تھا لیکن اس کے پاس کچھ ایسا ضرور تھا جس کے بل پر وہ اتنا اتراتا تھا۔ اگر اس کی اتراہٹ اس کے فن کے بل پر تھی تو مجھے اس کی پرواہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پاپا کہتے ہیں فنکار اور فقیر میں زیادہ فرق نہیں ہوتا......

اگلے دن میں کالج گئی تو وہاں ہر ایک کو معنی خیزی سے ہنستے پایا۔ اس جیسے لڑکے کی اتنی اوقات تھی کیا کہ میرے ساتھ اپنا اسکینڈل مشہور کراتا۔

''میں اس لفنگے کا منہ توڑ دوں گی۔'' میں نے بینش سے کہا

''اسے مذاق کی عادت ہے......اس کی زبان ایسے ہی چلتی ہے......انجوائے کرو یار اسے......''

''تم کیسے جانتی ہو اسے......؟''

''تقریباً سب ہی جانتے ہیں اسے' میں بھی تھوڑا بہت جانتی ہوں۔ وہ جو شارٹ کورسز ہو رہے ہیں نا ان کی کلاسز لینے آتا ہے......''

''وہ یہاں اسٹوڈنٹ ہے......اتنا امیر تو نہیں ہے وہ......''

''ہاہاہا! اتنا غریب بھی نہیں ہے وہ......ٹیچر ہے وہ......کبھی کبھی اسے اُدھار کی کلاسز ملتی ہیں۔ اپنی کچھ یونیک دھنوں پر لیکچر دینے آتا ہے' سکھاتا بھی ہے......سارہ وغیرہ کی جو ایگزبیشن ہوئی تھی اس کے لیے اسی نے میوزک کمپوز کیا تھا۔''

''تم یہ سب جانتی ہو تو میں کیوں نہیں جانتی......''

''میں نے تو کئی بار ذکر کیا تھا اس کا کہ آؤ اس کی کلاسز لینے چلیں......''

''کب......؟''

''یہی کوئی دو مہینے پہلے......''

مجھے خود پر حیرت ہوئی۔ ہاں بینش نے ذکر کیا تھا۔ لیکن مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی میوزک کی ایکسٹرا کلاسز لینے میں۔ میں اس لیے بھی حیران تھی کہ اس سے ملاقات سے پہلے اس کا ذکر مجھ تک آ چکا تھا لیکن میں انجان تھی۔ اُف میرے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔ کیا میں کسی فیری ٹیل کا حصہ ہوں۔ میں نے اپنی زندگی اتنی حقیقت پسندانہ گزاری ہے کہ فیری ٹیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی کیا کم تھا کہ پاپا کے ایک بار سمجھانے پر میں نے پینٹر بننے کا خیال ہی دل سے نکال دیا تھا۔ پاپا کے دلائل بہت پر اثر ہوتے ہیں یا شاید وہ آنے والے وقت اور دنیا پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا میں وہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جو جذباتی ہو کر سوچتا اور فیصلے کرتا ہے۔

جیسا کہ پاپا کبھی جذباتی نہیں ہوئے۔ انہوں نے اٹھائیس سال کی عمر میں خود سے آٹھ سال بڑی اپنے باس کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ ایک بار میں نے پاپا کے کاغذات میں ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر دیکھی تو ان سے پوچھ لیا۔

''یہ کون ہے پاپا' آپ کی کوئی کلاس فیلو؟''

''میں ایک مڈل کلاس لڑکا رہا ہوں صوفیہ اور مڈل کلاس لڑکوں کی کلاس فیلوز ''لڑکیاں'' نہیں ہوتیں۔ ہوں بھی تو ان کے ساتھ دوستیاں نہیں ہوتیں۔ کلاس کا فرق ہر کلاس میں رہتا ہے...... یہ میری کزن ہے...... خالہ کی بیٹی......''

''آپ نے ان کی تصویر کو کیوں سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ آپ انہیں پسند کرتے تھے۔''

''ہاں! کرتا تھا' اچھی لڑکی تھی۔ ابھی بھی کبھی کبھار مل لیتا ہوں اس سے......''

''کتنا پسند...... شادی جتنا...... پھر شادی کیوں نہیں کی ان سے......؟''

''ان سے کرتا تو تمہاری ماما سے کون کرتا......؟''

''اب بھی ویسے ہی پسند کرتے ہیں انہیں......؟''

''ہاں! اب بھی پسند کرتا ہوں...... مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے اسے پسند کرنے کی...... ہمیشہ پسند کرنا اور ہمیشہ ساتھ رہنا دو الگ الگ فیصلے ہیں...... میں نے اسے ہمیشہ پسند کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور آج تک اسے نبھا رہا ہوں......''

''آپ نے ان کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیوں نہیں کیا؟''

''پسند تو کسی کو بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ساتھ ہر کسی کے نہیں رہا جا سکتا۔''

میں خاموش ہو گئی۔ ٹھیک کہا تھا پاپا نے 'پسند تو کسی کو بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ساتھ ہر کسی کے نہیں رہا جا سکتا۔

✡............✡............✡
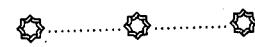
''آؤ تمہیں ایک دھن بجانا سکھاؤں......''

مجھے کالج میں داخل ہوتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ آج کالج میں موجود ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس پر میری نظر پڑے اور میں رک کر اسے دیکھنے لگوں۔ ایسے اسے پھر سے باتیں کرنے کا پھر سے موقع مل جاتا۔ لیکن اس پر میری نظر کیا پڑتی وہ خود ہی ایکدم سے عین میری نظروں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور گٹار پر دو تین بار انگلیاں مار کر بولا۔

''مجھے کوئی دلچسپی نہیں......''

''گٹار سے......؟''

''دونوں سے...... گٹار اور گٹار والے سے......''

''گٹار اور گٹار والا دونوں اپنے اندر دلچسپیوں کے کئی سامان رکھتے ہیں...... ہمیں آزماؤ تو سہی......''

''ہونہہ!...... میں کبھی بی کلاس موویز نہیں دیکھتی......''

''تو سی دیکھ لیا کرو...... بلکہ ڈی' ای' ایف...... اپنی پسند ناپسند پر لکیر نہیں کھینچ دیا کرتے...... کبھی کبھی راکھ کے ڈھیر میں سے بھی ہیرا نکل آتا ہے......''

''میرے پاس اتنے ہیرے ہیں کہ مجھے راکھ کے ڈھیر تک جانے کی کوئی ضرورت نہیں...... تم بھی جاؤ یہاں سے......''

''تمہیں دیکھ کر یہ کیوں لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے خفا خفا ہو......''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ کس دھڑلے سے مجھ سے اپنا تعلق جوڑ رہا تھا۔

''تم ایسے کہہ رہے ہو جیسے تم......'' میں نے تند و تیز لہجے میں کہنا چاہا اور اس نے مجھے ٹوک کر۔

''میں ایک ہفتہ کالج نہیں آیا اور تم ناراض ہو گئی۔ اچھا بتاؤ کیسے مانو گی...... چائے یا آئسکریم...... پیزا وغیرہ میں نہیں کھلاؤں گا۔ میری پاکٹ میں صرف پچاس روپے ہیں......'' کہا

''کس کالج کی کینٹین سے پچاس کے دو کپ ملتے ہیں؟'' میں نے استہزائیہ پوچھا

''یعنی تم چائے پینے کے لیے راضی ہو بس تمہیں کم پیسوں پر اعتراض ہے۔ کالج کی کینٹین کی کون بات کر رہا ہے۔ کیا تم مستانے ماہی کو نہیں جانتی؟ وہ جو مین مال سے ذرا ہٹ کر اپنا کھوکھا لگا کر کھڑا ہوتا ہے۔ ہاں ہاں وہی جس کے سامنے کے تین دانت غائب ہیں۔ تم نے گیس کر ہی لیا...... لڑکی ویسے تم ذہین ہو......''

''تمہارے گٹار کی تاروں کی طرح تمہاری زبان کی بھی تاریں ہونی چاہیے تھیں جنہیں کھینچ کر توڑ دیا جاتا......''

''زبان کی تاریں بھی توڑ دینا...... تم میرے ساتھ آؤ...... تھوڑا سا چل کر جانا پڑے گا وہاں تک...... بیس کا کپ...... کڑک اینڈ بھڑک چائے......''

''تم مجھ سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہو...... نہیں! بلکہ تم مجھ سے فلرٹ ہی کر رہے ہو......''

''تم مجھ سے محبت کر سکتی ہو میں فلرٹ بھی نہیں کر سکتا......''

''کس پاگل نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے......'' میری آواز اتنی بلند ہو گئی کہ اس نے یکدم اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

''پاگل کو چھوڑو...... اچھا سنو پاگل! مجھے یقین ہے تم کبھی کسی کی بائیک کے پیچھے نہیں بیٹھی ہو گی۔ امیر لوگوں کا یہی مسلہ ہوتا ہے وہ مہنگی مہنگی بور چیزوں کی جان ہی نہیں چھوڑتے۔ دروازے بند کر کے گھٹ کر بیٹھ جاتے ہو۔ کیا ملتا ہے تمہیں ان چار پہیوں پر گھوم کر۔''

''اور تمہیں کیا ملتا ہے دو پہیوں پر گھوم کر؟''

''زندگی اور آزادی کا احساس...... تمہیں کیا معلوم کہ بائیک پر زندگی کتنی قریب سے ہو کر گزرتی ہے......''

''مجھے کار کی کھڑکی سے ہی زندگی اچھی لگتی ہے...... ویسے بھی مجھے کلاس لینی ہے......''

''یعنی تم مجھے انکار نہیں کر رہی...... کلاس کے بعد آنے کے لیے کہہ رہی ہو......؟''

''اگر تم مجھے ایسے ہی تنگ کرتے رہے تو میں یہ کالج چھوڑ دوں گی۔''

''لیکن اگر تم نے مجھے تنگ نہ کیا تو میں یہ دُنیا چھوڑ دوں گا......''

''میرا خیال تھا تم پڑھے لکھے ڈیسنٹ لڑکے ہو......''

''تم نے اتنا سوچا میرے بارے میں......''

''اُف...... کیا چاہتے ہو تم...... میں نے ایک بار تمہیں رک کر دیکھ کیا لیا تم تو چپک ہی گئے ہو......''

''ایسا کرو تم بھی چپک جاؤ مجھ سے...... چلو آؤ میرے ساتھ...... کلاس بنک کر دو...... ویسے تمہارے کون سے چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے مر رہے ہیں جن کے لیے تم اتنی محنت کر رہی ہو......'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کلاس میں نے ہی بنک نہیں کی تھی اس نے بھی اپنے لیکچر کی کلاس بنک کی تھی۔ وہ تو وہاں بیٹھ کر میرا انتظار کر رہا تھا۔

وہ آگے جا رہا تھا اور میں اپنی کلاس لینے کے لیے کلاس کی طرف بڑھنا چاہتی تھی لیکن ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔ بلکہ ایسا ہو گیا کہ میں اس کے پیچھے جانے لگی۔ وہ آگے میں پیچھے۔ اس نے بنا پیچھے مڑے، بنا مجھے دیکھے، جا کر بائیک اسٹارٹ کی اور اس یقین کے ساتھ کہ میں اس کے پیچھے موجود ہوں بائیک کو کک لگا دی...... اس کے کک لگاتے ہی میں اس کی بائیک کے پیچھے بیٹھ گئی...... صرف دو پہیوں پر زندگی کو ذرا قریب سے دیکھنے۔

''تم نے کہا تھا چل کر جانا ہو گا...... کڑک اینڈ بھڑک چائے......''

''تمہیں میری باتیں اتنی یاد رہتی ہیں۔ حرفِ آخر سمجھتی ہو انہیں...... اتنے عزیز ہیں میرے الفاظ تمہیں......''

بائیک کی تیز آواز کے ساتھ وہ چلا کر بولنے لگا۔

میں بائیک پر پہلی بار بیٹھی تھی۔ ہوا سے میرے بال بری طرح سے اُڑ رہے تھے۔ مجھے یہ بھی لگ رہا تھا کہ سب مجھے ہی دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ سب کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ''عیسیٰ اور صوفی۔'' ساتھ ساتھ......

مستانے ماہی کی کڑک اینڈ بھڑک چائے اگر وہ چائے ہی تھی تو کافی ''غیر چائے شدہ'' تھی۔ میں نے جیسے تیسے اسے پیا کیونکہ وہ مجھے چائے کو پھینکنے دے رہا تھا نہ واپس کرنے۔

''بیس کا کپ ہے...... پوری پیو......''

''میں دے دوں گی اپنے بیس روپے......''

''پھر تمہیں بیس لاکھ دینے ہوں گے۔ اگر میری غیرت کا جنازہ نکالنا ہی ہے تو ذرا بڑی قیمت سے نکالنا۔ بولو دو گی بیس لاکھ۔''

''کاش میں نے سالوں پہلے تمہارا اسکیچ نہ بنایا ہوتا۔'' مجھے اس کی دھونس بری لگی۔

''کون سا اسکیچ۔'' مجھے چڑانے کے لیے اس نے پُر زور آواز سے چائے کی چسکی لی۔

''کچھ نہیں......'' یوں سڑک کنارے کھڑے ہو کر، ایسے مستانے ماہی ٹائپ کے کھوکھے کی چائے پیتے ہوئے میں اسے اس اسکیچ کی بات کیسے سنا سکتی تھی۔

''کیا تم نے میرا اسکیچ بنایا ہے۔'' اگلے دن وہ کالج میں میرے ساتھ آ کر بیٹھتے ہی بولا۔

''بنایا تھا......''

''بنا کر اسے ''تھا'' بھی کر دیا۔''

''بہت سال پہلے بنایا تھا...... اس وقت میں نیویارک میں تھی......''

وہ سوالیہ میرے طرف دیکھنے لگا۔ ''بہت سال پہلے''...... تم تو مجھ سے اب ملی ہو۔ میں کبھی نیویارک نہیں گیا صوفی......''

''اسی لیے تمہیں پہلی بار دیکھ کر میں بھی حیران ہوئی تھی۔ تم ویسے ہی ہو جیسے میرے چاک سے دیوار پر اُبھرے تھے۔''

''ناقابل یقین...... کیا اسکیچ میں بھی میرے بال لمبے تھے......؟''

''ہاں! اور داڑھی بھی تھی......''

''میں بہت حیران ہوں...... بہت زیادہ...... تم اتنے سالوں سے مجھ سے محبت کر رہی ہو......''

''اب بس کرو دو یہ محبت محبت کرنا۔ تم جانتے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے تو ایسا کچھ ہو جائے گا...... ویسے میں تمہیں کافی پسند کرنے لگا ہوں۔''

''میں سب کو پسند آتی ہوں......''

اس نے سر سے لے کر پاؤں تک مجھے دیکھا ''جیسے مجھے آئی ہو ویسے نہیں آتی ہو گی...... سنو......''

وہ گٹار بجانے لگا۔ وہ میرا نام بجا رہا تھا۔ میرا نام بھی دھن ہو سکتا تھا۔ معلوم نہیں تھا۔

''کیا پلاننگ ہے تمہاری؟ کب کام شروع کرو گے فلمز میں؟''

''پاکستانی فلموں کو تو میرے میوزک کی سمجھ نہیں آئے گی...... گیا تھا ایک بار، کہنے لگے کہ کوئی بھنگڑا اونگڑا بناؤ۔''

''تو بنا لو بھنگڑا......''

''جو فن میں سودے بازی کرتا ہے وہ بے ایمانی کرتا ہے...... پھر اسے حقیقی تخلیقات ملنا بند ہو جاتی ہیں......''

''اُف...... اتنی سقراطی بقراطی باتیں...... کہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم ہالی وڈ کے خواب دیکھ رہے ہو......''

''اگر انہیں میرا میوزک سمجھ میں آ جاتا ہے تو ہالی وڈ میں کیا برائی ہے......''

''تم اتنے ہی اونچے خواب دیکھتے ہو یا بس مذاق میں کہہ جاتے ہو......''

''کرنے کے لیے بہت مذاق ہیں یہی کیوں...... خواب اُونچے ہوتے ہیں نہ نیچے، وہ بس خواب ہوتے ہیں......''

''پاپا ٹھیک کہتے ہیں جو لوگ اونچے اونچے خواب دیکھتے ہیں وہ کچھ بنیں نہ بنیں خبطی ضرور بن جاتے ہیں۔''

''شاید تمہیں معلوم نہیں کہ فنکار حساس ہوتا ہے......''

''تو......؟''

''جس وقت میں اپنے خواب کا ذکر کر رہا تھا تمہیں ایسی گھٹیا مثال دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ پاپا کو جا کر بتا دینا جو خبطی نہ ہو وہ فنکار ہی نہیں ہوتا...... فنکاری نارمل لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ رات کی ہوائیں اور دن کی ہوائیں مجھے الگ الگ سر سناتی ہیں...... سنیں ہیں تم نے کبھی ان دو وقتوں کے الگ الگ سر؟''

''آئی ایم سوری! لیکن پھر بھی تم حقیقت پسند نہیں ہو......''

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ فنکار ہی تو سب سے زیادہ حقیقت پسند ہوتا ہے۔ وہ حقیقت پسند ہوتا ہے تبھی تو وہ کچھ خواب بیدار کرتا ہے۔ کچھ خواب تلخی کو کم کرنے کے لیے...... کچھ خواب حقیقت کے عکاس ہوتے احساس کو بھگانے کے لیے...... کچھ خواب زندگی کو واپس بلانے کے لیے اور کچھ خواب ''زندگی کو زندگی'' کرنے کے لیے......

ہم دونوں روز ملنے لگے تھے۔ کبھی وہ کالج آجاتا تھا۔ کبھی مجھے پک کر لیتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا کبھی ایک ایسا دوست بھی بنے گا جو مجھے مس بیل کرتا ہے کہ میں اسے فون کر لوں کیونکہ اس کے پاس بیلنس نہیں ہے۔ ایک ایسے لڑکے کے ساتھ میں کھوکھوں کی چائے پیوں گی جو خوبصورت تو ہے لیکن خوشحال نہیں۔ ایسا غریب انسان جو مجھے نان حلیم کھلانے کے لیے چھوٹی سی دُکان میں لے جاتا ہے اور مجھے دُکان کے کونے میں رکھے کولر سے پانی کا گلاس بھر کر لانے کے لیے کہتا ہے...... اسے جو اپنے کمرے میں بھی بیل دے کر اپنے لیے پانی کا گلاس منگواتی ہے......

مجھے اپنے اور اس کے درمیان کے کلاس کے فرق کا معلوم تھا...... دل کے فرق کا بھی...... لیکن پھر بھی......

✡............✡............✡
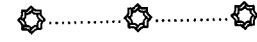
وہ کچھ پرائیوٹ اکیڈمیز میں کلاسز لینے لگا تھا۔ کچھ ٹی وی شوز میں بھی حصہ لیا تھا اس نے۔ ٹی وی شوز میں اس کی دھنوں کی زیادہ پذیرائی نہیں ہو سکی تھی۔ دن بدن اس کی دھنیں گاڑھے فلسفے کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ چند پروڈکشن ہاوسز نے اسے کال کی لیکن ان کے ساتھ عیسیٰ کی بات نہیں بن سکی۔ یا عیسیٰ ان کے مطابق اپنی دھنوں کو بدل نہیں سکا تھا یا وہ عیسیٰ کی دھنوں کو سمجھ نہیں سکے تھے۔

ایک دن وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اپنے گھر والوں سے ملوانے کے بعد وہ مجھے اپنا گھر دکھانے لگا۔

''یہ دیکھو یہ...... یہ ہمارا کچن ہے! کچن میں ایک فریج ہے۔ جس میں دُودھ دہی بٹر بریڈ سب ہے۔ ہم کافی بھی پیتے ہیں اور ہمارے گھر میں بھی ایک ڈنر ٹیبل موجود ہے...... وہ دیکھو سامنے...... ہاں وہاں...... وہ ہے ڈنر ٹیبل......''

''رات کو سونے سے پہلے ہم بھی گڈ نائٹ کہتے ہیں اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ میرے پاس دو نائٹ ڈریس بھی ہیں۔ میں نے ایک کنسرٹ کیا تھا امریکن ایمبسی میں اچھے پیسے مل گئے تھے وہاں سے تو میں اور میری دو بہنیں سنگاپور بھی چلے گئے تھے۔ یعنی ہم سب جہاز میں بھی سفر کر چکے ہیں۔ گھر میں امی کی مدد کے لیے دو لڑکیاں آتی ہیں ایک گھر کی صفائی کرتی ہے اور ایک کھانا پکا جاتی ہے۔ کپڑے ہم تینوں بہن بھائی اپنے اپنے خود دھوتے ہیں۔ میری امی سنڈے بازار جاتی ہیں لیکن وہ سبزیوں کی قیمت کم نہیں کرواتیں کیونکہ یہ کام میں کرتا ہوں۔''

''جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو مجھے یقین ہونے لگتا ہے کہ تم کبھی نارمل نہیں ہو سکو گے۔''

''تمہارے چہرے پر صاف صاف لکھا ہے ''اوہ! عیسیٰ تو واقعی میں غریب ہے۔''

میں شرمندہ ہو گئی اس کا گھر پرانی حویلی جیسا تھا بڑے بڑے برآمدے کمرے پورچ لان۔ پورچ میں ایک

کار کھڑی تھی جو دُور کھڑی ہی چلا رہی تھی کہ میں کار ضرور ہوں لیکن ''کارآمد'' نہیں۔ اس کے گھر کا رقبہ میرے گھر سے کہیں زیادہ تھا فرق تھا تو اوپر بنی عمارت کا۔ جو پرانی تھی سیلن زدہ اور کہیں کہیں سے ٹوٹی پھوٹی ہوئی۔

''تم اس گھر کو بیچ دو اور چھوٹا لیکن اسٹائلش گھر لے لو۔''

''ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ یہ کیا جا سکتا ہے۔'' وہ مسکرا دیا۔ اب وہ اپنے بچپن کی تصویریں مجھے دکھا رہا تھا۔

''یہ گھر میرے ماموں کا ہے ماموں فرانس میں ہیں جب تک وہ وہاں ہیں ہم یہاں ہیں۔''

''تم فرانس چلے جاو...... وہاں جا کر میوزک پر کام کرو...... سنا ہی فرینچ بھی تمہاری طرح کے خبطی ہیں۔''

''تم مجھ سے محبت نہیں کرتی، تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی پھر تم ان سب چیزوں کا حساب کتاب کیوں کر رہی ہو؟''

''کیسا حساب؟''

''یہ گھر بیچ دوں اچھے علاقے میں گھر لے لوں کچھ پیسے کاروبار میں انویسٹ کر دوں وغیرہ وغیرہ......''

میرا روم روم سنسنا اٹھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا میں یہی سوچ رہی تھی لیکن اسے کیسے معلوم ہوا۔ ''میں ایسی کوئی پلاننگ نہیں کر رہی تھی۔ ''تمہیں ہر بار یہ کیوں لگتا ہے کہ جو تم کہتے ہو وہی ٹھیک ہوتا ہے......؟''

''چلو پھر تم کہو اور میں تمہیں بتاؤں گا وہ ٹھیک ہے یا نہیں......''

''میں ماما کے ساتھ ٹرپ پر جا رہی ہوں......''

''ہاں! یہ ٹھیک ہے...... جاو انجوائے کرو......''

''اگر تم جانا چاہو تو کچھ ارینج کیا جا سکتا ہے...... تم مجھ سے اُدھار پیسے لے لو......''

''کیا تم مجھے دس ایک ملین ڈالر دے سکتی ہو...... جب قرض لینا ہی ہے تو انسان بڑا قرض لے۔''

''ہو سکتا ہے مجھے جرمنی پسند آجائے اور میں آنا پسند نہ کروں......''

''جرمنی تمہیں پسند آئے گا لیکن تمہیں واپس آنا زیادہ پسند آئے گا۔''

''ہونہہ! تمہاری خوش فہمیاں تمہیں لے ڈوبیں گی......''

''مجھے صرف تم لے ڈوبو گی...... صوفی...... میں ٹالسٹائی ہوتا تو ایک گاؤں بساتا۔ کھیتوں میں کام کرتی ایک دیہاتن کو دل دیتا۔ سرشام جب سارا گاؤں آتش دانوں کے گرد جمع ہوتا میں تمہارے لیے برف کے ڈھیر پر بیٹھ کر وائلن بجاتا۔''

''تم گٹارسٹ ہو......''

''ٹالسٹائی کے گاؤں میں میں وائلن نواز ہونا پسند کرتا...... تم بھی تو دیہاتن ہوتی......'' اس نے آنکھ مار کر کہا

✡............✡............✡

لگژری زندگی بھی بور کر دیتی ہے یہ میں نے زندگی میں پہلی بار اس وقت جانا جب میں اور ماما شپ میں بیٹھے سمندر کا سفر کر رہے تھے۔ حد ہے...... سمندر کی لہروں پر اچھلتا کروز اور اس کے ڈیک پر کھڑے لوگوں میں میری دلچسپی خوفناک حد تک خوفناک تھی۔ میرا سرمئی لباس ہوا کے تھپڑوں سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ میں نے بازوں کو اپنے گرد لپیٹنے کی

زحمت بھی نہیں کی تھی۔ میں ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھنے کی روادار بھی نہیں تھی جسے دیکھنے کے لیے سب لوگ ڈیک پر موجود تھے۔ پھر مجھے کیا دیکھنا تھا؟

''یہ جذبہ تو دل دہلا دینے والا ہے۔'' میں نے سردی سے نہیں سہم سے اپنے گرد بازو لپیٹ لیے۔

''دل پر پہلی بار وار کرنے والے کے وار کتنے بھی کورے ہوں بڑے مہلک ہوتے ہیں۔'' سورج کو پانی میں ڈوبتے دیکھ کر میں نے یہ احساس پایا۔ مجھے سمندر وحشت زدہ کرنے لگا۔ اور آسمان کا وہ ٹکڑا جس کے نیچے میں اکیلی کھڑی تھی مجھ پر آگرنے کے لیے جھکنے لگا......

دل پر پہلی بار وار کرنے والا عیسیٰ......

''اوہ عیسیٰ! تم میں ایسا ہے کیا کہ تم میرے لائق بنو...... جس کے لیے میں یہ سمندر چھوڑ کر' پھلانگ کر یا تیر کر آؤں۔ گٹار کی تاروں سے سر نکالنے والا...... ابھی اور نہ سمجھ میں آنے والی دھنیں بنانے والا۔ اور بس؟ صرف چند بے معنی دھنوں کی تخلیق پر میں تمہیں اپنی تخلیق کا حق سونپ دوں...... کیا ہے تم میں؟''

کھینچ کھانچ کر بہت سے دنوں بعد جب میں واپس آئی تو صرف سات دن گزرتے تھے۔ سات دن۔ اور وہ ہنس رہا تھا۔

''اتنا پیسہ لگا کر تم لوگ جاتے ہو اور ایک ہفتے میں واپس آ جاتے ہو۔ چار دن تو میں صرف مری ایوبیہ میں لگا دیتا ہوں۔''

''تمہاری طرح سالوں بعد ٹریولنگ کے لیے نہیں جاتی...... تھک گئی ہوں......''

''گھومنے سے بھی کوئی تھکتا ہے۔ اگر مجھے کنٹریکٹ مل گیا تو مل کر چلیں گے۔ تمہیں بتاؤں گا سیاحت کیسے کی جاتی ہے۔''

''کیسا کنٹریکٹ......؟''

''ایک ٹیلی فلم کے تھیم میوزک کا......''

''ہا! لاکھ دو لاکھ میں تم مجھے لے کر گھومنے جاؤ گے......؟''

''کچھ سیونگ بھی ہے میرے پاس...... چار لاکھ میں ہم بہت آسانی سے عراق جا سکتے ہیں۔ افغانستان' سری لنکا اور بنگلہ دیش بھی۔''

''تم مجھے سیاحت کے لیے جانا چاہتے ہو یا مروانے کے لیے......''

وہ ہنسا۔ ''میں اتنا غریب ہوں نہیں جتنا تم اپنی باتوں سے جتا کر مجھے بنا دیتی ہو۔ اچھا سنو! رات میں نے ایک دھن بنائی' اور آج تم آ گئی۔ میں نے خدا سے دعا مانگی کہ صوفی کا دل وحشت سے بھر جائے' اسے سمندر' جہاز' لوگوں سے ڈر لگنے لگے اور وہ انہیں چھوڑ آئے......''

''اسے بددعا کہتے ہیں......''

''میرے لیے یہی دعا ہے' تم آ گئی' میری دعا قبول ہوئی۔''

''اب تم بھی سن لو...... کبھی دعا میں مجھے نہ مانگنا۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو لیکن اتنے نہیں کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ فرض کرو اگر میں ''کچھ'' چھوڑوں گی تو تمہیں ''بہت'' کچھ چھوڑنا ہوگا۔''

''دنیا چھوڑ جاؤں......؟''

''دیکھتے ہیں کہ تم کتنے کامیاب فن کار بنتے ہو...... پھر بات کرتے ہیں......''

''یہ سب سے بری بات ہے جو تم نے اب تک کی ہے...... تم دوبارہ کبھی مجھ سے بات نہ کرنا۔ تم تو واقعی ایک کاروباری انسان ہو۔ اگر میں لین دین پر آیا تو نہ کچھ دے سکوں گی نہ لے سکوں گی۔ جان لو صوفی' میری دھنیں تمہاری ہیں' دنیا کے کسی بھی بازار میں جا کر بیچ دینا' جتنا چاہے کما لینا' نام' کام' سب۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ جو مجھے عطا کیا گیا ہے وہ بے مول ہو۔ ہاں شاید ابھی اس کے مول کے سکے نہیں بنے۔''

''تم مجھ پر دھن کی طرح وارد ہوئی ہو۔ تم مجھ پر تخلیق کی طرح ظاہر ہوئی ہو۔ میں تمہارے باطن سے بے زار ہوں لیکن میں پھر بھی تم ہی پر نثار ہوں۔ میں بے بس ہوں' جیسے آنکھ کھولنے پر' کان سے سن لینے پر' دل کے دھڑک جانے پر۔ میں بے بس ہوں' ہمیشہ رہوں گا۔ میں تمہاری طرف ایسے کھنچا چلا آتا ہوں جیسے تاروں کو چھوتے ہی سر کھنچے چلے آتے ہیں۔''

''مجھے تمہارا ساتھ نہیں چاہیے کیونکہ تمہیں ساتھ رکھنے کے لیے تمہارا ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ تم ایک امیر باپ کی بیٹی ہو صوفی اور میں بھی بہت امیر ہوں۔ میری امیری میرا فن ہے۔ تم اپنی دولت سے دنیا کی ہر چیز ہر آسائش خرید سکتی ہو لیکن اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے فن کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ ایک فنکار ہی جان سکتا ہے کہ وہ کس قدر مالا مال ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ اسے کس نیاز مندی سے عطا کیا گیا ہے۔ میرے پاس زندہ رہنے کے لیے روٹی' کپڑا' مکان' سب ہے۔ میں پیسے کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ کیوں بھاگوں؟ کس لیے؟ پیسے کی اوقات ہی کیا ہے کہ میں اپنا سارا فن بھلا کر اسے دو اور دو چار کروں؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ شہباز کو زمین پر چلنے کے لیے کہا جائے۔ کیوں چلے شہباز زمین پر جب وہ اڑ سکتا ہے؟ میں بھی اڑ سکتا ہوں...... پھر میں کیوں رینگوں...... تم نہیں سمجھو گی صوفی کیونکہ تم فیضیاب نہیں ہو۔ تم پر عطا نہیں ہوئی......''

وہ پتا نہیں اور کیا کیا کہتا رہا مجھے یاد رہا تو بس اتنا کہ ''میں پھر بھی میں تم ہی پر نثار ہوں۔ میں بے بس ہوں' جیسے آنکھ کھولنے پر' کان سے سن لینے پر' دل کے دھڑک جانے پر...... میں بے بس ہوں' ہمیشہ رہوں گا۔''

''میں بھی بے بس ہو گئی...... اسی وقت...... اتنی سی بات پر......''

وہ کتنے دن کالج نہیں آیا۔ کتنے ہفتے ہی۔ میں اس کے گھر گئی وہ کراچی گیا ہوا تھا۔ میں انتظار کرنے لگی۔ بہت انتظار کیا۔ بہت انتظار کیا اور پھر تین گھنٹوں بعد پہلی فلائٹ سے میں کراچی پہنچ گئی۔ ہوٹل کے کوریڈور میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ساتھ چلتا ہنس رہا تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ میں اسے دیکھتی رہی۔ یہ ایسے کیسے ہنس سکتا ہے۔ قہقہے لگا سکتا ہے...... یہ تو حد ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ لگا دیا۔ ''تم یہاں کھڑے قہقہے لگا رہے ہو۔''

اس کا قہقہہ تھم گیا اور میں رونے لگی۔

✡......✡......✡
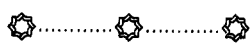
میری کلاسیں بنک ہونے لگی۔ بیس روپے والی چائے مستانے ماہی نے پچیس کی کر دی تھی لیکن ہمیں وہ ڈسکاؤنٹ دے دیتا تھا۔ ایک دن پاپا نے ہمیں روڈ سائیڈ پر دیکھ لیا۔ میں عیسیٰ کے ساتھ بائیک پر بیٹھی تھی۔۔ کار روک کر وہ عیسیٰ سے ملے' بات چیت کی اور چلے گئے۔

عیسیٰ حیران تھا کہ پاپا نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا۔ ''ہوسکتا ہے وہ تمہیں گھر جا کر ڈانٹیں' تم کل مجھ سے ملو ہی نا......''

''ہاہا......ایسا کچھ نہیں ہوگا......''

''مجھے لگا تھا وہ تم سے سختی سے پیش آئیں گے......تم بھی ہنس رہی ہو اور وہ بھی ہنس رہے تھے......''

''پھر تم بھی ہنسو......''

''چلو پھر اسی خوشی میں میری نئی دھن سنو۔'' سڑک کے کنارے بیٹھا کر اور مجھے بھی بیٹھا کر وہ گٹار بجانے لگا۔

''کیا تمہاری ساری ہی دھنیں ایسی ہیں جو سر کے اوپر سے گزر جائیں......'' میں نے منہ بنا لیا

''شاید! ویسے میں کچھ ایسی دھنیں تخلیق کرنے کے خواب بھی دیکھتا ہوں جو ہر کان سنیں اور جس پر ہر دل تڑپے......''

''ہر دل اور ہر کان تک پہنچے کے لیے تمہیں ایک بڑا پلیٹ فارم چاہیے......''

''میں بڑے پلیٹ فارم کے بارے میں سوچوں یا اپنی دھنوں کے بارے میں......''

''یعنی تم سمجھتے ہو کہ کسی دن تم اس کالج کے درخت کے نیچے بیٹھے اپنی دھن بجا رہے ہو گے اور ہالی وڈ کی کسی بڑی میوزک کمپنی کا اونر یہاں سے گزرے گا۔فرض کیا وہ کالج کسی کام سے آئے گا۔اور پھر وہ تمہیں سن کر یہیں کھڑا ہو جائے گا۔پھر وہ تمہیں ایک کنٹریکٹ دے گا' تم وہ سائن کرو گے' پھر تم ہو گے اور شہرت ہو گی......''

''ایسا ہو سکتا ہے......''

''یعنی تم واقعی میں ایسے ہی خواب دیکھتے ہو......؟''

''میں نے کہا نا میں اپنی دھنوں کے بارے میں سوچتا ہوں......کیا' کیوں' کب' نہیں......''

''تو تم مجھ سے شادی کس بیس پر کرنا چاہتے ہو......؟''

''تو نہ کرو شادی......؟''

''تم نے کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو......''

''تم نے بھی کہا تھا......''

''شادی ایک ذمہ داری کا نام ہے......کھوکھے کی چائے نہیں کہ مزے سے پی اور بائیک پر بیٹھ کر چلے گئے۔''

''شادی صرف وفا کا نام ہے......''

''فلمی مکالمے! یعنی تم سیدھے سیدھے یہ کہہ رہے ہو کہ تم میرے سر پر پلنا چاہتے ہو......''

''میں ایسا نہیں سوچتا......جو میرا ہو گا وہ تمہارا ہو گا......''

''اور تمہارے پاس کیا کیا ہو گا......؟''

''تم اتنی امیر ہو صوفی......پھر بھی تمہیں اتنے کچھ کی فکر ہے......کیا کیا......کب کب......کیا واقعی میں تمہارا دل نہیں بھرا؟''

''تم جب سے پیدا ہوئے ہو روٹی کھا رہے ہو نا؟ تمہارا پیٹ نہیں بھرا......؟''

''ٹھیک!......ٹھیک کہا تم نے......''

''تم مجھ سے شادی کرنا چاہو تو ٹھیک ہے......''

''ورنہ؟''

''ورنہ تم کسی اور سے محبت کر لو......''

''اور تم بھی کسی اور سے محبت کر لو گی...... ہے نا؟ ہاں کر لینا......خود کو کسی نقصان میں نہ رکھنا......لیکن مجھے بتا دینا......میں ایک چیز اچھی طرح سے جانتا ہوں صوفیہ......جب گٹار کا تار ٹوٹ جاتا ہے نا تو نیا لگ جاتا ہے لیکن دل کا تار ٹوٹ جائے تو نیا نہیں لگتا۔''

''سائنس ترقی کر چکی ہے......تم فکر نہ کرو......''

''سنو صوفی! جس دن تمہاری محبت کا تار میرے دل سے ٹوٹ گیا اُس دن......''

''تمہیں فٹ پاتھ پر بکنے والے سستے ناولز پڑھنے چھوڑ دینے چاہیے......'' میں نے غصے میں آ کر دو انگلیاں پھنسا کر اس کے گٹار کی ایک تار کھینچ کر توڑ دی۔ ''دل رہ گیا ہے وہ بھی توڑ دوں گی۔''

۞......۞......۞
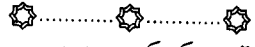
مجھے اس کی دھنیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور کبھی کبھی اس کی بھی۔وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔کیا کہنا چاہ رہا ہے۔اسے کیا چاہیے۔مجھے اس وقت کبھی معلوم نہیں ہو سکا۔یا ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہو سکا تھا۔مجھے وہ ایک ایسا جذباتی آرٹسٹ لگتا جو اپنے فن کے لیے ضرورت سے زیادہ حساس ہے اور میری محبت کے لیے۔پاپا کہتے ہیں حساس انسان خطرناک ہوتے ہیں۔اس سب کے باوجود میں اس کے ساتھ تھی۔اتنی ساتھ کہ ایک بار بینش نے مجھے ایک پروفیسر کی بات سنائی جو انہوں نے میرے اور عیسیٰ کے بارے میں کی تھی۔

''وہی پرانی کہانی......ایک لڑکی تھی سسی گورنر سندھ کی بیٹی تھی۔آج کل وہ کینیڈا میں اپنے شوہر اور دو بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔اور وہ لڑکا......وہ بی کلاس کتابوں کے ٹائٹل بناتا ہے......نام بدل جاتے ہیں کردار اور انجام وہی رہتے ہیں......''

مجھے اپنے بارے میں یہ تبصرہ بہت برا لگا۔میں نے عیسیٰ کو بتایا تو وہ مسکرا دیا۔ ''تمہیں اس میں برا کیا لگا۔''

''انہیں کیا لگتا ہے ہم تاریخ دوہرا رہے ہیں۔''

''شاید!''

''یعنی تم مجھے چھوڑ دو گے۔''

''میرا خیال ہے سسی نے اس مصور کو چھوڑا تھا......''

''ضروری نہیں! یہ بھی ہو سکتا ہے پینٹر اپنی پینٹنگز چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو۔''

''محبت اور فن ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں صوفی۔اکثر ایسا ہوتا ہے چھوڑا نہیں جاتا بس ''چھوٹ'' جاتا ہے۔''

''اب یہ کون سا فلسفہ ہے......؟؟''

''بہت سادہ' تمہارے پاپا مجھے پسند کرتے ہیں' میرے گھر والے تمہیں' لیکن دراصل یہ تم ہو جو ''چھوٹ'' جاؤ۔''

''یعنی میں تمہیں چھوڑ دوں گی......بے وفائی کروں گی......''

''نہیں! تم اسے بے وقوفی کہوگی......''

''تم سے محبت کو......؟؟''

''بالکل!''

''یہ تم بھی کر سکتے ہو......''

''ہاں! کیوں نہیں، میں بھی کر سکتا ہوں۔''

''یعنی ہم دونوں بدل سکتے ہیں......؟''

''جہاں تک میں خود کو جانتا ہوں میں کبھی نہیں بدل سکتا......''

''جہاں تک میں خود کو جانتی ہوں...... ہاں! میں بدل سکتی ہوں۔''

میں نے کہا تو وہ یک ٹک مجھے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا اور میں بھی کہ میں سچ بول رہی ہوں۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تم اپنی زندگی میں ہر طرح سے آزاد ہو۔ مجھے کہیں بھی تم پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارے ساتھ رہتے ہوئے بھی اور تم سے دُور رہتے ہوئے بھی...... لیکن میں اتنا ضرور چاہتا ہوں صوفی کہ اگر مجھے چھوڑنا ہو تو احترام سے چھوڑ دینا۔ میرے دل پر کاری ضرب نہ لگانا...... رسوا نہ کرنا......''

''اور کچھ......؟؟'' مجھے اس کی باتوں پر اس وقت ہنسی آرہی تھی، جن پر بعد میں رونا آیا۔

''اور کچھ نہیں چلو آؤ تمہیں برگر کھلاؤں......''

''برگر...... وہی ساٹھ روپے والا برگر......؟''

''نہیں ایک سو بیس والا۔ اگر تم ایک سات سو پچاس والا کھانا چاہتی ہو تو تم کھا سکتی ہو مجھے تم اس میں سے ایک سو بیس کا نکال کر دے دینا۔''

''ہاہاہا......!'' مجھے بے تحاشا ہنسی آئی۔ ''تم گٹار وٹار چھوڑ کر کامیڈی شروع کر دو......''

''ٹریجڈی شروع کر تو دی ہے...... تمہارے ساتھ......'' اس نے آنکھ ماری۔

واقعی ٹریجڈی تو شروع ہو چکی تھی۔ اتنی کہ اب اکثر رات میں مجھے خواب آتے تھے کہ گیارہ سال پہلے بنایا جانے والا اسکیچ جو سیاہ چاک سے بنایا تھا اسے میں سرخ چاک سے بنا رہی ہوں۔ خواب کی ہر تفصیل ویسی ہی تھی جیسی حقیقت میں تھی۔ بدلا تھا تو بس رنگ۔ ''سرخ رنگ''۔ میں نے ایک دو بار سوچا کہ مجھے عیسیٰ کو بتانا چاہیے کہ میں ایسے خواب دیکھتی ہوں لیکن میں اسے بتا نہیں سکی۔ وہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی عجیب نقطہ ہی نکالتا تھا۔ اکثر وہ میری باتوں پر چپ ہو جاتا اور غور سے میری طرف دیکھتا کہ مجھے تشویش ہونے لگتی۔ میں یہ بات محسوس کرنے لگی تھی کہ وہ مجھے مجھ سے زیادہ جاننے لگا ہے۔ پھر بھی مجھے لگتا تھا کہ میں اس سے بہت کچھ مخفی رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گی...... جیسے کہ یہ کہ میں اس سے محبت تو کرنے لگی ہوں...... لیکن نبھاہ کو کوئی عہد شاید نہیں رکھتی......

✿......✿......✿
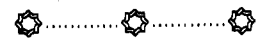
میری فرینڈز اسے کافی پسند کرتی تھیں۔ بلکہ ان میں وہ کافی مشہور ہو رہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ایک دن بڑا نام

پیدا کرے گا۔

''کیسے......؟'' میں پوچھتی

''تم نے اس کی لک دیکھی ہے۔ لمبے بال، پھٹی جینز، کراس گٹار، بڑھی ہوئی ڈاڑھی۔ اس میں مشہور ہونے کے سارے آثار موجود ہیں۔''

''مشہور تو وہ ابھی بھی بہت ہے کالج میں......''

''دُنیا میں بھی ہو جائے گا...... سوچ رہی ہوں اسے ڈیٹ کر لوں تاکہ اس کی ایکس گرل فرینڈز کی لسٹ میں آجاؤں...... ویسے وہ تھوڑا سا غریب نہیں ہے......''

''پتا نہیں اس تھوڑا غریب سے اس کا کیا مطلب تھا۔'' ''یعنی کتنا تھوڑا سا غریب؟''

''یار وہ شوقیہ بائیک پر آتا ہے یا اس کے پاس ہے ہی بائیک......؟''

''وہ بس پر بھی آتا ہے۔ آج تک جو اس نے مجھے مہنگا ترین لنچ کروایا ہے، پانچ سو ساٹھ بل کا کروایا ہے۔''

سب منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگیں۔

''پھر بھی وہ مجھے پسند ہے۔'' نورے نے کہا۔ ''تمہاری جگہ میں بھی ہوتی تو اسے ڈیٹ کرتی۔ تم نے دیکھا کہ وہ کس بے نیازی سے چلتا ہے، ایسے لگتا ہے جیسے اسے دُنیا میں کسی کی کوئی پراوہ نہیں۔ یونو ایسے لاپرواہوں کی پراوہ لینے کو کتنا دل چاہتا ہے......''

''میری وہ بہت پرواہ کرتا ہے......'' میں فخر سے کہتی

''اگر میں اس سے شادی کروں تو میں اسے میوزک کمپنی کھول کر دوں یا میوزک اسکول......''

مجھے اس بات نے حیرت زدہ کر دیا۔ نورے نے اس پر انویسٹمنٹ تک کے بارے میں سوچ لیا تھا۔ اتنی اہمیت دے رہی تھی وہ اسے۔ میں نے عیسیٰ کو سب بتا دیا۔

''خبطی سوچ......'' وہ قہقہے لگا رہا تھا

''لوگوں کو تم میں اتنی دلچسپی ہے......''

''یہ سب وقتی ہوتا ہے یار۔ شاید میں الگ ہوں تو اپیل کرتا ہوں یا تھوڑا سا خوبصورت۔ مجھے اگنور کرنے کی عادت ہے اور تم جانتی ہو جو لڑکا اگنور کرتا ہے وہ لڑکیوں کی ایگو کو ہٹ کرتا ہے۔ مجھ جیسے کچھ لوگ آگے چل کر اسٹار بن گئے تو لوگوں کو لگتا ہے میں بھی ویسا ہی اسٹار بنوں گا۔ یونو ہم مستقبل کو ہمیشہ سجا کر رکھتے ہیں۔ اسے کامیاب دیکھتے ہیں۔ لیکن آخر کار ہر چیز اپنی کشش کھو دیتی ہے اور ان میں انسان سب سے زیادہ جلدی اپنی کشش کھو دیتے ہیں۔''

''یعنی میری کشش بھی ختم ہو جائے گی......''

''ہو جائے گی...... اگر محبت ختم ہو گئی تو کشش کیسے رہے گی۔''

کبھی کبھی وہ اتنا ہی صاف گو ہو جاتا تھا۔ میں ہر روز اس سے ملتی اور مجھے لگتا کہ وہ آج نئی بات کر رہا ہے وہ پہلے جیسا نہیں رہا۔ اگلے دن ملتی تو لگتا وہ کل جیسا نہیں رہا۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ مجھے بہت زیادہ حیران کرنے لگا تھا۔ اکثر مجھے لگتا کہ اس کے پاس کوئی جادو ہے۔ وہ میرے دل کی بات جان لیتا تھا۔ وہ میرے دل کا خیال اور چور دونوں پکڑ لیتا

تھا......عیسیٰ...... وہ اپنی ذات میں چھوٹا موٹا درویش لگتا تھا......اسے الہام ہوتے تھے......جو اس پر وضاحت سے آشکار ہوتے تھے......

لیکن اس کی ذات کے بارے میں یہ الہام مجھے اس کے جانے کے بعد ہوئے......مجھ پر وہ اپنے ختم ہو جانے کے بعد آشکار ہوا۔

✿......✿......✿
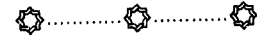
ایک رات وہ ڈنر کے لیے گھر آیا۔ اس نے ماما کے لیے گٹار بھی بجایا۔

''ہم اس کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں......یہ اسٹار بن جائے گا......صوفی بھی خوش ہو جائے گی۔''

ماما نے پاپا سے کہا جو میں نے سن لیا۔ پاپا اسے اپنے ساتھ چہل قدمی کے لیے لے گئے۔ زیادہ تر پاپا ہی بولتے رہے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ میں جانتی تھی کہ وہ اس سے بھی وہی سب کہہ رہے ہیں جو مجھ سے کہتے ہیں۔

''کیا کہا پاپا نے تم سے......؟؟''

''وہ تمہارے لیے فکرمند ہیں......انہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں کوئی روگ لگا دوں گا۔ جبکہ میں نے ان سے کہا کہ یہ ڈر مجھے تم سے ہے۔'' یہ بات کہتے وہ بہت سنجیدہ تھا۔

''پاپا نے مجھ سے کبھی ایسی بات نہیں کی تھی......روگ وغیرہ کی......پاپا بھی نا بس......''

''ان کی کچھ باتیں مجھے بہت اچھی لگیں۔ انہوں نے کہا ہر انسان کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے اور وہ اسی کے زیر اثر محبت کرتا ہے جبکہ محبت کو فطرت کے تابع نہیں ہونا چاہیے۔''

''میں سمجھی نہیں......''

''میں سمجھ گیا۔ انہوں نے کہا تم نے زندگی میں وہی کیا جو انہوں نے تم سے کہا۔''

''ماں باپ کی بات ماننا اچھا ہوتا ہے......میں پاپا کی عقلمندی کی مداح ہوں......''

''ہاں اچھا ہوتا ہے، برا تب ہوتا ہے جب جنون جاتا رہے۔ تم اس لیے ان کی سب باتیں نہیں مانتیں کہ تم بہت فرمانبردار ہو۔ تم اس لیے مانتی ہو کہ تمہارے اندر شدت ہے ہی نہیں......''

میں ہنسنے لگی۔ ''مجھے کیا ضرورت ہے جنون پالنے کی۔ میرا ماننا ہے کہ زندگی ایک بار ملی ہے ہمیں اسے جنون کی کشتی میں سوار نہیں کر کرنا چاہیے۔''

وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس رات میں نے اسے بے حد سنجیدہ دیکھا۔ وہ ہنس رہا تھا' کافی پی رہا تھا' پاپا کے ساتھ سیاست پر بات کر رہا ہے لیکن پھر بھی وہ سنجیدہ تھا۔ اس کی ایسی مسکراہٹ نے مجھے بہت اداس کر دیا۔ میں یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ جب وہ جانے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں عیسیٰ......اپنی زندگی میں موجود کسی بھی چیز سے زیادہ۔''

وہ مسکرا دیا۔ اس نے اپنے سر کو میرے کان کے قریب جھکایا اور پھر کچھ کہے بغیر وہ میرے کان کی لو کو چھو کر پلٹ گیا۔ پہلی بار بستر پر میں نے کروٹیں لیں۔ مجھے رات کی سیاہی پر رونا آیا۔ ساری رات میں عیسیٰ کا گٹار بجاتی رہی......صحرا میں......اکیلی......اور اس کی دھنیں امربیل کی طرح میرے وجود سے پھوٹتی رہیں۔

''عیسیٰ......تم کون ہو......''

✿......✿......✿
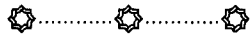
''میں کل رات سو نہیں سکی۔'' میں نے جاتے ہی اسے اپنی سرخ آنکھیں دکھائیں اور پھر اس کی آنکھیں دیکھ کر چونک گئی۔

''کیا تم بھی جاگتے رہے ہو......؟''

''ہاں! میں دھنیں بنا رہا تھا......''

''اچھا! لیکن وہ دھنیں تو میرے خوابوں سے نکلتی رہیں......''

''اچھا!'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''تم اتنے چپ چپ کیوں ہو......اتنے دکھی جیسے رو دو گے؟؟''

اس نے قہقہہ لگایا لیکن پھر بھی وہ مجھے روتا ہوا ہی لگا۔

''تم کل رات بھی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ پاپا کی کس بات نے تمہیں اتنا خاموش کر دیا ہے......؟''

''تمہارے پاپا بہت اچھے ہیں' وہ بہت ذہین ہیں۔ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ مجھے برا لگتا۔''

''پھر......پھر کیا ہوا ہے عیسیٰ۔ میں صحرا میں اکیلی کیوں کھڑی تھی' میرے ہاتھ میں تمہارا گٹار کیوں تھا؟''

''مجھے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی......''

''آنی چاہیے......تمہیں ہر اس خواب کی تعبیر آنی چاہیے جس میں تم خود آؤ' جس میں تم نہ آؤ۔''

وہ غور سے میری طرف دیکھنے لگا ''مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے خوابوں میں آتا ہوں۔''

''تم ہی تو نہیں آئے! تم نے اپنا گٹار بھیج دیا۔ کیا ایسا ہوتا ہے۔ تم چاہو گے کہ اپنی جگہ میں اپنی کار بھیج دوں۔ اتنی بات یاد رکھنا عیسیٰ میں نے تمہیں سالوں پہلے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ تم میری انگلیوں سے کسی حکم کی طرح نکلے ہو۔''

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر وہ مجھے لے کر چلا گیا اور ہم رات تک گھومتے رہے۔ اس بار یہ گھومنا ایسے تھا جیسے وہ اپنے دل کو تسلیاں دے رہا ہو۔ مجھے اس کی کسی بھی بات' کسی بھی انداز پر ہنسی نہیں آئی۔ نہر کے کنارے مجھے بٹھا کر اس نے میرے لیے گٹار بجایا لیکن پھر بھی مجھے مزا نہیں آیا۔ ایسا لگا جیسے کوئی اپنے زخم کو رستا چھوڑ کر میرے زخم پر مرہم رکھ رہا ہو۔ میں نے غصے میں آ کر اسے جھنجھوڑ دیا۔ شام ساری کی ساری ڈھل گئی تھی اور رات اس کے چہرے سے پھوٹتی ہوئی لگتی تھی......

''کیا ہوا ہے تمہیں......بتاؤ مجھے......کیا ہوا ہے عیسیٰ کو......؟''

وہ اپنے گٹار کو گھورنے لگا۔ ''کسی دھن کی طرح مجھ پہ یہ پر الہام ہوا ہے صوفی......'' کہہ کر وہ خاموش ہو گیا

''کیا الہام ہوا ہے تمہیں عیسیٰ؟''

''ایک تار ضرور ٹوٹے گا......گٹار کا یا میرے دل کا......''

اس کی ایسی باتیں مجھے کوفت میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ میں نے اس کے بالوں میں اپنی لمبی انگلیاں پھنسا کر انہیں کھینچا۔

''کچھ بوجھ کم کروا واپنے سر کا...... کاٹو نہیں...... پتا نہیں کیا کیا سوچتے رہتے ہو......''

سر اٹھا کر اس نے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھیں مجھ پر رقم ہو گئیں۔ پھر وہ آنکھیں، وہ نظر، وہ انداز میں خود سے جدا نہیں کر سکی لیکن یہ بھی تو بہت بعد میں ہوا...... جب واقعی ایک تار ٹوٹ گیا تھا...... اس کا...... مجھ سے......

''عیسیٰ...... اپنی زندگی سے جانے کے لیے تمہیں میری زندگی میں نہیں آنا چاہیے تھا......''

✡...... ✡...... ✡
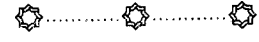
سنگاپور کی کسی کمپنی کو اس کے کسی ٹریک کی تھوڑی سی سمجھ آ گئی تھی اور انہوں نے پوری سمجھ کے لیے اسے سنگاپور بلایا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ جانا چاہتی تھی لیکن پاپا نے مجھے روک دیا۔

''اس کا پہلا پراجیکٹ ہے تم اسے یک سوئی سے کام کرنے دو۔''

''میں اسے ڈسٹرب نہیں کروں گی۔''

''وہ ڈسٹرب ہو گا ہی تو کوئی دھن بنا سکے گا...... اسے ڈسٹرب کرنے کے لیے تم یہی رہو۔''

مجھے پاپا کی بات سمجھ میں تو نہیں آئی تھی لیکن پھر بھی میں یہیں رہ گئی۔ عیسیٰ نے بھی کوئی خاص ضد نہیں کی تھی۔ جاتے ہوئے البتہ اس نے مجھ سے ایک ہی بات کی۔

''فنکار نا کام ہو کر تو زندہ رہ سکتا ہے لیکن رسوا ہو کر نہیں...... یہی حال محبت کا ہوتا ہے......''

جب عیسیٰ ایسی باتیں کرتا تھا تو میں جھنجھلا جاتی تھی۔ مجھے اس کی ایسی الجھی ہوئی باتیں زہر لگتی تھیں۔

''بہتر ہے کہ تم وہاں ایسے کام کرو کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ اور کام مل سکے۔ ٹرینڈ کو فالو کرنا اور میوزک کمپوز کرنا۔''

میری بات پر وہ مسکرا دیا۔ یعنی وہ کرے گا اپنی مرضی ہی۔ اس نے کی بھی اپنی مرضی اور پہلے ہی پراجیکٹ پر وہ اتنا بزی ہو گیا کہ مجھ سے باتوں میں لمبے لمبے وقفے آنے لگے۔ کبھی کبھار وہ مجھے اپنی ترتیب دی ہوئی دھنیں سناتا تھا لیکن مجھے ان کی کچھ خاص سمجھ نہیں آتی تھی۔

''مجھے کنٹریکٹ مل گیا ہے صوفی۔'' ایک دن اس نے مجھے بہت نارمل انداز میں بتایا۔

''تم خوش نہیں ہو؟'' اس کی آواز سے خوشی اور جوش ناپید تھا۔

''خوش ہوں...... لیکن اب یہاں کافی وقت لگ جائے گا......''

''وقت کی پرواہ کیوں کر رہے ہو؟ تم بس اسٹار بنو......''

ہنس کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر میں ہی بولتی رہی وہ نہیں بول سکا۔ اب میں یاد کرتی ہوں تو مجھ پر واضح ہوتا ہے کہ اس نے تو اس وقت سے ہی آنے والے وقت کی بے راہ روی کی چاپ سن لی تھی۔ پھر وہ چپ کیوں نہ ہوتا؟

✡...... ✡...... ✡
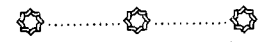
میں اس دن کو کبھی نہیں بھول سکتی...... کبھی نہیں...... میں کالج میں درخت کے دائرے میں اکیلی بیٹھی تھی عیسیٰ کے لیے ایک اسکیچ بنا رہی تھی۔ میرا سر جھکا ہوا تھا اور میرے بال عیسیٰ کی داڑھی پر گر رہے تھے۔ اچانک میرے بالوں سے چھن کر آتی دھوپ رُک سی گئی۔ عیسیٰ کا چہرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ کون ایسے میری دھوپ

روک کر کھڑا ہوا ہے۔

''میں دعویٰ کرتا ہوں میں اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔'' اس نے اسکیچ کی طرف اشارہ کیا...... ہارون نے......

میں ہارون کی شکل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر میری طرف جھکا ہوا تھا اور وہ میری بجائے میرے اسکیچ کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے لوگوں کی شکلیں یاد نہیں رہتیں لیکن پتا نہیں کیسے مجھے اس کی شکل از بر تھی۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا تھا جب کسی کی قسمت بہت خراب ہو، جیسی کے میری۔ ''یہ وہی تھا جس نے اس دیوار پر شارک کو بنایا تھا جس پر میں نے عیسیٰ کو بنایا تھا۔''

''یہی کوئی بارہ تیرہ سال پہلے میں نے اسے......'' ہارون یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا

''بارہ نہیں گیارہ...... تب بھی میں نے ہی اسے دیوار پر بنایا تھا جس پر تم......''

''اوہ!'' اس نے اپنے ہونٹ سکڑ لیے۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا...... میں یقین نہیں کروں گا۔'' وہ سر کو ناں ناں میں ہلاتے کتنی ہی دیر زیر لب یہ فقرے دہراتا رہا۔ وہ اس قدر حیران تھا کہ بار بار مجھے اور عیسیٰ کو دیکھ رہا تھا۔

''کتنا عجیب اتفاق ہے...... بلکہ حیران کن...... بہت حیرت انگیز...... ہے نا؟''

''ہاں! اس دن بھی تم وہیں موجود تھے اور آج بھی......''

''میں نے اگلے کئی دن وہاں تمہارا انتظار کیا تھا۔ میں وہاں تمہیں ڈھونڈتا بھی رہا تھا۔ تم وہاں دوبارہ آئی کیوں نہیں...... کتنے دن تک میں تمہارے اسکیچ کی حفاظت کرتا رہا......''

''کیا وہ وہیں ہے...... اسی دیوار پر......؟؟''

''وہ دیوار گر چکی تھی...... وہ پوری عمارت ہی ختم ہو چکی تھی...... میں نے سوچا تھا تم بہت بڑی پینٹر بن چکی ہو گی۔ تمہارے نام سے تمہیں انٹرنیٹ پر سرچ بھی کرتا رہا ہوں......''

''میرے ایک اسکیچ سے تم نے مجھے آرٹسٹ مان لیا......''

''آرٹسٹ بننے کے لیے کتنے اسکیچز بنانے پڑتے ہیں......''

''مجھ میں ایسی کوئی صلاحیت نہیں ہے......''

''پھر یہ کیا ہے؟'' اس نے اسکیچ کی طرف اشارہ کیا۔

''میری ہابی!'' میں نے اس اسکیچ کے بارے میں تو بتا دیا لیکن عیسیٰ کے بارے میں نہیں بتا سکی۔

جس دن نیویارک میں میری اور ہارون کی پہلی بار ملاقات ہوئی تھی اس دن بھی وہ بہت جلد مجھ سے فرینڈلی ہو گیا تھا کہ ایسا لگتا تھا جیسے ہم دونوں بچپن سے دوست ہوں۔ اور اب جب وہ دوبارہ ملا تھا تو ایسے لگتا تھا جیسے میرے علاوہ اس کا کوئی دوست ہی نہ ہو۔ وہ این سی اے میں ایک شارٹ کورس کے لیے آیا تھا۔ اس کی فیملی امریکا میں ہی رہتی تھی۔ یہاں وہ اپنے نانا نانی کے گھر رہ رہا تھا۔ وہ دو مہینے سے کالج میں تھا۔ ان دو مہینوں کے دوران وہ کتنی ہی بار اس درخت کے پاس سے گزرا لیکن میں اسے اور وہ مجھے نہیں مل سکے۔ ہم ملے بھی تو تب جب میں عیسیٰ بنا رہی تھی۔

میں نے ہارون سے دوستی نہیں کی تھی...... نہ ہی اس نے ایسا کچھ کیا...... بس سب کچھ ہوتا چلا گیا......

جیسے عیسیٰ بے نیاز رہا کرتا تھا ایسے ہی ہارون بھی رہتا تھا۔ عیسیٰ کی شخصیت کے کچھ پہلو جھکنے پر مجبور کرتے تھے اور

ہارون کی پوری شخصیت۔ میں نے اس وقت تو دونوں کا موازنہ نہیں کیا تھا۔لیکن بعد میں مجھے یہ سوچنا پڑا کہ ایسا کیوں ہوا کہ میں ہارون کے زیرِ اثر آ گئی۔ کیا اس لیے کہ وہ اس پیمانے پر پورا اترتا تھا جس پیمانے کو مجھ جیسے رچ کڈ پسند کرتے ہیں۔ یا اس کی اپنی شخصیت کے رنگ میری ذات کے رنگوں سے تال میل کھا رہے تھے۔ یا میں لالچی تھی اس عورت کی طرح جو کبھی شاکر نہیں ہوتی۔ جس کے جتنے دیوانے ہوتے ہیں اتنی ہی اس کی ایگو کی پرواز اُونچی ہوتی ہے......

''عیسیٰ کون ہے؟'' ایک دن ہارون نے مجھ سے پوچھا۔

''دوست ہے...... ان فیکٹ بہت اچھا دوست ہے۔''

''اسی لیے تم اسے اُس دیوار پر بنا کر چھوڑ آئی جو بعد میں گر بھی گئی...... کوئی دوستوں کے ساتھ ایسا کرتا ہے......''

میں نے کندھے اچکائے...... ''بس ہو گیا......''

''چلو پھر میرا بھی اسکیچ بناؤ......'' اس نے یکدم میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا

''ابھی......؟''

''جب تم چاہو...... لیکن کسی ایسی دیوار پر نہیں جو گر جائے۔''

میں ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی اور اپنی گردن کو خم دے کر اُوپر اٹھا لیا۔

''بناؤ گی...... مجھے......؟''

''ہاں...... ضرور......'' اس کا سوال صرف اسکیچ سے متعلق نہیں تھا' میں جانتی تھی اور وہ بھی۔

اور پھر ایک شام میں نے دیوار کی بجائے اسے کینوس پر بنا ڈالا۔ راوی کنارے' دُور دُور تک پھیلے پانی' پانی پر اُڑتے پرندوں کے شور میں' وہ شام ڈھلنے تک میرے برش کے زیرِ اثر رہا۔ میرے برش سے زیادہ اس کی آنکھوں میں رنگ تھے۔ ایزل کے کنارے سے سر نکال کر جب میں اسے دیکھتی تو میری پتلیاں تھرا جاتیں۔ میرا دل راوی کے ٹھنڈے پانی میں کود جانے کو چاہتا کہ بس میں اس پار چلی جاؤں...... اس پار...... جہاں ہارون ہے......

مجھے یاد ہے...... بہت اچھی طرح سے یاد ہے...... اس وقت دُور دُور تک عیسیٰ کہیں موجود نہیں تھا......

✡ .... ✡ .... ✡
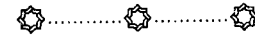
عیسیٰ اتنا دُور بھی نہیں تھا کہ یوں اس سے دُور ہو جایا کرتا اور اتنا قریب بھی نہیں تھا کہ اس سے قریب ہی رہا جاتا۔ اور ہارون...... وہ اتنا قریب آتا جا رہا تھا کہ میں نے خود کو مطمئن کرنے کے لیے جھوٹے دلائل دینے بھی چھوڑ دیئے تھے۔ مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ اس کی موجودگی اتنا طاقتور ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھ پر اپنا اتنا اثر رکھ سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہ میں اس کی خاموشی کو بھی سن سکتی ہوں۔ وہ جب جب میرے پاس آتا اور میں اسے دیکھتی تو مجھے محسوس ہوتا جیسے وہ میری سانسوں کے ذریعے راستے بناتا میرے اندر ہی اندر اتر رہا ہے......

میں اپنے آپ سے اتنی نالاں ہو گئی کہ پریشان رہنے لگی۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں اتنی تیزی سے کیوں بدل رہی ہوں۔ کیا عیسیٰ ایک ایسا روغن تھا جو کٹ پھٹ کر اتر گیا اور اب اس پر ہارون کی پرت چڑھنے لگی ہے۔ یا یہ بات میرے جینز میں تھی کہ مجھے یہی کرنا تھا...... جیسے پاپا نے کیا اپنی کزن کے ساتھ......

''ہارون کو ڈنر کے لیے گھر بلا لو صوفی......'' پاپا نے کہا۔

ہارون ایک دو بار مجھے گھر ڈراپ کر چکا تھا۔ پاپا شاید مجھ سے زیادہ اس کے بارے میں جان چکے تھے۔ یہ بھی کہ ہارون کی ورتھ مجھ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ صرف رچ کڈ نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے......

''ضروری ہے اسے ڈنر پر بلانا......؟''

پاپا غور سے مجھے دیکھنے لگے۔ ذرا سا مسکرائے۔ انہیں حیرت یہ تھی کہ میں چھپا کیوں رہی ہوں۔

''ہماری کلاس میں ایک لڑکا تھا۔ وہ پروفیسر کے بلیک بورڈ پر میتھ کا سوال لکھتے لکھتے ہی منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر حل کر لیتا تھا' سیکنڈز میں۔ میتھ میں اس نے ہمیشہ سو فیصد نمبر حاصل کیے۔ آج وہ ایک درمیانے درجے کی اکیڈمی میں میتھ کا ٹیچر ہے۔ وہ کسی کالج میں اپنے لیے جاب تک حاصل نہیں کر سکا۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ وہ ذہین تو تھا لیکن خوش قسمت نہیں۔''

پاپا نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھ میں لے کر کہا۔

''ہر ذہین یا قابل انسان کامیاب نہیں ہوتا' خاص طور پر فنکار۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ بدقسمت ''فن کار'' ہوتے ہیں۔ پینٹر' رائٹر' سنگر' میوزیشن' ایسے ہی دوسرے لوگ۔ اکثر تو ان کے پاس وہ فن ہوتا ہے جو ان کے زمانے کے لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آتا اور پھر جس زمانے کے لوگوں کو یہ سمجھ میں آتا ہے اس زمانے میں یہ خود موجود نہیں ہوتے۔''

''آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں پاپا......؟''

''سنو...... چپ کر کے سنو...... تمہیں فیصلے میں آسانی رہے گی......''

''ہمارے کالج کی لائبریری میں ایک بوسیدہ سی کتاب ایک پروفیسر کے ہاتھ آ گئی تھی۔ پروفیسر نے کتاب کی کاپیاں کروائیں اور سب کو پڑھنے کے لیے دی۔ کتاب دنوں میں کالج میں مشہور ہو گئی بلکہ کتاب کالج میں زبان زدِ عام ہو گئی۔ وہ کسی پرانے رائٹر کا ناول تھا۔ تقریباً چالیس بیالیس سال پرانا۔ پروفیسر نے رائٹر کے بارے میں معلوم کرنے کی بہت کوشش کی تو جانتی ہو انہیں کیا معلوم ہوا۔ رائٹر کی زندگی کا یہ آخری ناول تھا اور پہلا بھی۔ رائٹر نے اپنی کل جمع پونجی سے یہ ناول شائع کروایا لیکن کتاب کو وہ پذیرائی نہیں مل سکی جو رائٹر کے خیال میں ایسی شاہکار کتاب کو ملنی چاہیے تھی۔ وہ دل برداشتہ ہو کر مر گیا اور اپنے باقی کے مسودے دریا میں بہا دیئے۔''

''لیکن بعد میں تو اس کی کتاب مقبول ہوئی ہو گئی نا پاپا......؟''

''میں نے کہانی مکمل نہیں کی صوفی...... چند سالوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک اسٹوڈنٹ نے جو کالج میں یہ ناول پڑھ چکا تھا۔ اور جس میں تھوڑے بہت لکھنے کے جراثیم بھی تھے اس نے کالج میں موجود ناول کی کاپیاں کسی نہ کسی طرح غائب کروا دیں۔ وہ یورپ چلا گیا اور وہاں اس نے معمولی سی ردوبدل سے اسی ناول کو انگلش میں لکھ دیا۔ کتاب نہ صرف بیسٹ سیلر رہی بلکہ رائٹر کو کئی ایوارڈز بھی ملے...... تم نے دیکھا...... اس کا حقیقی رائٹر بدنصیب تھا...... خوش نصیب کوئی اور تھا۔''

''ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا پاپا......''

''ہاں! ہمیشہ نہیں ہوتا لیکن اکثر ہوتا ہے...... بہت سے لوگوں کے ساتھ ہوتا...... بہت زیادہ بار ہوتا ہے......''

''لیکن اس رائٹر کا کام زندہ ہے......''

''کام کا خالق مر چکا ہے...... اس کے فن نے نہ اسے ذہنی آسودگی دی نہ ہی مالی......''

''آپ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں پاپا...... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا؟''

"میں ایک روایتی باپ کی طرح ری ایکٹ نہیں کرنا چاہتا صوفی۔ تمہیں امیری غریبی کا فرق نہیں بتاؤں گا۔ میں کسی فلم کا ولن باپ نہیں ہوں۔ تم بالغ ہو۔ آزاد خیال بھی ہو۔ تم عیسیٰ سے شادی کر سکتی ہو......کرو......تمہیں جہیز کے نام پر بھی سب کچھ ملے گا۔ بنگلہ' گاڑی' پیسہ' فیکٹری۔ سب کچھ۔ سب تمہارا ہی ہے۔ تم دونوں یہاں اس گھر میں بھی رہ سکتے ہو۔ لیکن یاد رکھنا غریب سے غریب شوہر اپنی بیوی کا بوجھ اٹھا لیتا ہے لیکن امیر سے امیر عورت اپنے شوہر کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ امیر عورت جیسے ہی شوہر کا بوجھ اٹھانے لگتی ہے اسے وہ بوجھ لگنے لگتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے اور بیٹے کے بچوں کو کشادہ دلی سے پال لے گی لیکن ایک شوہر کو نہیں......"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ......"

"ایسے شوہر سے ایسی عورت نفرت کرنے لگتی ہے۔ فطرت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا' عورت کی فطرت ہے یہ۔ وہ مرد کو محبت تو دے سکتی ہے......جیب خرچ نہیں......"

"اتنے چھوٹے دل کی نہیں ہوں میں پاپا......"

"چھوٹی عمر کی ہو تم' میں پچاس کا ہونے والا ہوں اور تمہاری ماں چند سالوں بعد ساٹھ کی ہو جائے گی۔ تمہاری ماں ڈیپریشن کی مریضہ بننے والی تھی اور پھر اس نے ساری جائیداد میرے اور تمہارے نام کر کے اپنی جان چھڑا لی۔"

"ماما نے بھی تو آپ کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزاری ہے......"

"تم ذہین ہو لیکن زیادہ نہیں۔ تمہاری ماما کی ایک آنکھ بے کار ہے تم یہ تو جانتی ہو لیکن یہ نہیں کہ وہ اپنے ساتھ ایک خوبصورت شخص رکھنا چاہتی تھیں......صالحہ ایک اچھی عورت ہے لیکن میں اس کی کمزوری ہوں' ایک آنکھ کے دھبے نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔"

"تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے......سوائے اس جذبے کے جو تمہاری عمر میں ہر خاص و عام کو اپنی لپیٹ میں لے ہی لیتا ہے۔ تمہیں لگتا ہے یہ واقعی میں محبت ہی ہے۔ یہ سب کو لگتا ہے صوفی۔ یہ جذبہ اتنا اندھا ہوتا ہے کہ انسان کو کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ وہ یہ تک نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کس گڑھے کی طرف جا رہا ہے۔"

۞......۞......۞
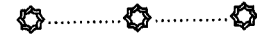
تو عیسیٰ ایک گڑھا تھا......

پتا نہیں یہ پاپا کی باتوں کا اثر تھا یا ہارون کی آنکھوں کا۔ عیسیٰ مجھے واقعی میں گڑھا لگنے لگا۔ پاپا کے دلائل زیادہ مضبوط تھے یا میری محبت زیادہ کمزور تھی کہ میں نے ہارون کو گھر پر ڈنر کے لیے بلا لیا۔ میں خود ایک کچی ڈور تھی یا عیسیٰ کی محبت کہ میں نے ہارون کے اثر کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ بلکہ میں نے ہارون کی اثر انگیزی کو اثر کی اجازت دے دی......

کچھ دل سے......کچھ پاپا کے دلائل سے......کچھ خود غرضی سے......

عیسیٰ......وہ جن سیڑھیوں سے میرے دل میں آیا تھا......انہی سے میں اسے واپس لوٹانے لگی......

میں ہارون کو یہ بتا نہیں سکی کہ میں ایک لڑکے عیسیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتی رہی ہوں۔ نہ ہی یہ التجا کر سکی کہ خدا کے لیے مجھ سے دُور ہو جاؤ تاکہ میں اس سے اپنی محبت کا بھرم رکھ سکوں۔

اب جبکہ عیسیٰ جا چکا ہے تو اب بھی میں ٹھیک سے اپنا تجزیہ نہیں کر پاتی کہ میں پہلے پیچھے ہٹی تھی یا میری

محبت......میرا خیال ہے دونوں......اور میرا یقین ہے "میری محبت"......

۞......۞......۞
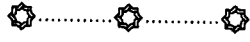
عیسیٰ سے دن میں چند منٹوں کی بات ہو جاتی تھی۔ پتا نہیں وہ دن بدن اتنا خاموش کیوں ہوتا جا رہا تھا۔ نجانے اب راتوں کو وہ میرے خوابوں میں اتنا زیادہ کیوں آنے لگا تھا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے وہ مجھے اور ہارون کو چھپ کر دیکھ رہا ہے۔ جیسے ہماری فلم دیکھ رہا ہو اور خاموشی سے انجام کا انتظار کر رہا ہو۔

اپنے یا میرے......

محبت کے یا خود غرضی کے......

بے وفائی اور رسوائی کے......

میں نے ابتداء کیا کی اس نے انتہاء کر دی۔ روز آنے والی فون کالز دنوں اور پھر ہفتوں میں آنے لگیں۔ آخری بار جب میری اس سے بات ہوئی تو اس نے یہ کہا تھا......

"جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے یہ لوگ میری دھنوں کے دیوانے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر اگلی دھن انہیں پچھلی دھن سے منفرد لگتی ہے۔ میں نے انہیں ایک سنگل ٹریک کے لیے تین دھنیں بنا کر دی ہیں اور انہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ کس دھن کو نکال دیں اور کس کو رکھ لیں۔ انہیں تینوں ہی بے حد پسند آئی ہیں......تمہارا شکریہ صوفی......"

"میرا شکریہ کیوں......؟"

"تم ہی تو ہو جس کی وجہ سے یہ دھنیں بن رہی ہیں......"

"فلم کا تھیم کیا ہے......" آج سے پہلے میں نے کبھی اس سے تھیم کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ یہ بات بتاتے اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ میں ٹھٹک سی گئی۔ مجھے شک ہوا کہ اس کے اندر جو ایک بوڑھا سا بابا چھپ کر بیٹھا تھا اس نے اسے میری حقیقت کے بارے میں بتا دیا ہے۔ وہ بابا جو میرے اندر نقب لگائے بغیر میرے دل کی چوری پکڑ لیتا ہے وہ "ہارون کا راز" پا گیا ہے۔

"محبت......ایک لڑکا مجھ جیسا......ایک لڑکی تم جیسی......ایک وہ......اور پھر......"

"وہ کون......اور پھر کیا......؟؟؟"

اس نے فون بند کر دیا۔

۞......۞......۞

مجھے اب ٹھیک ٹھیک یاد نہیں کہ اس دن پہلے کیا ہوا تھا۔ بلکہ مجھے تو کچھ بھی ٹھیک ٹھیک یاد نہیں۔ میں اب واقعات کو ایمانداری سے ترتیب نہیں دے پاتی۔ سب کچھ گڈمڈ ہو کر میری نظروں کے سامنے سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ واقعات کے جھرمٹ میں میں عیسیٰ کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں اور وہ مل بھی جاتا ہے......لیکن دُور......بہت دُور......بہت ہی دُور ہوتا ہوا......

ہارون نے مجھے گھر سے پک کیا تھا۔ وہ آج خاموش کم اور مدہوش زیادہ تھا۔ وہ بار بار گردن کو خم دے کر میری

طرف دیکھتا اور اس کا دیکھنا کچھ ایسا تھا کہ مجھے لگتا تھا کہ میں اس کے قدموں میں جا بیٹھوں گی۔ میں گر جاؤں گی اور اس کا ہاتھ تھام کر پر اپنی پیشانی رکھ دوں گی۔ کسی مرد کے لمس کی شدت پہلے کبھی میرے اندر ایسے نہیں جاگی تھی......

کالج کی پارکنگ میں ہم کار میں بیٹھے تھے۔ نہ وہ کار سے نکلا تھا اور نہ ہی میں۔ اس نے اپنی دو انگلیوں کو میرے ہاتھ کی پشت پر رکھا اور انہیں پیانو کی طرح بجایا۔ اس کی آنکھوں کا نشیلا پن جو میری چاہت کی شدت میں بھڑک رہا تھا اس کی آنچ مجھ تک آئی۔ اور میں نے اس کی انگلیوں کو اپنے ہاتھ کی پشت پر دھڑکنے دیا......

کچھ وقت ایسے ہی گزر گیا......

ہارون کا لمس مجھ پر نشے کی طرح طاری ہونے لگا...... اور پھر اس کی ٹھوڑی میری گردن سے مس ہوئی۔

ہاں! یہی وہ لمحہ تھا جب چھت پر بیٹھے عیسیٰ کے گٹار سے نکلتی دھن اصل شکل میں ڈھل گئی...... ٹھیک اسی وقت ایک تار ٹوٹا...... اس کے دل کا تار......

چوکیدار کا کہنا تھا کہ وہ صبح ہی آ کر چھت پر چڑھ گیا تھا۔ حیرت ہے اگر اسے یہی کرنا تھا تو وہ واپس ہی کیوں آیا۔ بینش، نورے، سارہ، نہ جانے کس کس کا یہ کہنا تھا کہ وہ ایک بے حد اُداس دھن بجا رہا تھا۔ اس کا گٹار رو رہا تھا۔ کچھ دیر تک اس کے دوست چھت پر اس سے بات چیت کرتے رہے تھے، پھر وہ چھت پر اکیلا رہ گیا۔ وہ سنگاپور سے اچانک آیا تھا۔ پھر بھی اس کا آنا ایسا تھا جیسے وہ یہاں سے بہت پہلے ہی جا چکا ہے...... جیسے وہ ہائے کہنے نہیں بائے کہنے آیا ہو......

جس وقت میں کالج کے اندر آئی۔ سارہ جلدی سے میرے پاس آئی۔

''عیسیٰ آ چکا ہے...... تمہیں فون کر رہی تھی تم نے کال ہی اٹینڈ نہیں کی۔'' سارہ کے انداز میں اتنا جوش تھا کہ ہارون نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔

''تمہارا بیسٹ فرینڈ آ چکا ہے اور اس نے تمہیں کوئی خبر ہی نہیں دی اپنے آنے کی۔''

سارہ بھی قریب کھڑی کچھ کہہ رہی تھی لیکن میں نے کسی کی آواز نہیں سنی۔ کیونکہ میرے کانوں میں اس کی دھن سرگوشی بن کر لفظوں میں ڈھل رہی تھی۔ لفظ جنہیں میں نے اس کے جانے کے بعد پڑھا۔ لفظ جن کی سمجھ سب کھو چکنے کے بعد آئی۔

میں نے سر کو اُوپر اٹھایا۔ مجھے چھت پر بیٹھا عیسیٰ نظر آیا۔ جسے پہچانے میں مجھے بہت وقت لگا۔ اس کی شکل بھی وہی تھی اور لمبے بال بھی۔ پھر بھی وہ اپنی شکل بدل کر آیا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا...... میری آنکھوں میں......

اور جیسے اس کے سارے شک...... وہم...... صحیح نکلے......

میری خود غرضی کے...... دغا بازی کے...... بے وفائی کے...... اور اس لمس کے جو ہارون نے میری گردن پر ثبت کیا تھا......

اس نے میری حقیقت کو پا لیا...... نہ سوال کی گنجائش رہی نہ الزام کی......

گٹار اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے بجا نہیں رہا تھا۔ لیکن لوگوں کا کہنا ہے وہ بجا رہا تھا۔ اس دھن کو جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس دھن نے اتنا شور برپا کر دیا تھا کہ چوکیدار چھت کی طرف بھاگ کر گیا تھا تا کہ اسے کان سے

پکڑ کر نیچے لے کر آئے۔ کچھ پروفیسرز رک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ اس کے کچھ دوست چھت کی طرف بھاگے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اتنی محویت میں گٹار بجا رہا تھا کہ اسے یہ ہوش بھی نہیں رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت چھت سے گر سکتا ہے۔

ہاں! وہ اتنا ہی محو تھا...... اتنا ہی کہ این سی اے کالج کی سرخ اینٹیں اور مال روڈ کی بہتی سڑک اس کی دھن کے سوگ میں ساکت ہو گئیں۔ درختوں پر بسیرا کرتے پرندے اس کے اطراف گھنٹوں کی طرح ٹن ٹن بجنے لگے کہ شاید وہ اپنا ارادہ بدل دے لیکن وہ......

میرا سر اس کی طرف اٹھا ہوا تھا...... لیکن اس کی نظر دوبارہ میری طرف نہیں اٹھی...... اس کی محویت نہیں ٹوٹی...... ارادہ نہیں بدلا...... عیسیٰ...... وہ جب چھت سے نیچے آیا اور اس کا سر اینٹوں سے ٹکرایا...... اس کا وہ گٹار جس کے سب تار سلامت تھے کچھ دور جا گرا......

وہ تب بھی اتنا محو تھا کہ اس نے اپنی موت کا استقبال نہ فنکار بن کر کیا...... نہ لازوال ہو کر...... نہ بے مثال بن کر......

''عیسیٰ''...... میں اتنے زور سے چلائی کہ جو جہاں تھا وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔

''کسی دھن کی طرح مجھ پر الہام ہوا ہے......''

کیا الہام ہوا ہے تمہیں عیسیٰ؟

ایک تار ضرور ٹوٹے گا...... گٹار کا یا میرے دل کا......''

اور بہت دیر سے لیکن یہ ہوا...... مجھے اس تار کے ٹوٹنے کی آواز آئی...... اس کے دل کے تار ٹوٹنے کی......

''نہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں کوئی روگ لگا دوں گا جبکہ یہ ڈر مجھے تم سے ہے۔''

اس کے پاس بیٹھ کر، اس کے سر سے نکلنے والے خون میں اپنی انگلیاں ڈبو کر میں نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا جہاں کچھ دیر پہلے ہارون کا لمس موجود تھا...... اس کی آنکھیں بند تھیں...... وہ کھلی بھی ہوتیں تو بھی میری طرف نہ اٹھتیں۔

''فنکار نا کام ہو کر تو زندہ رہ سکتا ہے لیکن رسوا ہو کر نہیں...... یہی حال محبت کا ہوتا ہے......''

یہی حال محبت کا ہوتا ہے......

یہی حال عیسیٰ کا ہوتا ہے......

اگر مجھے معلوم ہوتا وہ اتنی جلدی مر جائے گا...... اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اتنا کمزور ہے...... اگر میں یہ جانتی کہ اسے اپنی دھنوں سے زیادہ مجھ سے محبت ہے...... اور اگر میں یہ بھی جان لیتی کہ وہ ایک صوفی کی بے وفائی کو نہیں سہہ سکے گا...... تو میں کبھی اس سے محبت نہ کرتی...... میں جس نے زندگی میں کبھی کوئی جنون اپنے سر نہیں چڑھنے دیا، عیسیٰ کے سر اپنا جنون چڑھنے دیتی ہی نا...... بھلا مجھ جیسے لوگوں کے لیے بھی جان دی جا سکتی ہے...... جنہیں کبھی عیسیٰ اچھا لگتا ہے اور کبھی ہارون......

کیا اس جیسے سنگِ مرمر کا مجھ خاک کے لیے خاک ہونا بنتا تھا......

اس کے سر سے نکلتا خون سرخ اینٹوں کو اور سرخ کرنے لگا...... اس کی ساری دھنیں اس کے گرد ماتم کناں کھڑی

رہ گئیں......

''ایک لڑکا عیسیٰ جیسا......ایک لڑکی صوفی جیسی بے وفا......ایک وہ ہارون......اور پھر......

اور پھر ''محبت ناکام ہوکر تو زندہ رہ سکتی ہے لیکن رسوا ہوکر نہیں......''

✿..........✿..........✿
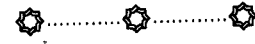
سب نے کہا کہ وہ اتنی سی بلندی سے گرتے ہی کیسے مر گیا۔ وہ اتنی جلدی کیسے مر گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے، صرف میں جانتی تھی کہ نیچے اینٹوں پر گرنے سے پہلے......بہت پہلے......وہ تو اُوپر ہی مر چکا تھا......نیچے گرنے سے کہیں پہلے وہ گر چکا تھا......

اس کی زندگی تمام ہوگئی تو میں نے اپنی بے وفائی کو بھی عام ہو جانے دیا......جس محبت کا خراج اس نے ''جان'' دے کر چکایا ہے، اس خراج کا خراج اب مجھے ''تنہا'' رہ کر چکانا ہے۔

✿..........✿..........✿
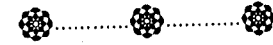
میں بنتِ جمیلہ

''اور یہ دینا کی ہوگی جرور......ماں جئی......بالکل ماں جئی......''

میں اپنی ہم عمر کسی لڑکی کے ساتھ نیاز کے چاول بانٹتی پھر رہی تھی۔ بڑھیا نے چندھی آنکھوں سے مجھے گھورا اور کہا۔

ایسا ہمیشہ ہوتا میری شکل میرا تعارف خود کروا دیتی۔ میری ماں کا پتا بتا دیتی۔ وہ ماں جو خود اپنا پتا کھو چکی تھی اور ابا کے گھر میں لاپتہ ہوئی پھرتی تھی۔ میں اس جیسی ہرگز نہیں تھی کیونکہ میں باپ کے گھر سے بھاگ گئی اور شوہر کے گھر کو لات مار آئی۔ میں ماں جئی کیسے ہوئی؟

''پر دینا تو دُودھ ملائی تھی......حور پری......یہ لمبے کالے سیاہ بال......''

یعنی میں ماں جئی تھی لیکن دودھ ملائی نہ تھی۔ دادی جو اب مر کھپ گئی کہتی تھی کہ جب تو پیدا ہونے والی تھی تو اوپر تلے تیرے نانا نانی مر گئے تھے۔ تیری ماں نے وہ سوگ منایا کہ مُنی کا رنگ روپ کھال بال سب کھا گئی......''

مُنی کون میں۔ ساری عمر کا کی، اے چھوکری، سن مرن جوگی، کہہ کر بلاتی رہی۔ اماں کو اوقات دکھانی ہوتی تو مُنی بنا دی جاتی۔ ویسے میری دادی ایک ایسی ساس تھی جو بہو کو جھنال مانتی، حرام کار سمجھتی، اور کمینی لچی کہہ کر بلاتی۔

ایسی جھنال بہو کی لچی اولاد کو انہیں ایک بار سنبھالنا پڑ گیا۔ وہ ہمیں مار مار کر سوکھی روٹیاں کھلا رہی تھی۔ جو ہمارے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھیں۔

''دُرفٹ! ماں تو شاہی لونڈی بنی ٹھسے سے میکے بیٹھی ہے اور میں یہ اودھ بلائیں پالنے کو رہ گئی ہوں۔''

شاہی لونڈی اماں! خون بھرے جبڑوں اور سوجے ہوئے ہاتھ، منہ، پیر لے کر میکے گئی تھی کہ دو دن ابا بچوں کو رکھیں گے تو لگ پتہ جائے گا۔ پر پتا تو اماں کو لگ گیا، جب مہینوں بعد بھی ابا اسے لے کر نہ آئے۔ خود ہی واپس آ گئی۔ پھر دوبارہ کبھی نہیں گئی۔ بڑی پاگل تھی اماں جانا ہی تھا تو آئی کیوں۔ آنا ہی تھا تو گئی کیوں؟ کوئی ایک فیصلہ کرتی اور جی جان لگا کر نباہتی، بلکہ جان دے کا نبھاتی۔ یہی وہ حرکتیں تھیں جو اماں کو لے ڈوبیں۔ اسے ساگ کا ڈنٹھل بنا داتر سے گردن کٹوا بیٹھیں۔ ویسے اماں سے اچھے تو ڈنٹھل ہی ہیں جو کم سے کم ''ڈنگروں'' کے کام تو آتے ہیں۔ اماں تو کسی کام جوگی نہ تھی۔ نہ

ہمارے نہ ابا کے' خود اپنے لیے تو بالکل ہی ''دُرفٹ'' تھی۔

ہاں تو جب تک دادی زندہ رہی (خیر سے بہت دیر تک زندہ رہی) اماں کا غصہ' گالیاں' دوہتڑ' چھتر' طعنے' کوسنے 'ماں جیؔ' کو بھی ملتے رہے (اماں کا حصہ الگ سے)۔

''اے ہندنی درفٹی کھول اسے۔''

میں دادی کی چارپائی کے نیچے سے اپنی جوتی نکال رہی تھی کہ دادی نے ذرا جھک کر میری چوٹی پکڑ لی۔ اور زور زور سے جھٹکے دینے لگی۔ ہندوؤں سے انہیں خاص خار تھی۔ نہ جانے کوئی ہندو ان کا لوٹا لے کر بھاگ گیا تھا یا انہیں بھگانا بھول گیا تھا۔ وہ خود تو بسے بسائے پنجاب میں پاکستانی بن کر بیٹھ گئی تھی۔ نہ بارڈر پار کیا' نہ بلوائیوں کو بھگتا، نہ کسی ہندو کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا۔ پھر بھی دل میں عناد کا کھیت اگا لیا۔ ساری نفرت اور غلاظت ہندوؤں کے نام کر دی تھی۔

''اتنی اونچی چوٹیاں نیچ ذات کی لونڈیاں بناتی ہیں۔ مسلمان عورتیں یوں سروں پر لومڑیوں کی طرح دُمیں لٹکائے نہیں پھدکتیں......''

اب مجھے کیا معلوم نیچ ذات کی لونڈیاں کیا کیا کرتی رہی تھیں۔ میں تو اونچی ذات کی دادی کو جانتی تھی جو ایک جھنال کی ساس اور اس کی لچی اُولاد کی دادی تھی۔ مسلمان عورتیں بھی میری نظر سے دو ہی گزری تھیں۔ ایک اپنی دادی کو جو روز مردہ ماں کی زندہ لاش پر دولتی مارتی۔ اور ایک اپنی ماں کو جو سانس لیتی' بھاگتی دوڑتی' ان دولتیوں کو کھاتی۔

''یہ سوانگ کنہیں رجھانے کے لیے رچاتی ہو...... مردودنیوں...... یہ بلاوے کن کے لیے ہیں......''

وہ میرے بال کھول کھال جھٹکے دیے جا رہی تھی۔ اور منہ اندر کی طرف کر کے اماں کو سنا رہی تھی۔ اماں بھی کبھی کبھار ایسی ہی اونچی چوٹی بناتی تھی۔ ویسے اماں یوں چوٹی نہ بھی بناتی تو بھی وہ نچلی سے نچلی ذات کی ہی رہتی...... لونڈی...... مردودنی......

''کیسا پیارا دین ہے ہمارا' اس دین سے کوئی بات تو سیکھو۔ دُرفٹ...... اجڑ گئیں پاک دامن بیبیاں اور ڈیرے جما لیے ان حرامنوں نے۔ غلافوں میں لپیٹ کر رہنے کو تو جی ہی نہیں چاہتا ان کا۔ بس نہیں چلتا کہ اپنی کھالوں سے بھی باہر نکل آئیں اور چلا چلا کر کہیں کہ آؤ ہمیں دیکھو...... کرو نظارہ ہمارے حسن کا...... انگ انگ دیکھو ہمارا...... ہاں دیکھو ان کم ذاتوں کو' کھوٹھے والیاں' رجھانے والیاں' منڈیوں والیاں۔''

اب دادی سب ''والیاں'' گنوا کر ہی چپ ہونے والی تھی۔ اندر سے اماں نکلی۔ میرا ہاتھ پکڑا' بال سنوارے اور پڑھنے کے لیے بیٹھا دیا۔ میری اماں کی قسمت اچھی تھی کہ وہ حاجی شوہر اور حاجن ساس کی بہو بن گئی تھی۔ جبکہ میری دلاری دادی کی قسمت خراب تھی کہ وہ ایک نوعمر شہری لڑکی بیاہ کر لے آئی تھی اور میری اماں منحوس' کم بخت ماری بیاہ کر آ بھی گئی۔ ویسے بھی اماں لکیر کی فقیر تھی۔ لکیر جو ابا نے کھینچ دی اور فقیر اماں نے خود کو خود بنا لیا۔ سر پر اُڑے اُڑے چیدہ چیدہ بال' کہیں کہیں سے نظر آتی کھال اور ہاتھ...... توبہ استغفار...... بھدے' بدصورت' لعنتی ہاتھ۔ ہابیل جیسے نہیں جس نے پہلا انسانی قتل کیا تھا' قابیل جیسے۔ وہی پہلے ہاتھ' ظلم کو روک نہ سکنے والے' خود کو قتل ہو جا دینے والے۔ جو نہ خود کو ''بچاتے'' ہیں نہ ''چھپاتے'' ہیں۔ نہ وار کر پاتے ہیں نہ حملہ روک پاتے ہیں...... یہی پھٹکارے ہوئے ہاتھ......

اسی لیے دادی کہتی ''دُرفٹ! میں تو شیر کے لیے چھچھوندر لے آئی۔''

میں نے اماں سے پوچھا۔ ''یہ چھچھوندر کسے کہتے ہیں تو جھٹ بولی'' مجھے۔''

لو اماں تو چھچھوندر نکلی اور دادی کی قسمت خراب۔ ٹھیک کہتی تھی دادی۔ جب ابا گھر آتے سو شیر ساتھ لاتے۔ محلے اور کھیل کے میدان کے سب ہی بچوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا ابا شیر ہے شیر۔ جب میں اور میری سہیلیاں کھیلتے تو سب کو معلوم ہوتا کہ ساتھ ساتھ یہ پاس والی سڑک پر نظر رکھنی ہے۔ جمیلہ کے ابا کی اسکوٹر نظر آتے ہی اسے جھٹ سڑک پار کروا کر پچھلی گلی کے پچھلے دوازے سے اندر کرنا ہے۔ اسی میدان کے دوسری طرف عقیل اور شکیل کھیل رہے ہوتے۔ شکیلہ جسے دادی نے ذرا سا قد نکلنے پر زبردستی آپا بنا دیا تھا ساتھ والوں کی چھت پر کھیل رہی ہوتی۔ ہر ایک پر فرض تھا کہ جو پہلے ابا کو دیکھ لے گا وہ سب کو اطلاع دیتا ساتھ لے کر گھر پہنچے گا۔ یہ سب جذبہ بھائی چارہ کے تحت نہیں بلکہ باہمی مار سے بچاؤ کے تحت کیا جاتا تھا۔ پکڑا ایک جاتا یا دو' مار بہرحال مشترکہ سب کو پڑتی۔ پوری طرح پڑتی' مکمل طور پر پڑتی۔ ابا دل لگا کر مارتے بے شک کتنے بھی تھکے ہوئے ہوتے۔ مار مار کر ابا ہمیں قبر تک ہی کیوں نہ پہنچا دیتے اماں ہمیں نہیں بچاتی تھی۔ ویسے بھی اماں نے ہمیں بچانے کے لیے ہاتھ بڑھایا نہیں۔ یا زبان ہلائی نہیں کہ ان کے ہجرتی اماں باوا کو وہ ماں بہن کی گالی ملتی کہ اماں منہ چھپا چھپا کر روتی۔ اور اماں کو آتا ہی کیا تھا۔ اگر اماں گالی دینے والی زبان نہیں کھینچ سکتی تھی تو گالی سننے والے کان ہی کچل ڈالتی پھر یوں رونا تو نہ پڑتا۔

سنا تھا کہ جو چیز جتنی پرانی ہوتی جاتی ہے اس کی قدر اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ اماں کی قدر الٹا گھٹتی جا رہی تھی۔ بلکہ اتنی گھٹ گئی تھی کہ ٹیکسال بھی اماں کو شرمندہ کر دے کہ جا بہن تیرے ''دام'' کا کوئی سکہ نہیں بن سکتا۔ نہ ابھی نہ کبھی۔ تیری قیمت ہی کیا ہے جو ''سکہ'' بنے۔ اسی لیے تو اماں مجھے کبھی پسند نہیں رہی...... بھلا کیا فائدہ ایسے انسان کا جسے وقت پڑنے پر بیچا جائے تو دمڑی بھی ہاتھ نہ آئے۔

عقیل شکیل تو تھوڑے بڑے تھے پر میرا اگڈا جسے میں سارا وقت کمر پر ٹکائے پھرا کرتی تھی بمشکل بھاگنے دوڑنے لگا تھا کہ ابا نے باہمی مار میں اسے بھی رگڑ دیا۔ میں اسے بھی میدان میں اپنے ساتھ کھیلنے کے لیے گئی تھی نا۔ بے چارہ! سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹروں نے کہا پیٹ کی کوئی آنت پھٹ گئی ہے۔ خون رسنا بند ہی نہیں ہو سکا اس کا۔ نو ماہ تک پاخانے میں خون آتا رہا۔ پھر وہ ہمیشہ کے لیے ٹھیک ہو گیا...... بھلا چنگا...... خوش باش...... مرحوم جلیل ولد حاجی ستار احمد......

خیر ہمیں کیا۔ ہم سب تو کئی دن تک یہ ماتم کرتے رہے کہ وہ اتنا ''خوش قسمت'' کیوں رہا۔ اتنا خوش قسمت کہ اب اسے یہ سننا نہیں پڑے گا کہ ''تیرا باپ کنجر قبر میں لیٹا موت رہا ہے اور تجھ کنجری کو میرے سر پر ناچنے کے لیے چھوڑ گیا۔''

''اماں کا ابا کنجر تھا۔'' آپا پوچھتی۔ ویسے آپا تھی بڑی بھولی۔

''کنجر کسے کہتے ہیں۔'' عقیل نے آپا کی طرف دیکھا' میں نے دونوں کی طرف۔

''دادی سے نہ پوچھ آئیں؟'' شکیل نے مشورہ دیا اور یہ شکیل تھا بھی پاگل۔ ایک بار اس کے ہم جماعتوں کے والدین آ گئے اسکول اس کی شکایت لے کر۔

''یہ کن بازاری لوگوں کے بچے پڑھاتے ہو آپ' توبہ اتنی گندی باتیں' اتنی گندی گالیاں' اتنے سے بچے کہاں سے سیکھتے ہیں یہ۔''

اس دن اماں نے پہلی بار شکیل کی خوب پٹائی کی۔ اُس اماں نے جو کائی لگے گھڑے کا بدبودار پانی تھی۔ جسے پیاس میں پیا جاسکتا نہ احترام میں......

❁........❁........❁
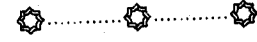
دادا کو اللہ جنت میں بڑے سے بڑے محل میں رکھے۔ دادی کو بٹھائے ایک بار سائیکل پر لیے جا رہے تھے کہ سامنے سے آتی گھوڑا گاڑی نظر نہیں آئی۔ خود وفات پا گئے اور دادی کی آدھی ٹانگ ساتھ لے گئے۔ ان ڈیڑھ ٹانگوں کے ساتھ دادی گھر میں ایسے اور اتنے دھمال کرواتی تھی کہ میں سوچتی ہوں دو ٹانگوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتی۔ ویسے دادی بھی گیدڑوں کے سامنے ہی شیر تھی۔ پھوپھا کے سامنے تو دم کٹی چھپکلی بن جاتی۔

پھوپھا اور ابا کی بنتی نہیں تھی۔ عمر بھر کا مرنا جینا ختم تھا۔ لاہور کی کسی شادی میں پھوپھی آئی تو چپکے سے دادی سے ملنے آ گئی۔ اگلے دن اسی شادی میں ہم سب بھی شریک تھے۔ میں نے پھوپھا کو سلام کیا اور پوچھ لیا'' آپ کل پھوپھی کے ساتھ گھر کیوں نہیں آئے۔''

شادی والے گھر میں جو پھوپھی کے ساتھ ہوئی وہ الگ' اور جو میرے ساتھ میرے گھر میں ہوئی وہ الگ۔ اس ساری رات اماں میرے سرہانے بیٹھی رہی۔ نہ پچکارا' نہ دلار کیا' بس بیٹھی مجھے گھورتی رہی' گھورتی رہی۔ جیسے یا خود مرنے والی ہوں یا مجھے مار دینے والی ہوں۔ ویسے اماں میں ٹھیک سے زندہ رہنے کی طاقت نہیں تھی'' زور لگا کر مرتی یا مارتی کیا''۔ بس بددعا ہی تھی اماں ہم سب کے لیے۔ خود اپنے لیے تو سب سے پہلے تھی اور سب سے زیادہ تھی۔

پھوپھا پھر کئی بار مجھے خاندان میں آتے جاتے نظر آئے مگر دوبارہ ان پر سلامتی بھیجنے کی میں نے غلطی نہیں کی۔ جب ان کے بیٹے کے ساتھ آپا کا رشتہ پکا ہو گیا تب بھی۔ نہ جانے پھوپھا رشتہ کیسے لے گئے آپا کا۔ دادی پھولی نہیں سماتی تھی کہ بیٹی اور داماد گھر آنے جانے لگے ہیں۔ ملنے ملانے لگے ہیں۔ آپا دنوں میں سوکھ کر تیلی سی بن گئی۔ اماں نے قسم کھا رکھی تھی کہ بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے مار دیں گی' خاندان میں نہیں بیاہیں گی۔ اماں خدا مجھے معاف کرے جھوٹی بہت تھی۔ نہ آپا کو مارا' نہ اکسایا اور بیاہ دیا پھوپھا کے گھر۔

پھوپھا ان دنوں بہت بیٹھے تھے دادی کے ساتھ۔ دادی نے ہی ابا سے رشتہ لے کر دیا پھوپھا کو۔ رشتہ کیا بیاہ بھی دیا اور پھر آئے پھوپھا کی جوتی کی نوک تلے ابا......

''احسان مانے میرا سؤر کی اولاد کو کھلاتا ہوں (ابا نے بھی تو کھلایا تھا)۔'' پھوپھا خاندان میں دہاڑتے پھرتے۔

شادی کے شروع میں تو دو ایک بار آپا آئی کہ اس جہاں کی بابت بیان کر سکے جہاں ''دھتکار'' راج کرتی ہے اور ''بے بسی'' رعایا بنتی ہے۔ تاکہ ابا کی راتوں کی نیند اڑا سکے۔ بھولی آپا۔ بے چاری نے دس بھی پاس نہیں کی تھیں کہ ابا نے شادی کر دی۔ دادی نے پھوپھی کی راہ کھولنے کے لیے دونوں کی راہ ہی کھوٹی کر دی۔ پھوپھی' دادی' ابا' سب آپا کو لے ڈوبے۔

سنا تھا پھوپھا جو کہ ابا کے ہی گاؤں کے رہنے والے تھے جوانی کے دنوں سے ہی ابا سے بیر لیے ہوئے ہیں۔ نہ جانے کس کبڈی کے دنگل میں ہرا دیا تھا ابا نے کہ پھوپھی کا رشتہ لے کر ہی پھوپھا نے ہار کا بدلہ لیا۔ ویسے عورت وہ ترپ کا پتا ہے جو ہر مرد جواری کو راس ہے۔ پھوپھا کو بھی پھوپھی خوب راس آئیں کہ پھوپھی کی روز صبح وشام جوتیوں سے تواضع ہوتی تھی۔ سات آٹھ سال تک تو وہ نام کی ہی دلہن رہی۔ لوگ تھو تھو کرتے۔ پھوپھی کو تو خاندان کی عورتیں کھسری کہتی رہیں۔ ویسے ٹھیک ہی کہتی تھیں پھوپھی بھی اماں جیسی ہی تو تھی۔

❁........❁........❁
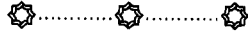
عقیل ایک بار فیل ہوا تو لے جا کر ابا نے ویلڈنگ کی دوکان پر بٹھا دیا۔ ایک بار پھر اماں نے اپنے ماں باپ کی گالیاں سنیں اور چھٹے بچے سے بڑھا ہوا پیٹ...... اف توبہ اماں کیسے چیخی تھی......

اگلی کئی راتوں تک میں خواب میں ڈرتی رہی۔ اماں خون میں لت پت ہو گئی۔ یہ رکھ رکھ کر ابا نے لاتیں ماریں۔ ساتھ والی پڑوسن خالہ ابا کو پرے دھکیل کر دو تین اور ہمسایوں کے ساتھ اندر آئی پر دیر ہو چکی تھی۔ بھلا اماں کو کیا ضرورت تھی اتنی لمبی زبان چلانے کی۔ ابا نے کہا بھی۔

''دفعان ہو جا...... میرا سر نہ کھا۔''

اور یہ بار بار یہی کہتی رہی۔'' شام کو دُکان پر چلا جائے کرے گا' دن میں اسکول جانے دو۔''

ابا نے سالن کی پلیٹ منہ پر دے ماری۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ کمینی عورت کھانے کے دوران بولے جا رہی تھی' مار کھائے جا رہی تھی' بکواس کیے جا رہی تھی۔

''دن میں سکول چلا جائے گا' شام میں دُکان۔''

میرے کان پک گئے تو کیا ابا کے نہیں پکے ہوں گے۔ اب سکون رہا جب چھٹا بچہ پیٹ میں ہی مرحوم ہو گیا۔ تھو ہے ایسی عورتوں پر جی...... سو بار تھو ہے...... جب ہمت نہیں ہے تو ایسے شیروں کے منہ کیوں لگتی ہو...... چپکی کیوں نہیں پڑی رہتی...... مار نہیں سکتی تو پھر مر کیوں نہیں جاتی......

عقیل ویلڈنگ کرنے لگا۔ بڑا خوش رہتا کہتا استاد بڑا پیار کرتا ہے۔ رات گئے تک گھر نہ آتا۔ شکیل نے رات دن کتابیں چاٹنا شروع کر دیں۔ اور میں تو بمشکل ہی پاس ہوتی تھی۔ اماں اسکول میں استانیوں کے آگے ہاتھ جوڑتی کہ سالانہ میں کیسے بھی کر کے اسے پاس کر دو۔ عجیب اماں تھی...... سمجھتی ہی نہیں تھی...... جس دن حساب کا پرچہ تھا اس رات ابا نے اماں کی چٹیا پکڑ کر وہ گھمائی وہ گھمائی کہ ساری رقمیں صفر ہو گئیں۔

اماں سے ابا کی خاندانی گرم شال جل گئی تھی۔ استری کی شکل شال پر چھپ گئی تھی۔ میں نے اس رات قسم دادا مرحوم کی دادی کو ایسی کیفیت میں دیکھا جیسے ان پر'' اماں کی دھلائی'' نے وجد طاری کر دیا ہو۔ وہ سرور سے ہلکورے لینے لگی۔ ایک وجد مجھ پر بھی طاری ہوا اور میں حساب کے پرچے میں فیل ہو گئی۔ اماں کے دو ہاتھ ایک گردن کو چھڑاتے نظر آتے۔ نہ ضرب ہوتے کہ دو سے چار ہو جاتے۔ نہ تفریق کہ دونوں ہی نہ رہتے۔ جواب کوئی تو آتا...... حاصل صفر ہی سہی...... جواب کوئی تو ہوتا...... وصول صفر ہی......

استانی جی نے بلا کر مجھے پرچہ دکھایا' پورے تیرہ نمبر لیے تھے میں نے۔ ''جمیلہ کچھ اپنی اماں کا ہی خیال کر کے پڑھ لیا کرو۔''

اب انہیں کیا بتاتی ان ہی کا خیال کر کے تو نہیں پڑھا۔ ساتھ کے بستر پر پڑی اپنے پھٹے ہونٹوں کا خون صاف کرتی رہی اور اپنے کالے بھدے ہاتھوں سے گردن کو سہلاتی رہی۔ کیسی عورت تھی بات مانتی ہی نہیں تھی کہ عورت ہی بن کر رہے انسان نہ بنے۔ غلطی تو انسانوں سے ہوتی ہے یہ گنجائش انہیں حاصل نہیں تھی۔ ملتی بھی کیسے انہیں یہ گنجائش نکلوانی آتی ہی نہیں تھی۔ پھر مرو...... کھاو مار...... کبھی بکری اور شیر بھی ایک گھاٹ سے پانی پیتے ہیں؟ اگر پیتے ہیں تو وہ میاں بیوی ہوتے ہیں...... روز حملہ...... روز شکار...... ہاں پھر یہی ہوتا ہے...... لیکن صرف بکری کے ساتھ......

✡............✡............✡
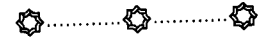
ہمارے گھر میں نانا نانی کا نام لینا ایسا ہی ناپاک تھا جیسے خنزیر کا نام لینا۔ دادی اپنے ہر خطبے میں فرماتی کہ ''اس کے باپ نے کسی رنڈی کے پیچھے لگ کر خودکشی کر لی تھی۔ ماں بھی کیوں پیچھے رہتی وہ بھی چھت سے لٹک گئی۔ حرام موت مرے۔ حرامیوں کی اولاد ہے تمہاری ماں۔''

دادی اپنے حلال بیٹے کی حرامی ماں کے بطن سے جنمی اولاد سے مخاطب ہوتے ہوئے عالمانہ روپ اختیار کر لیتی۔

''تمہارے نانا کا آنا جانا تھا وہاں ہیرا منڈی...... توبہ مجھے تورات کی نماز بھی پڑھنی ہے۔ خیر وہ ایسا رجھا ایسا رجھا اس رنڈی کم ذات پر کہ جان سے گیا...... یہ رنڈیاں بھی کسی کی بنتی ہیں بھلا...... اس نے الٹی جوتی کا تلوا دکھایا اور دلتی مار دُر فٹ کیا...... لٹک گیا چھت سے اس کے عشق میں...... در فٹ...... اٹھ کر وضو کروں......''

رنڈی رنڈی کہتے دادی ایسی کلمہ گو بن جاتی جو ''حق بات'' کہنے سے بالکل نہیں جھجکتی۔ نانا نانی تو تھے نہیں ہمارے لیکن ابا اور دادی کے حج پر جانے کے بعد جب کبھی ہم وہاں گئے۔ کسی کو بڑے نانا کہتے کسی کو بڑی نانی۔ وہاں کافی کھیپ تھی چھوٹے' بڑے' منجھلے' نانوں اور نانیوں کی۔

''اللہ بخشے بہت نیک تھے تمہارے نانا...... تہجد گزار' ہر ایک کی مدد کے لیے تیار۔'' کوئی دُور پار کی نانی بتاتی۔

لو بھلا ہمیں کیا ان باتوں سے' ہم کھیلنے کودنے لگے لیکن عقیل بیٹھا سنتا رہا۔ بڑی اونچی چیز تھا عقیل۔

وہ لڑکی بھاگ کر نانا کے پاس آ گئی کہ میاں جی بچالیں مجھے۔ نانا نے گھر رکھ لیا۔ خاندان والوں نے تہجد گزار میاں جی کو رنڈی باز بنا دیا۔ جب سب نے انہیں رنڈی باز ہی سمجھ لیا تو چھت سے لٹک گئے۔ انہیں چھت سے لٹکا دیکھ کر پہلے تو وہ ہیرا منڈی والی ننگے سر گھر سے بھاگی۔ پھر یہی کام نانی نے کیا۔ خاندان والے نانی کو تو پکڑ دھکڑ کر میت کے پاس لے آئے۔ ان کی چوڑیاں توڑیں اور سونے کی اتروالیں۔ سر پر سفید دوپٹا دیا۔ بیوہ بیوگی میں ہی رہے انہوں نے سارے زرق برق کپڑے فوراً ٹرنکوں میں سے نکال لیے۔ جیسے مرحوم کی بیوہ میت کے اٹھتے ہی پہلے انہیں ہی تو نکال کر پہنے گی۔ خیر ویسے جب نانی میاں جی کے کپڑے کتر کتر کھانے لگیں' اور ان کی جوتیاں چاٹنے لگیں تو وہ ''مکمل بیوہ'' کہلائیں۔

عقیل نے جان توڑ کوشش کر کے سنا سنایا مضمون ہم تک پہنچا دیا۔

نانی کو ایسے بیوہ بنا دینے والے نہ جانے کس نسل سے تھے' کہاں سے لٹے پٹے آئے تھے' یہاں آ کر پڑاو کیوں کیا۔ دادی کہتی

''یہ سکھ تھے۔ پھر کبھی کہتی نچلی ذات کے دلت تھے۔ یہاں آئے تو مسلمانی اوڑھ لی کہ جی مسلمان ملک میں مسلمان بن کر رہیں گے تو مزے ہی مزے ہوں گے۔ تمہاری پرنانیاں بنہ جانے کہاں کہاں منہ کالا کرتی پھرتی تھیں۔ دُر فٹ اور مرد۔ مردودوں نے کوئی سکھنی' ہندنی چھوڑی نہیں تھی۔ چوڑوں چماڑوں میں گھسے رہتے تھے۔ وہ جو سنتالیس میں عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں یہی تو تھے پیش پیش۔ (دادی دوربین لگائے دیکھ رہی تھی)۔ نہ جانے کہاں کہاں منہ مار کر' اِسے اُسے اٹھا کر بنا کر لے آئے خاندان۔ پاک سرزمین میں قربانیاں دیں ہمارے بڑوں نے اور آ بسے یہ دلت' کم ذات' رنڈی باز۔''

دادی کو اپنے پاکستان میں پیدا ہونے پر بہت فخر تھا۔ ان کے لیے سب مہاجر حرامی تھے۔ اسی لیے دادی انہیں ''رلا'' کہتی۔ کوئی یہاں سے رلا کوئی وہاں سے رلا اور در فٹ آ گئے بن ٹھن کے قبضہ کرنے۔ اسی رلے میں دادی اپنے سینتس سالہ بیٹے کا رشتہ لے کر گئی تھی۔ بقول چھوٹی بڑی کسی نانی کے جوتیاں گھس گئی تھیں بہت سوں کی میاں جی کی اکلوتی بیٹی کا رشتہ لینے کے لیے۔

آپا نے ایک بار اماں سے پوچھا۔ ''کیا دیکھ کر نانا نے آپ کی شادی کر دی تھی ابا سے؟''

اماں ہنسنے لگی۔ ہنسی بھی تو کب......

''شرافت! تمہارے نانا کہا کرتے تھے بھوکا نہیں مارے گا تمہیں' بہت محنتی ہے۔''

کیا کمال کے حوالدار تھے نانا۔ ابا کی آنکھ کی شرافت تو پڑھ لی' اس شرافت کی نزاکت نہیں پڑھی۔ ویسے اچھے محنتی تھے ابا کہ دنیا کی کوئی ایسی گندی گالی نہ تھی جو کما کر اماں کے کان میں نہ ڈالی ہو۔ اور دنیا کی کوئی ایسی بدکردار عورت نہ تھی جس سے اماں کو تشبیہ نہ دی ہو۔ ابا نے اماں کو بھوکا مارا نہ بھرے پیٹ سے زندہ رکھا۔ کمال کی بات ہوئی نا۔ اور ہاں کوٹھے باز نہیں تھے ابا۔ شریف اتنے کہ محلے کی کسی عورت نے انہیں کبھی سر اور نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں دیکھا تھا۔ وہاں موذن اذان دیتا اور یہاں ابا مسجد کی طرف نکل جاتے۔ دو حج اور تین عمرے کیے تھے۔ ایسے نیک اور مومن صفت تھے ابا۔

گھر میں بکرے کا گوشت پکواتے۔ مہینے میں دو درجن دیسی مرغیاں لے کر آتے۔ صبح حلال کر جاتے اور شام آتے ہی یخنی پیتے۔ اسی لیے تو دادی کہتی تھی۔

''ہم تو ایسے ہی شاہی کھانا کھاتے ہیں۔ بھوکے ننگے تھوڑی تھے ہمارے دادے پر دادے۔ یہ بیسن کی ٹکیاں' آلو کے ملیدے' پتلی دالیں ہم نہیں کھاتے۔ پیلے چاول اور دھنیہ پودینے کی چٹنی۔ در فٹ ہمیں کیا پتا سنتالیس کے کیمپوں میں کیا کیا دیا جاتا تھا۔''

✡............✡............✡

اماں چھت پر سردیوں کی دھوپ میں بیٹھی دونوں ہاتھ (وہی ہاتھ) لہرا لہرا کر نہ جانے کس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ خدا کو سنا رہی تھی' بتا رہی تھی' یا پوچھ رہی تھی یا اپنے اماں باوا کو کٹہرے میں کھڑا کیے اپنے پیدا کیے جانے کی وجہ پوچھ

رہی تھی۔ پہلے میری سمجھ میں نہیں آیا پھر میں نے ذرا غور کیا تو جانا کہ وہ بڑبڑا رہی تھی اور ہاتھ (اللہ مارے ہاتھ) ایسے لہرا رہی تھی جیسے دہائیاں دے رہی ہوں۔ پھر...... پھر...... گو مجھ میں سکت نہیں اس منظر کو دوبارہ دہرانے کی لیکن کوئی اگر مجھے تھام لے...... میری کپکپاہٹ روک دے تو شاید...... ہاں تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیے۔ اور اتنی زور سے ایسی عجیب چیخ ماری کہ میں مارے ڈر کے نیچے بھاگ گئی۔ کچھ دیر میں میں عقیل، شکیل کو بھی اوپر لے گئی۔ ہم تینوں کے مجمع نے اماں کو "بڑبڑاتے' بال نوچتے' دہائیاں دیتے' اور آنکھوں سے خون رستے...... میں قسم کھا سکتی ہوں وہ خون ہی تھا...... دیکھا۔"

نیچے سے دادی کے چلانے کی آواز آئی تو ہم نیچے بھاگے۔ اماں نیچے آ کر ایسے کپڑے دھونے لگی جیسے اوپر کچھ ہوا ہی نہیں۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ دیکھو اماں کیسے ناٹک کرتی ہے۔ دادی ٹھیک کہتی ہے

"منٹی ہے! لے جا کر کسی چوراہے میں کھڑا کر دو ایسا ناٹک کر کر کے دکھائے گی کہ دنیا گھروں کو جانا بھول جائے گی۔ مرد تو ساتھ لے جا کر ہی ٹلیں گے۔"

چند دن پہلے آپا آئی تھی تو اماں بلک بلک کر روتی رہی تھی۔ بیٹی کے جسم کا کوئی ایسا حصہ نہیں تھا جو نیلا پیلا نہیں تھا۔ ابا آئے ابا کو بتایا کہ ایسے جانوروں کی طرح مارتے ہیں۔ ابا کھانا کھاتے سنتے رہے اور پھر سو گئے۔ کیا کرتے بے چارے ابا۔ چند دنوں بعد تایا کے بیٹے کے ساتھ آپا کو گاڑی میں بٹھا دیا۔

"جا دی جی اپنے جھگڑے خود سمیٹو۔"

جھگڑا سمٹ گیا۔ اماں چند دنوں بعد ہی چل بسی۔ کان اور ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔ کوئی کہتا دماغ کی نس پھٹ گئی۔ کوئی کہتا تینوں اٹیک اکٹھے ہوئے۔ دل بند۔ اماں ختم۔

جو بھی ہوا اماں مر گئی۔ تین چار دن ہم سب خوب روئے۔ پھر سب ٹھیک ہو گئے۔ پڑوسن خالہ البتہ بہت ہفتوں تک روتی رہیں' بیمار بھی ہو گئی تھیں۔ انہیں بہت غم لگا تھا اماں کے جانے کا۔ جبکہ عقیل نے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات' روز کے جنگ و جدل سے جان چھوٹی۔"

مہینہ بہت سکون سے گزرا۔ نہ کوئی لڑائی نہ جھگڑا نہ ماں کی نہ باپ کی۔ اتنا سکون تھا گھر میں یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ہمارا ہی گھر ہے۔ اماں پہلے ہی مر جاتی بھلا۔ ایسے سکون کے لیے کیا مائیں اپنی جان نہیں دے سکتیں۔ ایک دن ساتھ والی خالہ مجھے چپکے سے ساتھ لے گئیں۔ نہ جانے کیا کیا کہتی رہیں مجھے تو سب بکواس لگا۔ کہنے لگیں

"سب کا کہنا ہے کہ تمہارے ابا نے اماں کو زہر دے کر مارا ہے۔"

میں کیسے مان لیتی...... بھولی خالہ...... زہر دے کر مارنے والوں میں سے نہیں تھے ابا...... زندہ لاشیں بنا کر گھر کی قبر میں رکھنے کے حق میں تھے۔ خالہ کے ابا تھوڑی تھے جو خالہ کو پتا ہوتا۔ اماں نے زہر کھا لیا ہو تو ہو۔

میں گھر واپس آئی تو ایک ایک برتن سونگھنے لگی۔ عقیل شکیل کو بتایا وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسیں اور کہنے لگے۔

"اتنی ہمت والی ہوتی اماں تو ابا یا دادی کو زہر نہ کھلا دیتیں۔"

کہہ دونوں ٹھیک رہے تھے۔ چلو ابا یا دادی کو نہ دیتی ہم چاروں بہن بھائیوں کو ہی دے دیتی۔ ورنہ آپا کو تو ضرور

ہی دے دیتی۔ اسی لیے تو اماں مجھے کبھی پسند نہیں رہی۔ اور میں نے اس کے مرنے کا سوگ نہیں کیا۔ سکول میں لڑکیاں حیران ہوتیں کہ جمعہ جمعہ چار دن نہیں ہوئے جمیلہ کی ماں کو مرے اور اس کی کھلکھلاہٹیں تو دیکھو۔ ایک لڑکی اماں کا افسوس کرنے لگی تو میں ہنسنے لگی۔ اس نے مجھے خوب کھری کھری سنائیں۔ بے شرم' بے غیرت کہا۔ نادان لڑکیاں...... سب کی سب...... وہ کیا جانیں بے چاریاں' ماں کی لاڈلیاں' باپ کی دلاریاں کہ اماں کا مرنا کتنی خوشی کی بات تھی...... کتنا سکون تھا اب مجھے...... کتنا سکون ہوگا اماں کو بھی۔
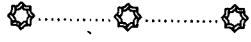
"بچی تیری ماں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جمیلہ سے کہنا کہ پڑھائی نہ چھوڑے موت کا کیا پتا کب آ جائے۔ جمیلہ پڑھ کر کوئی نوکری کر لے اور جانوروں کے اس باڑے سے نکل جائے۔" خالہ مجھے بیٹھائے سمجھا رہی تھیں۔

میں جو ہر پرچے میں بارہ تیرہ نمبر لے کر بھی اگلی جماعت میں بھیج دی جاتی تھی۔ اماں کی جانوروں کے باڑے والی بات سمجھ گئی۔ اس بار اچھے نمبروں سے پاس ہوئی۔ کیسے نہ پاس ہوتی میرے پرچوں سے چند دن پہلے ہی دادی نے ابا کو سکھا دیا کہ بس بہت ہو گیا اسکول۔ گھر کے کاموں میں لگے اب یہ۔

ابا نے میری طرف منہ کر کے گھورا اور کہا "گھر بیٹھ جمیلہ۔"

میں نے بستہ لیا اور شکیل جو گھنٹی پر گھنٹی بجا رہا تھا کی سائیکل پر جا کر بیٹھ گئی۔ ابا نے وہیں میری چٹیا پکڑی اور دے کر زمین پر پٹخا۔ میں بھی پٹخے کھاتی رہی لیکن سکول ضرور آئی۔ مجھے مار پڑتا دیکھ کر شکیل تو سائیکل بھگا کر دکان پر چلتا بنا تھا۔ وہ تھا ہی اماں کی طرح بزدل۔ انہی کی طرح رُل رُل کر مرے گا انشاء اللہ۔ میں پیدل سکول گئی۔ واپس گھر آئی تو سیدھی کچن میں گھس گئی۔ روٹی پکانے کا دادی کا وزنی لوہے کا چمٹا آگ پر رکھ دیا۔ اور لے جا کر دادی کی آدھ کٹی ٹانگ پر رکھ دیا۔ دادی نے ایسی چیخ ماری جیسی اماں نے بچے کے پیٹ میں ہی مر جانے پر ماری تھیں۔

"عقیل کے پاس ویلڈنگ مشین ہے گردن کے آر پار کر دے گا۔ شکیل نیلا تھوتھا اپنے بکس میں چھپا کر رکھتا ہے۔ کسی دن چپکے سے کھلا دوں گی' نیلی ہو کر بھی نہیں مرے گی۔ اگر ابا نے آج مجھے مار بھی دیا تو عقیل اور شکیل تو ہیں۔"

اللہ بخشے مجھے جب کبھی میں مرجاوں۔ دادی اپنی تکلیف بھول بھال مجھے گھورتی رہی۔ نیلے تھوتے سے ڈرتی دادی تایا کے گھر جا ٹکی اور جلد ہی قبر میں۔

لو جی یہ ہوئی نا بات۔ میرے پاس جو جمع جتھا تھا میں نے اس کی جلیبیاں منگوائیں اور جنازہ اٹھنے سے پہلے بچوں میں تقسیم کروا دیں۔ اماں کہا کرتی تھی۔

"تمہاری دادی قوم نوح سے ہے' سات نسلیں مار کر مرے گی۔" سات کا تو پتا نہیں لیکن اماں کی نسل ضرور مار کر مرنے والی تھی دادی۔ پھوپھی نے کہا "اماں کے لوٹے سے سب نہانا' خدا سب کو ایسی صحت اور عمر دے۔"

میرے کان میں جیسے ہی بھنک پڑی میں نے ڈھونڈ ڈھانڈ لوٹا چھپا دیا۔ دو دن کافی ڈھونڈ پڑی لوٹے کی۔ پر لوٹا مل کر نہیں دیا۔ ابا تو وہ بین کر کر کے روئے کہ ہم اپنی اماں کے مرنے پر نہ روئے ہوں گے۔ آپا کو میں نے میت کے پاس دانت کچکچاتے دیکھا۔ شاید ان کی بھی حسرت تھی دادی کی گردن نوچ کھانے کی۔ ویسے دادی کی ہم عمر بوڑھیوں نے دادی کو

نیک ترین بنا کر کفنایا۔ وہی دادی کے چہرے پر ڈھونڈ کر نور لائیں۔ دیکھا ہم سب زندگی ہی نہیں موت کے ساتھ بھی منافق ہوتے ہیں۔ اچھا ہی ہو جو روح کا فرشتہ روح لے جاتے ہوئے ایک ڈھپہ بھی پیشانی پر لگا جائے...... ''نیک بخت'' ...... ''بدبخت''۔

دادی کے مرنے سے آزادی سی آزادی تھی۔ میں نے اسکول میں سب کو ڈانس کر کے دکھایا۔

ابا دوسری شادی کرنے کے لیے ایسے تیار ہو گئے جیسے ان کی شادی تو طے تھی بس اماں کی موت ٹل رہی تھی۔

میری بات تایا کے گھر پکی کر دی۔

خالہ نے خوب اکسایا کہ اپنے نانکے گھر کو بھاگ جاو جمیلہ۔ لیکن ماں جئی تھی تو کیسے بھاگ جاتی۔ اتنی ہمت نہیں تھی۔ عقیل جہادی گروپ کے ساتھ نکل گیا تھا۔ جانے سے ایک دن پہلے اس نے ابا کی گردن دبوچ لی تھی۔ جب ابا مجھے اماں کی طرح مار رہے تھے۔ عقیل نے گھونسے مارے' گردن دبوچی اور جہادی گروپ کے ساتھ کشمیر بھاگ گیا......

''بھگوڑا...... کشمیر کبھی آزاد نہیں ہوگا...... تو اونچی پہاڑی سے گر کر مر جائے گا۔ شہید نہیں ہوگا...... تیری لاش کھائیوں میں سڑتی رہے گی' مٹی نہیں بنے گی...... تجھ گند کو فرشتے کبھی نہیں اٹھائیں گے۔ نہ حساب کے نام پر نہ سزا اور سوال کے نام پر۔ جو گھر کا جہاد چھوڑ کر باہر بھاگے گا وہ بے شہید ہو کر مرے۔'' میں نے اس کو بددعا دی۔

شکیل اللہ مارا عورتوں سے بھی پرے تھا۔ میرے کان میں گھسا کہتا رہا کہ ''چپ چاپ تایا کے گھر شادی کر لے۔ ورنہ ابا ہم دونوں کو مار دے گا۔''

توبہ کتنی پیاری تھی شکیل کو اپنی جان...... اور مجھے بھی......

میرے سر کی کھال نظر آنے لگی تھی۔ رنگ کولتار اور ہاتھ بھدے لعنتی ہوتے جا رہے تھے۔ میں شیشہ دیکھتی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ میں تیزی سے ''اماں'' بنتی جا رہی تھی۔ مجھے نفرت تھی ماں جئی بننے سے۔ نفرت سے زیادہ خوف...... خوف سے زیادہ اور خوف......

آپا مرتے دم تک ہم سے مل نہیں سکتی تھی۔ شکیل زنانہ ابا کی گردن دبوچنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ خبردار جو کسی نے والدین کی عزت واحترام کی بات کی ہو تو۔ مجھے جنت کا لالچ دینا نہ دوزخ سے ڈرانا۔ ہاں...... بس......

میری استانی نے میرا سر کھا لیا تھا کہ ''جمیلہ باپ ہے وہ تمہارا۔ قربان ہو جاو اس کی رضا پر۔ صبر کرو! خدا اجر دے گا۔''

مجھے تو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ ''صبر کروں اور اجر کا انتظار کروں یا جبر کروں اور صبر سمیٹ لوں۔''

✿......✿......✿

میری ہونے والی سوتیلی ماں ابا کے خاندان کی دور پار کی دوبار کی بیوہ تھی۔ ہر دوسرے دن آ جاتی۔ شکیل کہتا۔ ''پھلجڑی'' ہے۔ رونق رہے گی گھر میں۔ ایسی عورتوں کو تو وزارتیں سنبھالنی چاہیے۔ لیکن ہمیں کیا محلے سنبھالے یا وزارتیں۔ ابا کو ایسی ہی عورت ملنی چاہیے جو اگر ایک جوتی کھائے گی تو دس خود بھی مارے گی اور دوسرے مردوں سے پڑوائے گی بھی۔''

ایک رات ایسے ہی میری آنکھ کھل گئی...... توبہ ایسے ہی تھوڑی کھلی تھی۔ وہ بھینسا میرے بستر پر بیٹھا میرے منہ پر سے رضائی ہٹا رہا تھا اور...... اور...... میں نے وہ چیخ ماری کہ ڈر گیا۔ بھاگ کر دور جا کھڑا ہوا۔ اور کمرے سے نکل گیا۔ منحوس مارا شکیل چیخ سن کر بھی دبکا رہا۔ پورا اماں پر گیا تھا۔ اس کا تو اپنا بستر گیلا ہو گیا۔ ہمت کر کے کمرے سے باہر جھانکا تو تایا تائی اور وہ بھینسا سر جوڑے بیٹھے نظر آئے۔

اماں کہا کرتی ''میری شادی میں یہ لمبا تڑنگا تھا۔'' اس لمبے تڑنگے کی اُس شادی میں میں بھاگی پھرتی تھی۔ جس کی دلہن کو بعد میں مرگی کے دورے پڑنے لگے تھے۔ یہ کہتے رہے دلہن مرگی کی مریض ہے۔ دلہن والے کہتے رہے ''مرگی زدہ کر دیا معصوم کو''۔ جس نے جو بھی کہا بہرحال لڑکی کسی ایک دورے کا اثر لے گئی اور چل بسی۔ دوسری نے طلاق لے کر جان بچائی۔

صبح ابا کے کمرے سے مٹھائی کا ڈبہ ملا۔ یعنی تکبیر پڑھی جانے والی تھی۔ شام کو پڑوسن خالہ بھاگی آئیں۔

''تمہارے ابا نے مجھے جہیز کے رضائی گدوں کے لیے پیسے دیئے ہیں۔ بھاگ جاو جمیلہ...... بھاگ جاو......''

وہ بے چاری رونے لگی اور میں بھی۔

''آو میں تمہیں تمہارے نانا نانی کے چھوڑ دوں۔ اسی جمعہ تمہارا نکاح ہے۔''

میں اور رونے لگی۔ کیا کروں کہاں جاوں' کم بخت میری ہی کمی تھی دنیا میں آنے کی۔ میں خلیفہ تھی یا سلطان جس کا دنیا میں آنا بہت ضروری تھا۔ کس قوم کی کمان سنبھالنی تھی میں نے جو مجھے عرش سے فرش پر اتارا گیا۔

خالہ نے شکیل کو بلوایا اسے سمجھایا۔ ڈُرفٹ وہ تو الٹا خالہ پر چڑھ دوڑا۔

''خالہ آپ کیوں اسے الٹی پٹیاں پڑھا رہی ہو؟''

خالہ بے چارگی سے مجھے دیکھتی رہی۔ رات کو شکیل سو گیا تو میں نے زیور نکالے لیکن پھر ان پر تھوک کر واپس رکھ دیا۔

✿......✿......✿

میرے نانا نانی کا گھر داتا دربار کے پیچھے گھوڑا ہسپتال کے آس پاس کہیں تھا۔ چند ایک بار بہت چھوٹے ہوتے تو حویلی دیکھی تھی۔ اور اماں بھی بتایا کرتی تھی کہ بہت شاندار حویلی ہے تمہارے نانا کی۔ ویسے مجھے اماں کی باتوں پر ایسا کوئی یقین نہیں تھا۔ وہ تو یہ بھی کہا کرتی تھی کہ میرے نانا گبرو جوان تھے۔ ذرا سا گھور کر دیکھتے تو پیشاب نکلوا دیتے۔ لو جی ایسے گبرو جوان کی ایسی ٹڈی دل بیٹی جو ہر روز مسلی جاتی۔ جس کے بچوں کے ڈر کے مارے ہر روز پیشاب نکلتے۔

ہم حویلی آ گئے۔ لیکن کہاں کی حویلی اور کہاں کی شان۔ میں نے کہا نا اماں کو عادت تھی جھوٹ بولنے کی۔ وہ حویلی تھی یا کٹڑی یا انسانوں سے بھری' گلی سڑی' بدبودار' ڈربوں سے اٹی ''بستی''۔ جو ابھی تک کسی عذاب سے تباہ نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ شاید اس بستی کو ''عذاب'' کا مستحق بھی نہیں سمجھا گیا تھا۔ مجھے تو ایسی ہی پھٹکاری ہوئی ''بستی'' ہی لگی وہ۔

پھر یوں ہوا کہ خالہ تو خود پریشان ہو گئی وہاں آ کر۔

''تمہاری اماں کے ساتھ ایک بار آئی تھی لیکن تب تو اچھی خاصی حویلی تھی۔''

ہمیں سمجھ نہیں آئی کہ کہاں جائیں۔ کس کے کمرے سے' کس گلی سے' کس سیڑھی سے' کس چوبارے کو پار کر کے۔ کسی کے چھجے کو پھلانگ کر کس طرف کو نکلیں۔ خیر ہوان دو بڈھیوں کا انہوں نے ماں جیٔ کو پہچان لیا۔ خالہ نے وقت ضائع کیے بغیر سب کچھ کہہ دیا۔ اور وہ تو جیسے بھونپو بج اٹھا اس حویلی نما بستی میں۔

کونے کھدروں' سرنگوں' ڈربوں' چوباروں' چھجوں سے وہ لمبے' چوڑے' پتلے' بوڑھے' لاغر' جوان' مرد' عورتیں' لڑکے' لڑکیاں' بچے' گود کے' پیٹ کے' ایسے نکلے جیسے بگل بجا ہو کہ آؤ آؤ...... نک چڑھی بنداری کا تماشا دیکھ لو۔

''اے یہ بھاگ آئی کیا؟''

اس بڈھی کو کانوں کا مسئلہ نہیں تھا اسے چسکے کا مسئلہ تھا۔ دس بار اس کے کانوں میں گھس کر بتایا گیا تھا کہ کیا چل رہا ہے۔ پر وہ ہر دو منٹ بعد مجھ پر نظر ٹکا کر چلانے لگتی۔

''اے یہ بھاگ آئی کیا؟'' (دُرفٹ میرا)

''اس کا باپ تو ہمیں مار ہی دے گا......'' (کم بخت ماری میں)

''اے منے! بھاگ کر جائیو پھاٹک کا کنڈا کس دیو......'' (مرن جوگی)

وہ گاہے بگاہے چلاتی رہی۔ اس کی پھٹی ہوئی آواز دادی کی آواز سے مشابہ تھی۔ ایک بڈھے نے آگے بڑھ کر بڈھی کے دونوں شانے ہاتھوں میں دبوچ کر اس زور سے جھنجھوڑا کہ بڈھی مرونڈے کی طرح چرمرا گئی۔ شاید یہ اس کے لیے خاص گھنٹی تھی جس کے بجتے ہی خیر سے بڑی بی رات تک سہمی بیٹھی رہی۔ لیکن باقی حویلی والوں کو ایک فلم مل گئی۔ دیکھنے' سننے' ہنسنے کے لیے۔ ساتھ ساتھ نمکو' چپس اور پان بھی چلتے رہے۔ دادی ٹھیک کہتی تھی' ہم نٹنی کی اولادیں ناٹک کرنا خوب جانتے ہیں۔

''میرا بھی ناٹک جاری تھا...... ہاؤس فل شو رہا......''

خالہ پریشان سی پریشان ہوئیں کہ پلو سے گیلی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ وہ تو مجھے ان کے حوالے کرنے آئی تھی۔ ان کا اپنا دم ابا کا نام سن کر نکلا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے اماں کا دم تو بہت دیر بعد نکلا۔ ہاں شاید تھوڑی سی بہادر تھی اماں۔ جان کو کافی دیر تک جان سے لگائے رکھا۔

۞......۞......۞
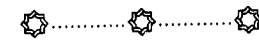
''دو بول پڑھوا دو ابھی کے ابھی پھر کیا کرلے گا وہ۔''

یہ آواز کسی عورت کے منہ سے نکلی تھی۔ ظاہر ہے عورتیں ہی ایسی بزدلانہ باتیں کرتی ہیں۔ پھر خیر سے سب کے منہ سے یہی آواز نکلی۔

''چلو بھئی بچوں جاو یہاں سے۔''

کسی نے کہا۔ اب خیال آیا تھا انہیں پرے کرنے کا۔ مجھے بھی اندر کہیں بھیج دیا۔ جہاں چھوٹا بڑا ہر وہ جو بڑوں کی پنچائیت سے پرے تھا وہ پنچائیت لگا کر بیٹھا تھا۔

چند گھنٹے ہی گزرے ہوں گے کہ مولوی صاحب آگئے۔ میں نے اپنی گندی سی اردو کی لکھائی میں اپنا نام ''بنتِ

دینا'' لکھ دیا۔ کسی نے پڑھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ بچی نے لکھا کیا ہے۔ خالہ نے اچھی خانہ پری کروائی تھی۔ دو ہزار جیب خرچ۔ دو لاکھ حق مہر اور طلاق کا حق میری طرف۔ لڑکا اماں کے چھوٹے چچا کے منجھلے بیٹے کا بیٹا تھا۔ خالہ مجھے سمجھا گئیں کہ نکاح ابا کی وجہ سے ضروری تھا۔ میں خوب دل لگا کر پڑھوں۔ رخصتی وہ دھوم دھام سے اپنے گھر سے کریں گی۔

میں اس رات ڈٹ کر سوئی۔ شام ہوتے ہی ابا' تایا اور وہ بھینسا آئے ایک دو غنڈے ٹائپ آدمی لے کر۔ ابا کو صرف شک تھا وہاں میرے ہونے کا۔ انہوں نے جب میرا پوچھا تو سسر جی نے نکاح نامہ آگے کر دیا۔ ابا تو آپے سے باہر ہو کر ماں کی گالیاں دینے لگے۔ تایا نے تو فوراً کہہ دیا کہ ہم ایسی کنجری صفت لڑکی کو نہیں جانتے۔ گھنٹوں میں نکاح پڑھوا کر بیٹھ گئی۔ نہ جانے کس کا گند تھا جو میرے بھائی کے سر تھوپا۔ ایسی کنجریاں' رنڈیاں ہمارے خون کی پیداوار نہیں۔ خوب بھڑک کر گئے۔ ساری نانیوں' پرنانیوں' نانوں' پرنانوں کو گالیاں نکال کر گئے۔

شکیل بھی آیا زنانہ بک جھک کر چلا گیا۔ خس کم جہاں پاک۔

میرے سسر مجھے اسکول چھوڑ دیتے۔ لے بھی آتے۔ صبح مجھے ایک نان اور چائے کا پیالہ مل جاتا ناشتے میں۔ پھر رسک اور چائے۔ پھر صرف چائے۔ پھر وہ بھی گئی۔ جسے زیادہ بھوک لگتی وہ دربار چلا جاتا لنگر کھا آتا۔ جہاں ساری بستی والے جاتے تھے۔ میں بھی لنگر کھانے چلی جاتی۔ شروع شروع میں پیدل چلتے دربار دُور لگا۔ پھر وہ نزدیک آتا گیا۔ پھر تو وہ بالکل ایک ہاتھ کی دُوری پر رہ گیا۔ ہم یوں جاتے' کھاتے' اور گھر آجاتے...... بس اتنی سی مشقت......

سفیدا ہر وقت اپنے کبوتروں اور دوسری چھتوں کی کبوتریوں یعنی چھوکریوں پر نظر رکھے رکھتا۔ نام نہ جانے کیا تھا اس کا۔ سفیدا بھی یوں کے بال تھے اس کے ہلکے بھورے۔ بھنوؤں کے بھی۔ جیسے سردخانے کا مردہ۔ گورا رنگ جیسے سارے جسم پر پھلبہری پھیل کر چھل گئی ہو۔ وہ اس بستی کا سب سے خوبصورت ''کھکھا'' اور میں اس کی کھکھی۔

اماں بتایا کرتی تھی کہ نانی کے بیٹے ہو ہو کر مر جاتے تھے۔ ایک اللہ ماری اماں بچ گئی۔ اماں کی کارگردگی یہاں بھی صفر رہی۔ جب لڑکے ہو ہو کر مر جاتے تھے تو اماں کو کیا پڑی تھی زندہ رہنے کی۔ نہ وہ آتی نہ ہم آتے نہ ''میں کھکھی'' بنتی۔

جب میں نے تنگ و تاریک ڈربوں میں گھسنا شروع کیا۔ تو مجھے نت نئی باتیں بتائی جانے لگیں۔ کہ جہاں میں بیاہی ہوں ارے وہی سفیدے کے وہ میرے نانا نانی کا گھر ہووے تھا۔ دونوں آگے پیچھے مر گئے تو اماں نے اپنے چچا کے بیٹے کو دے دیا۔

''دیا نہیں تھا بٹو! تمہاری اماں غم میں ہووے تھی۔ ان کم بختوں نے اس دکھیاری سے غم میں انگوٹھا لگوالیا۔''

تیسری نسل آباد تھی اس حویلی میں۔ کچھ باقیات پہلی نسل کی بھی موجود تھی جو لٹے پٹے آئے تھے۔ اور اس حویلی کے کمروں' دالانوں' برآمدوں' احاطوں میں مقیم ہو گئے تھے۔ چھوٹے گھرانے بڑے بڑے کنبے بن گئے۔ حویلی بستی بن گئی۔ حد تو یہ کہ یہ چھ سات فٹی پر چھتیاں تک کنبوں سے آباد تھیں۔ کہیں فلاں کے لڑکے کی فلاں بہو آباد تھی۔ کہیں نجانے کس پھوپھا کی بیوہ جوان پوتی کے ساتھ۔ کہیں اماں کے تایا' چچا کی آل اولاد کہیں کوئی کہیں کوئی۔ اتنے لوگ تھے...... اتنے کنبے...... اتنے بچے...... اتنے گھر جیسے ہتھیلی بھر زمین پر کسی نے جھاڑو کے تنکے بکھیر دیئے ہوں۔

خدا جانتا ہے مجھے تو شکلیں یاد ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔کہاں ان کے نام یاد رکھتی۔اور خدا یہ بھی جانتا ہے کہ مجھے جانا کہیں ہوتا میں گھس کہیں جاتی۔ہوتا یوں کہ اُوپر کی چھت کی تپلی گلی سے دو سڑھیاں نیچے اتر کر دو تین گلیاں پار کر کے' ایک گھر کے چھجے سے جوان کا باورچی بھی تھا' سے گزر کر نیچے والی سڑھی پر آتی اور نیچے کی سرنگ میں گھس جاتی۔اس سرنگ میں کم و بیش آٹھ گھر تھے۔ایک گھر تو ابا والے گھر میں جو بیڈ تھا اس جتنا تھا۔وہیں کمرے میں غسل خانہ' ایک طرف چولہا' اور دوسری طرف کونے میں دو چار پائیاں اُوپر نیچے رکھی تھیں۔کچھ گھروں کی دیواریں ٹین کی تھیں۔اور انہی کے بچے کافی بے شرم اور بے غیرت تھے۔بستی کے سارے بچوں کو وہی بگاڑ رہے تھے۔کچھ کے غسل خانے بہت ہی زیادہ ''بے غسل'' تھے۔ان میں اتنی آسانی سے تانک جھانک ہو جاتی کہ جیسے مانو اپنے کمرے میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہوں......

ان بستی والوں کو پرندہ بانی کا بھی بہت شوق تھا۔قید کر کے رکھنے کے شوقین تھے۔آقا بننے کی زبردست خواہش پائی جاتی تھی ان میں۔

ویسے میں سفیدے اوروں کی بات کر رہی تھی۔تو سب نے اچھی غیرت دلوائی کہ جی ان کا حصہ ضبط کر کے بیٹھ گئے ہو۔اب بیٹی آئی ہے دینا کی۔حصہ دو اسے اس کا۔دو اسے اس کا گھر۔رہے وہ اپنے گھر میں۔

سفیدے اوروں نے سوچا کہ نکاح نہ کیا تو خاندان والے بتا ہی دیں گے کہ ''بٹیا مزے سے رہو نانا نانی کا گھر تھا اب تمہارا ہے۔''

کسی کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ بات تو صرف گھر رکھنے کی ہو رہی تھی کہ لڑکی کو تم سنبھالو' ان کی اماں کا گھر بھی سنبھالا ہے نا۔

انہوں نے سوچا دو بول ہی پڑھوانے ہیں نا سفیدے سے پڑھوا دیتے ہیں۔کسی اور نے اپنے لڑکے سے پڑھوا دیئے تو مکان سے بھی جائیں گے۔

''نکاح اور اس سفیدے سے'' بوا کی بیوہ بیٹی کی لڑکی ہنسی۔''اسے تو ہم ہش ہش کر کے بھگا دیتے ہیں۔جہاں دو لڑکیاں دیکھتا ہے...... ہاہا...... بس اب خود ہی جان لینا...... کھکھی تو ہو ہی گئی ہو...... سفیدی بھی ہو جاؤ گی۔''

✡............✡............✡
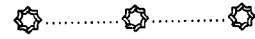
نویں جماعت میں نے پاس کر لی۔ابا نے دوسری شادی کر لی۔شکیل کسی دوست کے ساتھ رہنے لگا۔شکیل اگر میرے لیے کھڑا ہو جاتا تو مجھے ایسے ہجرتی خاندان میں آ کر نہ رہنا پڑتا۔جو سب کچھ غصب کر کے بھی بھوکے ہی تھے۔جو ایسے خالی ٹین ڈبے تھے جن میں تازہ ہوا تھی نہ باسی اخلاق۔سب کے سب کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے پھر بھی ننگے۔طہارت خانوں کی طرف جاتے ہوئے پھر بھی غلاظت باہر پھیلاتے ہوئے۔

مرد' بڑے بوڑھے' ہٹے کٹے گھروں میں گھسے رہتے۔کچھ کبوتر پالتے کہ کبوتر نہ ہو گئے عربی گھوڑے ہو گئے۔پھاٹک سے باہر چار پائیاں بچھا کر تاش کھیلتے' حقہ پیتے' گالی گلوچ' تانکا جھانکی کرتے۔کوئی ایک آدھ سبزی کی ریڑھی لگاتا تھا۔کسی ایک کی چھوٹی سی پرچون کی دکان تھی۔گھروں کی باگ دوڑ عورتوں کے ہاتھوں میں تھی۔کچھ صبح ہی گھروں سے کام کے لیے نکل جاتیں۔کچھ گھر بیٹھے کرتیں۔لڑکے چھتوں پر چڑھے رہتے۔لڑکیاں کھڑکیوں' چوباروں میں

ہمہ وقت ٹنگی رہتیں۔جیسے گھروں میں نہیں منڈی کے چوباروں میں کھڑی ہوں۔گجروں اور گھنگروں کی چاہ کو دبائے بات بے بات ہنسیں جاتی۔خیر ہنستیں تو میری جماعت کی لڑکیاں بھی بہت تھیں۔لطیفے سناتیں' ایک دوسرے پر پانی پھینکتی' چوٹیاں کھینچتیں' چٹکیاں بھرتیں۔پھر بھاگ بھاگ کر ایک دوسرے کو پکڑتیں۔میں ہونقوں کی طرح ان کی شکلیں اور حرکتیں دیکھتی۔

''جمیلہ! ہنسا کرو اور نہیں تو بول ہی لیا کرو'' استانی جی کہتیں۔

میں بولتی تھی۔اور جو میں بولتی تھی اسے سننے والے کان کسی کے پاس نہیں تھے۔جماعت میں بیٹھتی تو عجیب سا لگتا پھر سوچتی۔

''ارے کہاں یہ ننھی منی بچیاں...... کہاں میں عورت...... میرا یہاں کیا کام......''

''جمیلہ یہ کیا ہوا؟'' ساتھ بیٹھی لڑکی نے آنکھیں پھاڑ کر میری گردن کو گھورا۔میں نے ہونقوں کی طرح الٹا اسے گھورا

''کس نے گاڑے ایسے دانت...... کون کاٹتا ہے ایسے تجھے......؟؟؟''

''توبہ! دسویں جماعت کی لڑکیاں بڑی کیوں نہیں ہوتیں۔میں بڑی ہو گئی تو یہ کیوں نہیں؟

میں نے اسکول چھوڑ دیا...... روز روز کیا کیا چھپاتی۔

پڑوسن خالہ آئیں۔ادھر ادھر کے بیماری زدہ' ویلوں' نکموں' تاش کھیلنوں کو اکٹھا کیا۔پنچائیت لگائی۔ویسے یہ زیادتی تھی جو عورتیں گھر سنبھال رہی تھیں پنچائیت بھی انہیں ہی سنبھالنی چاہیے تھی۔یہ کیا بات ہوئی کہ مرد ''بے کار'' ہو کر بھی بدحال نہیں ہوتا۔پنچائتوں میں اسے پھر ''سردار'' بنا کر بیٹھا دیا جاتا ہے۔عورتیں ''کارآمد'' ہو کر بھی ''ناکارہ'' ہی رہتی ہیں۔

''یہ کیا تماشہ کیا تم لوگوں نے۔زبان کا پاس ہی رکھ لیتے۔اتنی سی بچی پر کچھ رحم کرتے۔اور نہیں تو دنیا دکھاوے کو ہی اسے دلہن بنا دیتے۔کوئی باجے گاجے کر لیتے۔'' خالہ بھڑک بھڑک جا رہی تھیں

سب جواب دینے کی بجائے خباثت چھپا کر سر ہلانے لگے۔کئی مردوں نے تو ایک دوسرے کو آنکھ تک ماری۔ہونہہ!...... جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔سفیدا میرا شوہر بن گیا۔

✡............✡............✡

تیسری منزل پر جہاں اس کے کبوتروں کا گھڈا تھا۔وہیں پانچ چھ فٹی جگہ خالی پڑی تھی۔تین اطراف دیواریں' ایک طرف ٹاٹ کا پردہ۔ان چاروں پر ٹین کی چھت اور بناء چوکھٹ دروازے کے ''کمرہ'' نئی دلہن جمیلہ کو دے دیا گیا۔میں باقاعدہ مسز کھکھا بن گئی۔بٹیا سے بنو' اے دینا کی' گڑیا رانی سے ''اے دلہن' اری دلہن' سفیدے کی دلہن' بن گئی۔مجھے مبارک ہو میں دلہن بن گئی۔

''اماں باوا اندھے تھے یا تم نے کوئی گل کھلایا تھا؟'' پڑوس کی لڑکی پوچھ رہی تھی۔

''اماں باوا کا تو پتہ نہیں' ہاں پیدا ہونے کا گل ضرور میں نے کھلایا تھا۔'' میں نے گردن کی چھلی کھال کو دوپٹے سے چھپا کر کہا لیکن لڑکی وہ بھی سیانی تھی' مسکرا دی۔

''اس حویلی کے سارے مرد عورتوں کا کھاتے ہیں اور عورتوں کو بھی۔''

سفیدے نے مجھے بھی کھانا شروع کر دیا تھا۔

سفیدے کی اماں روز صبح حویلی کی دوسری عورتوں کے ساتھ نکلتی اور ڈھونڈ ڈھانڈ کر کام لے کر آتی۔ کبھی ستارے موتی ٹانکنے ہوتے' کبھی اونی سوئیٹروں کے ڈھیر کے ڈھیر اُدھیڑ کر گولے بنانے ہوتے۔ کبھی ہوٹلوں کی منوں سبزی کاٹنی ہوتی۔ اور کبھی پاپڑ تل کر انہیں شاپر میں پیک کرنا ہوتا۔ سارا دن گزر جاتا اور پتہ بھی نہ چلتا۔ اور کیا چاہیے تھا مجھے۔

مہینوں بعد شکیل بھی آ جاتا اور چند ہزار پکڑا جاتا۔ وہ پڑھ بھی رہا تھا اور دو دو نوکریاں بھی کر رہا تھا۔ بڑی باتیں کرنے لگا تھا۔ ایک بار میرے پیر پکڑ کر معافی مانگنے لگا۔ میں نے جھٹ معاف کر دیا۔ اور کیا کرتی۔ جو کر سکتی تھی وہ کر دیا۔

کئی بار شکیل نے سفیدے کو ساتھ لے جانا چاہا کہ ''آؤ کسی کام پر لگا دوں۔'' پر سفیدا کہتا تھا کہ اپنی پک اپ لے گا یا جنرل اسٹور کھولے گا۔ شکیل کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ اسے پک اپ یا اسٹور کے لیے دے دیتا۔ میری ساس نے کہا کہ لڑکی کو جہیز نہیں دیا تو چلو کوئی ماں کا زیور ہی لا کر دے دو۔ ہونہہ...... جیسے ہیرا تھا نا ان کا بیٹا کہ میں ماں کے ''سونے'' میں تولتی۔ گھر سے بھاگتے ہوئے میں اماں کا زیور ضرور لے آتی اگر وہ دادی کے قبضے میں نہ رہا ہوتا۔ وہ زیور دادی کے لمس سے پاک ہوتا تو وہ اب میرے پاس ہوتا۔ دادی سے یاد آیا میری کوئی دُور پار کی دادی ساس آتے جاتے میری کان کاٹتے بہت خوش ہوتی تھی۔

''اری دلہن بات سنیو!''

میں نے ایک دو بار سن لی۔ پھر چپکے سے نکل جاتی۔ بات ہی ایسی ہوتی کہ میرا خون جلا دیتی۔ ایک دن اپنی جیسی بڈھیوں کو جمع کیے بیٹھی تھی۔ میری شکل دیکھتے ہی کہنے لگی۔ کہنے کیا لگی ''چسکے کے سوتے'' لینے لگی۔

''اے بہوا تم تو نہ بچہ دیتی ہو نہ انڈا...... کچھ تو دو......''

بڈھیوں کا مجمع دل کھول کر ہنسا۔ بات کہاں سے نکلی کہاں جا پہنچی کہ بستی والوں کا محبوب چٹکلہ بن گئی۔ خوب داد وصول کی اس ''انڈے بچے'' نے کہ آتوں کو بھی سنائی جاتی اور جاتوں کو بھی۔ سوغات ہو گئی کہ مہمانوں کے آگے بھی پیش کرنی اور مہمان بن کر بھی لے کر جانی۔

ایک دن یہی دادی بیٹھی تھی میلاد میں۔ سب بیٹھے چاول کھا رہے تھے میں نے سفیدے سے کہا

دادی مجھ سے پوچھتی ہیں کہ ''میں نہ انڈا دوں نہ بچہ...... تم ہی انہیں بتا دو......''

سفیدے نے سب کے سامنے گرم چاول میرے منہ پر دے مارے اور رات کو گھونسے۔ مار لو...... جتنا جی چاہے مار لو۔ نہ تم خود رکو گے نہ تمہیں کوئی روکے گا...... باپ سے کھائی تھی نا تو شوہر سے کھانی بھی بنتی تھی۔ بیٹی بن کے پٹی تھی تو بیوی بن کے بھی وہی رہنے والی تھی۔

✡ ...... ✡ ...... ✡
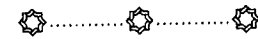
بستی میں تازہ تازہ میرے جیٹھ کی مرگ ہوئی تھی۔ پانچ لڑکیاں چھوڑ کر مرا تھا۔ رات بھر جوا کھیلتا' دیسی شراب پیتا' دن میں پڑا سوتا رہتا۔ یہ وہ انسان تھا جو جہاں جس کا بستر دیکھتا' بلکہ خاص کر عورتوں کو وہیں مستا کر گر جاتا۔ ادھر ادھر

والیاں تو اسے جوتوں کے تلوے سنگھا کر ہوش میں لاتیں۔ پر باز پھر بھی نہیں آتا تھا۔ مستا کر کسی نہ کسی پر جا گرتا۔

جوئے کی ہی کسی لڑائی میں کسی نے پیٹ میں دو گولیاں مار دیں۔ جب لاش آئی تو بھابھی مزے سے سکتے میں چلی گئی۔ بچیاں کہیں اندر باہر کھیلتی رہیں۔ بھابھی کا سکتہ میت کے اٹھنے کے بعد تک قائم رہا۔ میری دادی ساس اور اس کے ساتھ کی بڈھیوں نے یہ رکھ رکھ کر اسے مارا۔ اس کے بال نوچے۔ کہ رو لے مردودنی...... رو...... رو......

پر وہ نہ روئی۔ دکھ ہوتا تو روتی۔ پھر ایسے شوہروں کے مرنے کا دکھ ہوتا کسے ہے۔ جنازہ اٹھا۔ رات ہوئی اس نے چپکے سے سکتہ توڑا۔ ایک پلیٹ چاول کی اٹھائی اور کمرے میں بند ہو گئی۔ صبح میں نے اسے بے سدھ سوئے دیکھا۔ صبح افسوس کرنے والیاں آ آ کر اس کے گلے سے لگیں۔ اور وہ دو چار چیخیں مار کر پھر سکتے میں چلی گئی۔

اتنی ذہین اور مکمل بیوہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ دل چاہا تالیاں بجاؤں۔ لیکن بستی والے تالیاں بجانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''اے توبہ! یہ تو پھر سکتے میں چلی گئی۔ آج تو کوئی رونا پیٹنا کر لیتی۔ اس کا سائیں قبر کی مٹی سے مٹی ہو رہا ہے۔ یہ رو کر نہیں دے رہی۔ کوئی مرے کوئی جیے انہیں بہتیرے۔'' دادی ساس اپنی ہانکنے لگیں۔

مرحوم دو چار بار مستا کر مجھ پر بھی گرے تھے۔ میں نے لیٹرین کا تیزاب لا کر تھوڑا سا چھڑک دیا منہ پر۔ بھاگتا پھرا پھر سرکاری ہسپتال میں۔ دوبارہ مجھ پر مستا کر نہیں گرا۔ کمانا نہ دھمانا اور مستا کر گرتے رہنا۔ بڑے کمینے تھے ویسے۔ عورتوں کی کمائی راس تھی' عزت نہیں۔

بھابھی سر شام ہی کمرے کی کنڈی لگا کر بچوں کو کھانا کھلا کر فارغ کر دیتیں۔ مجھے بھی اندر بلا لیتیں اور ہلکی آواز میں ریڈیو سنتیں۔ یہ سر شام ہی کمرے میں بند ہو جانے والا قصہ بھی بعد میں کھلا۔ بھابھی اپنے منہ سے کچھ نہیں بتاتیں تھیں مجھے۔ بچی سمجھتی تھیں۔

جیٹھ سے چھوٹا' سفیدے سے بڑا ایک بھائی اور تھا ان کا۔ کبڑا تھا اور ایک پیر بھی ٹیڑھا تھا۔ اچھا خاصا پتھر کے زمانے کا انسان لگتا۔ سب اسے مستو کہتے۔ ہاں! لیکن میری ساس اسے مست ملنگ کہتی۔ کئی کئی ہفتے' مہینے غائب رہتا' کبھی کبھار گھر آ جاتا۔ جس دن پہلی بار مجھ سے ملا میں اپنے دھیان سے بیٹھی تھی ایکدم سے میرے گلے میں پڑے دوپٹے پر ہاتھ ڈالا...... افف دوپٹے پر ہی تو نہیں۔

''اے! اسے سر پر لے......''

میں چلاتی ہوئی نیچے بھاگ گئی۔ نیچے والیاں ہنسنے لگیں۔

''ارے اللہ لوک ہے۔ ڈرو مت' مست ہے' نماز روزے اور سر ڈھانپنے کو کہتا ہے۔ درباروں پر رہتا ہے نا'' ساس نے ہنستے ہوئے کہا۔

اچھا اللہ لوک ہے۔ میں تو اس رات نیچے کی سرنگ کے کسی کے گھر میں جگہ بنا کر سو گئی۔ اب یہ مستو جیٹھ کے مرنے کے بعد مستقل ہی گھر میں رہنے لگا تھا۔ دن کو غائب رہتا رات کو یاد سے گھر آ جاتا۔ روز بھابھی کے گھونسے' جوتے کھاتا پر باز نہ آتا۔ ساس کو بتایا' سسر کو سمجھانا چاہا۔ پر بہت سیدھے تھے دونوں سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اور دونوں کا مست آتے

جاتے کمر عمر بچیوں کے الاسٹک والی شلواریں کھینچتا پھرتا۔موقع ملتے ہی ہاتھ دکھا جاتا۔ درفٹ۔ دودھ پلاتی عورتوں کو نظریں گاڑے دیکھتا رہتا۔زیادہ مست ہو جاتا تو بچوں کو اٹھا اٹھا کر ماؤں کی گودوں میں دیتا اور ہاتھ سے اشارے کرتا۔منہ سے بکتا۔وہی سب کہ نہ دیکھنے والا نہ سننے والا۔ایسے واہیات اشارے ..... خیر وہ سب تو پکی ہوئی تھیں لات مار کر پرے پھینکتیں۔ بھابھی بھی یہی کرتی۔ پھر سرِ شام کمرہ بند کرنے لگی۔

''کتا روز رات کو میری جان کھانے آجاتا ہے۔ہندوستان کے سارے بے غیرت' بے شرم اسی حویلی میں مرے پڑے ہیں۔گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے کہ غیرت شرم ان ہی گھاٹوں پر چھوڑ آئے۔'' بھابھی غصے سے باؤلی ہو جاتی۔

یہ درباری مجاور مستو ایک بار رات گئے بھابھی کا دروازہ بجا رہا تھا۔میں اوپر کھڑی تھی۔میری طرف دو بار دیکھا پر باز نہیں آیا۔میں نے بھی چھت پر پڑا ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھا کر تاک کر مار دیا۔ کتے کے پلے کی طرح بلبلانے لگا۔کھانسی زدہ سسر اٹھے۔ہش ہش کرنے لگے۔ساس نے پوچھا کیوں اٹھے۔ بولے بلی ہے۔

''کیوں ہش ہش کرتے ہو۔ چپ رہو بس۔'' ساس نے سمجھداری سے کہا۔

آٹھ دس دن بھابھی کو سکون رہا۔وہ بے چاری سارا سارا دن فیکٹریوں میں کام ڈھونڈ کر لے کر آتی۔ پہلے شوہر اس کے پیسے نکال کر لے جاتا تھا۔دیسی شراب پی کر روئی کا گدا سمجھ کر دھنکتا۔اب مار سے آرام ملا تو یہ مستو آ گیا۔ بھابھی نے لکڑی کے دیمک زدہ دوازے پر لکڑی کے مضبوط تختے لگوائے۔اندر سے دو دو کنڈیاں لگوائیں۔موٹا تالا لگاتیں اور سو جاتیں۔صبح ہوتے ہی نکل جاتی۔ مردانہ وار کام کرتی تھی۔ ویسے چڑیا کی طرح ڈری سہی رہتی تھی۔

''بڑا ڈر لگتا ہے جمیلہ! دل کرتا ہے بے غیرت بن جاوں ادھر ادھر منہ ماروں۔''

مجھے بھی بڑا ڈر لگتا ہے بھابھی۔ پر میرا دل چاہتا ہے ادھر ادھر کے سارے بے غیرتوں کو مار دوں۔''

۞............۞............۞
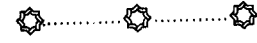
آپا آئی تھی میرے گھر۔وہی پھوپھی والی عادت۔شادی تھی کسی کی لاہور میں۔آپا پھوپھی کے ساتھ آئی تھی۔ پھوپھی ابا اور تایا سے ملنے چلی گئی اور آپا یہاں آ گئی۔حویلی میں گھستے ہی ان کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔اتنی اچھی حویلی انہیں پسند نہیں آ رہی تھی۔البتہ بھابھی سے مل کر آپا بہت خوش ہوئی۔ میں کھانا پکاتی رہی۔ بھابھی کمرے میں آپا سے پتا نہیں کیا کیا باتیں کرتی رہی۔ پھر آپا آئیں اور مجھے گلے سے لگا کر رونے لگی۔ چپکے سے چند ہزار جو خود اس نے جانے کیسے جمع کیے تھے پکڑا دیئے۔

کھانے کے بعد میں برتن دھونے لگی۔اور سفیدا آپا کو اوپر لے گیا کہ آؤ کبوتر دکھاؤں۔ جب سے آپا آئی تھی آپا کے پیچھے پیچھے ہی تھا۔حویلی کے مردوں کی تو عید ہو جاتی جب کوئی ''نئی نکور عورت'' مہمان بن کر آ جاتی۔ایک وہی تو ہش ہش نہیں کرتی تھی۔ بھابھی پیچھے لپکی پر ذرا دیر ہو چکی تھی۔

بھابھی نے آخری سیڑھی سے سر نکالا اور دھاڑی۔اس دھاڑ سے پہلے ہی آپا بری طرح سے ڈر کر سفیدے سے دُور ہو چکی تھیں۔ ہانپی کانپتی بے چاری نیچے آئی۔

کوئی بچی' لڑکی' عورت ان سفیدے اوروں کے ہاتھوں سے بچی تھی جو آپا بچ جاتی۔ آپا فوراً جانے کے لیے تیار

ہو گئی۔معصوم کے ہاتھ کانپ رہے تھے برقع پہنتے ہوئے۔ میں تو خود چاہتی تھی وہ چلی جائے۔ کیوں ملنے آئی تھی وہ مجھ سے؟

سفیدے نے کہا وہ تیرا نانا رنڈی باز اور ایک تو بھگوڑی جو گھر سے نکل آئی۔ تیرے بھائی بھگوڑے پتا نہیں کہاں کہاں منہ کالا کر رہے ہیں اور تو میرے منہ پر کالک تھوپ رہی ہے۔''

یہ اچھا تھا نانا سے میں ملی نہ جلی اور ہر بات میں وہ آ جاتے تھے مجھے ذلیل کرنے۔حویلی کے باقی ڈربوں کے مکین تو قسم کھا کر کہتے تھے کہ نانا جیسا شریف' تہجد گزار' پاک باز اس پورے خاندان میں نہیں تھا۔اسی نے حکومت سے یہ حویلی الاٹ کروائی۔ دو بھائیوں اور بیوہ بہن کو پناہ دی۔ وہ رنڈی ہندنی تھی۔سنتالیس میں کسی مسلمان کے ہاتھوں برباد ہوتی ہواتی کوٹھے جا پہنچی۔ بابا نے اسکی کہانی سنی تو وعدہ کر لیا کہ بارڈر پار کروا دیں گے۔وہ کہنے لگی

''اب کیا منہ لے کر بارڈر پار کروں گی۔عزت کی روٹی دے دو میاں جی۔''

منہ اندھیرے دروازے پر کھڑی کہہ رہی تھی۔نانی نے بڑھ کر استقبال کیا۔ سینے سے لگایا۔ بے چاری حویلی کے ایک کونے میں دبکی اپنی پوجا پاٹ میں لگی رہتی تھی۔ یہی نیکی کی اس نے اور وہ رنڈی باز ہو گیا۔ بات مسجد کے امام اور نمازیوں تک جا پہنچائی۔ کہاں کی تہجد اور کیسی کی شرافت۔ لاکھ صفائیاں دینے پر بھی کوئی نہ مانا تو دلبر داشتہ ہو کر لٹک گئے۔

شاید نانا کے بھائیوں کو یہ ڈر تھا کہ ہندنی کو مسلمان کر کے میاں جی نکاح ہی نہ پڑھوالیں۔ پہلی والی کے لڑکے ہو ہو کر مر جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ دوسری والی کے بھی لڑکے ہو کر مر جائیں۔ اگر لڑکے ہو کر نہ مرے تو انہیں مرنا پڑے گا۔ جب ساری حویلی وارثوں کو دینی پڑے گی۔ یوں اگلے پچھلوں نے حویلی سنبھال لی۔ ادھر ادھر کے دور پار کے رشتے داروں کو حویلی کے حصے تھوڑے تھوڑے کر کے بیچ دیئے۔ ایسے ہی تو حویلی بستی نہیں بن گئی تھی۔

میں یہ بات کر رہی تھی کہ سفیدا الٹا نانا نانی' اماں شکیل' عقیل کے قصے لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ نہ اپنا بڑا بھائی دیکھتا ہے نہ باپ اور نہ وہ پدی سی دو بہنیں۔ یہ بھر بھر کر نیازوں کی پلیٹیں آتی تھیں دونوں کے لیے۔ خدا ہی جانتا تھا کہ صبح و شام وہ کون سے ختم شریف دلائے جاتے اور صرف انہی کے لیے پلیٹیں بھر بھر کر آتیں۔ دوکانوں پر بوتل لینے جاتیں تو بھر بھر شاپر اپنے دوپٹے کی بکل میں چھپا کر لاتیں۔

ایک تازہ واقعہ تو سنایا ہی نہیں۔ دو چھتیں چھوڑ کر سفیدا اور کبوتری (شادی شدہ) پکڑے گئے۔اس کے شوہر نے تو وہ بجایا دونوں کو کہ سب نے اپنی اپنی چھتوں پر چڑھ کر جی بھر کر یہ تماشا دیکھا۔ میرے اور بھابھی کے تو ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے۔

وہ تو مرنے مارنے پر تلا تھا لیکن سسر جی نے سفیدے کو کسی جاننے والے کے یہاں دوسرے شہر چلتا کیا۔ اب سکون ہے...... سفیدے سے ...... جمیلہ کو......

میں بھابھی کے کمرے میں سونے لگی۔ ایک رات گرمی بہت تھی۔ کمرے میں دم گھٹ رہا تھا۔ بھابھی تو عزت کے مارے بے چاری تنور میں پڑی رہتی تھی۔ بچیوں کو بھی باہر نکلنے نہیں دیتی تھی۔ مجھ میں تھوڑی دلیری باقی تھی۔ میں اللہ ماری تیسری منزل پر آ گئی۔ اور چارپائی نکال کر لیٹ گئی۔ لیٹتے ہی سو گئی اور پھر چیخ ماری اور خوف سے میری گھگھی بندھ گئی۔ میں نے مستو کو پرے دھکا دیا۔ میرا گریبان اس کے ہاتھ میں رہا اور پھٹتا چلا گیا۔ دوپٹہ گلے میں پھندہ سا بن

گیا۔ میں جھٹ کبوتروں کے گھڈے میں گھس گئی۔ اور اندر سے کنڈا لگا لیا۔ میرے جاتے کبوتر پھڑ پھڑانے لگے۔ مستو پاگل کتے کی طرح گھڈے کے چکر لگانے لگا۔ گالیاں بکتا رہا' دھمکیاں دینے لگا۔ میں نے سر گھٹنوں میں دے لیا اور اونچی آواز میں رونے لگی۔

مستو پچکارنے لگا' بہلانے لگا' باہر آنے کے لیے منانے لگا۔ جیب سے پیسے نکال کر بھی دکھائے۔ میں زمین پر دبکی بیٹھی تھی۔ جسم میں ایسی کپکپاہٹ تھی جیسے ہڈیاں کھال چھوڑ رہی ہوں۔ مستو پھر گالیاں بکنے لگا۔ میں نے بھی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ جی ہاں...... میں نے اس رشتے اور انسان کو گالیاں دینی شروع کر دیں جس جس کو گالی دینے سے مذہب' معاشرہ منہ بنا لیتا ہے۔ قبر کے عذاب اور دوزخ کے درجے گنواتا ہے۔ میں نے اپنے باپ سے شروع کیں اور خود پر لا کر روکیں...... اور اپنے بال نوچنے شروع کر دیئے۔

میں کیوں پیدا ہوئی......

جمیلہ تو کیوں پیدا ہوئی......

ناخنوں سے اپنا منہ کھرچنا شروع کر دیا۔ دانتوں سے اپنے بازو کاٹے۔ اس سؤر نے مجھے ایسا کرتے دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ رات کے اندھیرے میں جبکہ مردے بھی اپنی قبروں میں سکون سے سو رہے تھے۔ زندہ جمیلہ کونے میں کبوتروں میں دبکی سسکیاں لے رہی تھی۔ مجھے اماں یاد آ رہی تھی۔ پھر فوراً ہی مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ یہ وہی تھی جس کی چپ کا پھل میں کاٹ رہی تھی۔ ہاں یہ وہی تھی جو مجھے اس گھڈے میں بند کر گئی تھی۔ وہی یہ چاہتی تھی کہ مجھے احترام ملے نہ پناہ۔ اور یہ بھی کہ جیسے وہ ہاتھ اٹھا کر تنہائی میں بیٹھی دہائی دیا کرتی تھی میں بھی وہی کروں۔

میں نے دور تک پھیلے اندھیرے کو دیکھ کر دہائی دے دی۔ میں نے بھی دونوں ہاتھ اٹھا لیے اور ساتوں آسمانوں ہلا ڈالنے چاہے۔ میں ماں جی بن گئی۔

میرا پھٹا گریبان' اجڑے بال' کانپتا جسم' اس ذرے کی حیثیت اختیار کر گیا جو موجود ہو کر بھی ''ناسور'' ہی ہوتا ہے۔

چھپ کر بیٹھی ہے تھو ہے تجھ پر...... گونگی رہتی ہے...... لاچار بنتی ہے...... تھو تھو...... ڈرتی ہے...... آخ تھو......

آہستہ آہستہ...... جیسے دبے پاؤں ماں جی بنے مجھے یہ آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جو شاید میرے حصے کی وحی تھی ورنہ یقیناً الہام۔ میں نے ایسی باتیں پہلے سوچیں نہ سنیں۔ میرے جسم کی بوٹی بوٹی کے کان کھڑے ہو گئے۔ ان کانوں نے کان لگا کر کام کی باتیں سنیں۔

''ایمان پا کر تم جیسوں نے کھویا۔ چاہتے ہو خدا اپنی فوج لے کر آئے تمھاری جنگ لڑنے کے لیے۔ پھر تمہیں خلفیہ کیوں بنایا خدا نے۔ بچاؤ اور وار ایک ہی ہتھیار سے ہوتا ہے...... ہتھیار والے جانے بچاؤ کرنا ہے یا وار...... تمہارے اعمال کی پوچھ پڑتال ضرور ہوگی اور تمہارے خوف اور بزدلی پر لعنت بھی ضرور بھیجی جائے گی......''

''آدم...... آدم نہیں رہے گا تو وہ اس صفت سے منکر ہوگا جس صفت پر اسے اللہ نے پیدا کیا۔ جس جس صفت سے پیچھے ہٹے گا اس اس صفت کا منکر ہوگا۔ کتنی دیر ہو گئی۔ کتنے زمانے بیت گئے۔ کتنی بستیاں اجڑ گئیں۔ نسلیں ختم ہو

گئیں۔ ایک انسان کو اس کی صفات پر قائم رکھنے کے لیے۔''

میں ہمہ تن گوش ہو گئی کہ مجھے بتایا جا رہا تھا کہ جنہیں کبوتر سمجھتی ہو' جن میں پناہ لیے بیٹھی ہو وہ جلد ہی گدھ بننے والے ہیں۔ اگر ایسے ہی میں پناہ لیے بیٹھی رہی تو وہ مجھے کمزور جان لیں گے۔ میری آہیں سنیں گے تو ہنسیں گے۔ آنسو دیکھے گے تو مزے لیں گے۔ پھر وہ آگے بڑھیں گے اور نوچ لیں گے......

مستو اب نیچے جا رہا تھا......

میں اٹھ کھڑی ہوئی اور گھڈے میں کبوتروں کے بیٹھنے کے لیے رکھی موٹی لوہے کی سلاخ کو زور لگا کر نکالنا چاہا جو آسانی سے نکلنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ٹھیک ہے آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا......

سلاخ میرے ہاتھ میں آ گئی...... بہت دیر سے آئی......

گریبان کو گرہ لگائی۔ دوپٹے سے سلاخ کو اپنے ہاتھ پر باندھ لیا اور گھڈے کا دروازہ کھول کر جھک کر باہر نکل آئی۔ میرا جسم ابھی بھی کانپ رہا تھا۔ بھلے سے کانپتا رہتا۔ چھت کی طرف کی سیڑھیوں کی اوٹ میں مستو ابھی بھی چھپا بیٹھا تھا۔ مجھے اس کا سر نظر آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں ساری رات گھڈے میں نہیں بیٹھ سکتی۔ ٹھیک جانا اس نے۔ میرے نکلتے ہی مستو چھلانگ لگا کر اوپر آ گیا اور میری طرف لپکا۔ میرا ہاتھ پیچھے کی طرف تھا۔ مستو کے جھپٹتے ہی وہ ہاتھ سامنے آ گیا۔

میں نے نئی نئی اڑان پر نکلی چڑیا کی طرح پورے دل سے ہوا میں غوطہ کھایا۔ دونوں پر پھیلائے اور پورے زور سے سلاخ کو مستو کے سر پر دے مارا۔ مستو آدھ کٹے بکرے کی طرح تڑپا اور پیچھے جا گرا۔ پھر میں نے کمر پر مارا۔ اب مجھ پر جھپٹنے کی بجائے وہ کتے کے پلے کی طرح چوں چوں کرتا نیچے بھاگا۔

✡..........✡..........✡
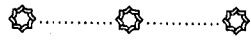
نیچے بڑا کمرہ جس میں سارا کنبہ سوتا تھا۔ جس کے دروازے کو باہر سے کنڈی وہ خود ہی لگا کر اوپر چھت پر آیا تھا میں وہ مرے ہوئے مچھر کی طرح ڈھیر ہوا۔ سب ایسے ہڑبڑا کر اٹھے جیسے کسی نے ان کے تلووں پر تیل چھڑک کر تیلی لگا دی ہو۔ یکدم بھگدڑ مچ گئی۔ گالیاں بکتا مستو اپنی ماں کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پیچھے جا کر اس کی دونوں ٹانگوں پر ضرب لگائی۔ سسر نے پیچھے سے آ کر بالوں سے پکڑ کر مجھے پرے گھسیٹا۔ مستو جس کے منہ سے کتوں کی طرح رال ٹپک رہی تھی بھاگ کر باورچی سے بیلن اٹھا لایا۔

بھابھی ہانپتی کانپتی دو دو کنڈیاں کھول کر اپنے کمرے سے باہر آئیں۔ نند نے جھٹ دروازہ بند کر لیا کہ حویلی میں سے کوئی اور یہ تماشا نہ دیکھ لے۔

''کیا ہوا جمیلہ؟'' بھابھی میری طرف لپکی کہ مستو بھونکا

''اپنے نانے پر گئی ہے...... وہ رنڈی باز تھا یہ خود رنڈی......''

میں نے کمرے میں موجود سب کی طرف دیکھا۔ سسر کی طرف جو مستو کی ہر کرتوت سے واقف تھا۔ ساس جو کئی بار مستو کو چھوٹی بچیوں کے ساتھ چھت پر دیکھ چکی تھی۔ بھابھی کی طرف جو خود کو اور اپنی بچیوں کو بچاتی سر شام کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔

ساس مجھے گھور رہی تھی۔ وہی ساس جو کہتی ہے۔ ''کیوں ہش ہش کرتے ہو۔ چپ رہو بس۔'' اسی ساس نے گالیاں دینی شروع کر دیں اور کھینچ کر میرے منہ پر چانٹا مارا۔ کیونکہ اسے لگا وہاں میں اکیلی ہوں...... ایک...... اکیلی......

ہاں ٹھیک ہے...... مجھے اکیلا ہونا منظور ہے...... پر ماں جی نہیں......

مستو آگے بڑھا اور بیلن میرے پیٹ میں دے مارا۔ بھابھی نے مستو کو پرے کرنا چاہا لیکن انیلا' فرزانہ نے بھابھی کو پرے پھینکا۔ ساس نے میری چوٹی پکڑ کر گھمانی شروع کر دی۔

''گشتی کی اولاد کو عزت راس نہیں' بھاگ آئی باپ کے گھر سے۔ بڑی عزت والی ہے نا جو بھاگ آئی۔ اپنے محلے میں کیا کیا کر کے آئی ہے' کیا ہوگا...... اسی لیے باپ بڈھے سے بیاہنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ ہر وقت چھت پر ٹنگی عاشقوں کو بلاوے دیتی ہے' کتنی بار میں نے ساتھ کی چھت کے لڑکے کے ساتھ پکڑا...... آج مستو نے پکڑ لیا ہوگا۔'' ساس چلانے لگی۔

نجانے کون کون کیا کیا بک رہا تھا۔ میں پیٹ لیے زمین پر دوہری ہو رہی تھی۔ بھابھی کی چوٹی بھی ایک نند کے ہاتھ میں تھی۔ مستو مجھے مارنے میرے قریب آیا۔ میں نے سارے دردوں کو پرے دھکیل کر دور گری سلاخ پر جھپٹا مارا۔ پوری قوت سے اس کے پیروں پر دے ماری۔

سسر نے جوتا اٹھا لیا۔ انیلا' فرزانہ مجھ پر ایک ساتھ بل پڑیں۔ ساس اپنے ناخنوں سے مجھے نوچنے لگی۔ لیکن میں نے سلاخ نہیں چھوڑی۔ سب کو اس کی زد پر رکھ لیا۔

جس وقت ساس نے اپنے دوپٹے کا پھندہ بنا کر میرے گلے میں ڈال کر کسا اس وقت میری آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھانے لگا۔ میں نے ایک ہاتھ سے پھندہ ڈھیلا کرنا چاہا کہ مستو آگے آیا اور میرے منہ پر چانٹے مارنے لگا۔

جب ساس پورا زور لگا کر میرا پھندا کس رہی تھی تب ہی میں نے بھی کس کر ہی مستو کے سر پر سلاخ دے ماری۔

سب اس کی طرف لپکے۔ بھابھی نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ تقریباً سارے ہی بستی والے اندر آ گئے۔ ''نوٹنکی دیکھنے''۔ اور کر ہی کیا سکتے ہیں یہ لوگ۔ تماشا لگا سکتے ہیں یا تماش بین بن سکتے ہیں۔ نہ اوپری درجے پر نہ نچلے پر...... ہونہہ......

میری آنکھیں اندھیرے سے نہیں' 'سکون' سے بند ہو گئیں۔ اچھا ہے...... اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہے......

✡............✡............✡
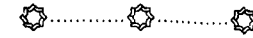
اماں کبھی سرہانے بیٹھی نظر آتی کبھی سر دباتے۔ اماں یوں ہی آئے دن آتی رہی۔ پھر ایک دن عقیل آیا۔ یہ لمبی داڑھی' نورانی چہرہ۔ شہید ہوا لگتا تھا...... گبرو جوان...... پاک باز...... ہمارے باپ کا خون نہیں لگتا تھا......

''کر آئے جہاد......؟''

اس نے سر ہلایا...... اللہ جانے ہاں میں کہ ناں میں۔

''ہو گیا کشمیر آزاد؟''

''اللہ کی راہ بہت اچھی ہے جمیلہ'' وہ مسکرایا بھی۔

میں نے آنکھیں موند لیں...... اللہ کی راہ...... مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ اللہ کی راہ کتنی دلفریب ہے......

''جمیلہ چلے گی میرے ساتھ؟''

اگلی بار آیا تو پوچھا میں نے ہاں میں سر ہلا دیا

''تجھے اپنے پاس رکھوں گا' تیرا منہ اپنے ہاتھوں سے دھویا کروں گا' بالوں میں کنگھی کروں گا' منہ میں نوالے بنا بنا کر ڈالوں گا' لوریاں سناؤں گا...... میٹھی نیند سلایا کروں گا......''

''سناؤ لوری میں سونا چاہتی ہوں......''

اس نے میرا سر سہلانا شروع کر دیا اور حمد پڑھنے لگا۔ مجھے گہری نیند آ گئی۔ اس نے میری گیلی آنکھیں اپنی پوروں سے صاف کیں۔ پھر اندھیرہ چھا گیا۔ آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرہ تھا۔ بڑا صدمہ ہوا۔ آنکھ کھلنے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اس دنیا کا وہی پرانا نظارہ۔ میں نے آنکھیں بند کر لینی چاہیں۔

✡............✡............✡
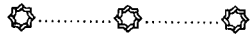
''جمیلہ...... جمیلہ......'' وہ اس کے گال تھپک رہا تھا۔

جمیلہ کو آنکھ کھولنی پڑی۔ عقیل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے جسم میں درد تھا' بہت درد تھا۔ لیکن یہ درد جتنا زیادہ تھا اسے اتنا ہی پیارا تھا۔ اس کا بستر اجنبی تھا۔ اس نے آس پاس نظر دوڑائی۔ کمرے کی دیواروں سے ہوتی ہوئی اس کی نظر کمرے کے باہر تک گئی۔ اس چھوٹے سے کمرے اور باہر کے نظر آنے والے منظر سے اسے یاد آنے لگا کہ بڑے سے کنبے کا یہ چھوٹا سا گھر بھابھی کا میکہ ہے۔

عقیل اس کے گال پیار سے تھپک رہا تھا۔ چند دن ایسے ہی آنکھیں کھلتی بند ہوتی رہیں۔ بھابھی' بچے' عقیل' شکیل گاہے بگاہے نظر آتے رہے۔ دوبارہ اس نے آنکھیں کھولیں تو عقیل گیلے تولیے سے اس کا منہ صاف کر رہا تھا۔ پھر وہ اس کے بال سنوارنے لگا۔ بچیاں اور بھابھی کمرے میں کھڑیں اسے دیکھ رہی تھیں۔ بھابھی تو رو بھی رہی تھی۔

میں گاڑی کا انتظام کر کے بیٹھا ہوں جمیلہ۔ جلدی سے ٹھیک ہو جا کہ سفر کر سکے۔ باقی تو وہاں جا کر ٹھیک ہو جائے گی۔

''کہاں؟''

''میرے گھر...... اماں کے گھر......''

''ہماری اماں؟''

''جہادیوں کی اماں' میں نے اماں کی بات مان لی۔ اماں نے کہا جاؤ میری بچیوں کو لے آؤ۔ آپا کے پاس گیا تھا وہ نہیں مانی۔ کہتی ہے بچوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی اور تو جمیلہ' تو چلے گی میرے ساتھ...... اماں کا چھوٹا سا گھر ہے' روٹی کبھی کبھی ملتی ہے' ہمیں' ٹھنڈ سے ہڈیاں جڑ جاتی ہیں' میری تو پیروں کی دو انگلیاں جھڑ گئی ہیں۔ جمیلہ وہاں کھانے کو روٹی نہیں' جلانے کو لکڑیاں نہیں' کمانے کو روزی نہیں پھر بھی وہاں زندگی ہے۔ اماں چھوٹے سے کھیت میں کام کرتی ہیں۔ سبزیاں اگاتی ہے' ہمیں کھلاتی ہے' چلو گی میرے ساتھ؟''

"میں اپنے بچوں کے بغیر نہیں جاؤں گی۔"

عقیل چپ ہو گیا۔ بہت دیر بعد بولا جب بھابی کمرے سے چلی گئی۔ "اور ان کی ماں؟"

"بھابی سے نکاح کر لو عقیل۔۔۔۔۔۔ انہیں بچا لو۔۔۔۔۔۔"

عقیل کا نورانی چہرہ دھندلا سا گیا۔ تھوڑی دیر لگی پھر وہ دمک اٹھا۔

"ٹھیک ہے جمیلہ۔۔۔۔۔۔ یہ جہاد ہی سہی۔۔۔۔۔۔ تو بس میرے ساتھ چل۔۔۔۔۔۔ وہاں کھلی چراگاہیں اور اونچے پہاڑ ہیں۔۔۔۔۔۔"

"کیا وہاں کے چشموں میں مچھلیاں ملتی ہیں۔۔۔۔۔۔؟"

"میں نے کبھی پکڑی نہ کھائیں۔" عقیل ہنسنے لگا۔

"مجھے چشموں سے مچھلیاں پکڑنے دو گے؟"

"ہاں!"

"اور کشمیری سیب۔۔۔۔۔۔؟"

"سرخ و شریں۔۔۔۔۔۔"

"اور کشمیری بچے؟"

"غیرت مند اور جرأت والے۔۔۔۔۔۔ بڑے پیارے ہیں۔۔۔۔۔۔"

"اور کشمیری بچیاں۔۔۔۔۔۔؟؟"

"وہ پہاڑوں پر جھٹ پٹ چڑھ جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے! میں چلوں گی۔۔۔۔۔۔ ضرور چلوں گی۔۔۔۔۔۔ ہر کشمیری لڑکی کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھنے۔۔۔۔۔۔ سرخ و شریں پھل کھانے۔۔۔۔۔۔"

✡......✡......✡
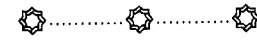
بچیاں اور بھابی گاڑی میں ہی بیٹھے رہ گئے تھے۔ عقیل میرے ساتھ اندر آنا چاہتا تھا لیکن میں نے منع کر دیا۔ جس وقت میں نے بڑا پھاٹک پار کیا اسی وقت جس جس کی مجھ پر نظر پڑی وہ میری طرف لپک کر آیا۔ میں نے بستی کی چند عورتوں اور چھوٹی بچیوں کی نگاہوں کو خود کو سلامی دیتے دیکھا۔ انہیں مجھ پر فخر تھا۔ میں ان کا وہ دبنگ ہیرو تھی جو وہ خود نہیں بن سکی تھیں۔

ادھر اُدھر سے سب کونے کھدروں سے نکل کر میرے ساتھ ہوتی گئیں۔ اوپر کے چھوٹے گھروں سے گزر کر میں نانا کے گھر آ گئی۔ سامنے ہی مستو بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کے سر، ہاتھ، پیر پر پٹیاں بندھی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی چلانے لگا۔

"اماں۔۔۔۔۔۔ اماں۔۔۔۔۔۔ اسے دیکھ۔۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔۔"

اس کی ماں اس کی دل دہلا دینے والی آواز سن کر باورچی سے نکلی۔ اس کے نکلنے سے پہلے ہی میں نے کمرے میں رکھی لوہے کی الماری کا چھوٹا خانہ چابی سے کھول کر اس میں سے اپنی چادر نکالی تھی، جو ابا کے گھر سے نکلتے وقت میں اپنے

ساتھ لیتی آئی تھی۔ یہ اماں کی چادر تھی۔ یہ ان کے پاس ان کی اماں کی نشانی تھی۔

نشانی سے محبت کا یہ سفر تکلیف دہ رہا۔ یہ ایک سہارے کی طرح تھا جو اماں نے ڈھارس کے لیے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ وہ اکثر اس چادر سے لپیٹ کر رو یا کرتی۔ نشانی کے اس سفر کو میں ایک نیا سفر دینے والی تھی۔۔۔۔۔۔ میں نے چادر اوڑھ لی۔۔۔

میری ساس بکتی رہی۔ "نکل جا حرافہ۔۔۔۔۔۔ اب ہم تجھے پناہ دینے کے نہیں۔۔۔۔۔۔ تو نے کیا سمجھا ہے ہر بار تو منہ اٹھا کر آئے گی تو ہم تجھے بانہوں میں بھر لیں گے۔ تیرے گناہ چھپاتے پھیریں گے۔ تیری کالک اپنے منہ پر لیپ لیں گے۔ نکلو تم سب بھی یہاں سے کیا تماشا دیکھ رہے ہو۔۔۔۔۔۔ دفعان ہو۔۔۔۔۔۔ نکل۔۔۔۔۔۔"

میں باورچی میں گئی۔ یہاں ایک ڈبے میں نے کچھ پیسے چھپا کر رکھے تھے جو شکیل دے جایا کرتا تھا مجھے۔ جیسے ہی میں نے وہ نکالے ساس نے جھپٹ لیے۔

"کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیو۔"

بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اس سے زیادہ تیزی سے ساس کے ہاتھ سے واپس جھپٹ لیے۔

"اماں تو پرے ہو جا۔۔۔۔۔۔ بھوکی ننگی کو لے جانے دے جو لینا چاہتی ہے۔"

چادر اوڑھ کر میں اوپر آئی۔ جہاں میرا چھ فٹی کمرہ اور کبوتروں کا گھڈا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس گھڈے میں کون گیا تھا۔۔۔۔۔۔ جمیلہ۔۔۔۔۔۔ اور اس گھڈے سے باہر کون آیا تھا۔۔۔۔۔۔ "میں"۔۔۔۔۔۔

اس رات میں نے خود کو خود پیدا کیا تھا۔ حقیقی خالق کے بعد میں اپنا خالق ہوں۔۔۔۔۔۔

جس وقت میں گھڈے کے پاس پہنچی۔ سفیدا جو آس پاس کی کبوتریوں پر نظر رکھے کھڑا تھا یکدم سے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اسے معلوم تو ہو گیا ہو گا کہ میں آئی ہوں۔ اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا ہو گا کہ میں اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گی۔ باپ کے گھر جانے سے تو رہی میں۔ اب مجھ جیسوں کا ٹھکانہ اور کہاں ہو گا۔۔۔۔۔۔ اسی کا گھر نا۔

"میں بنت جمیلہ" پورے ہوش وحواس میں سلیم عرف سفیدا ولد وزیر احمد کو بقائمی ہوش وحواس طلاق دیتی ہوں۔"

میں نے ہاتھ میں پکڑا قانونی طلاق کا کاغذ بھی اس کے منہ پر دے مارا۔ میرے ساتھ آنے والے سارے مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ اور کسی ایک چھوٹی سی بچی نے تالی بجائی۔

جس وقت میں گاڑی میں بیٹھ رہی تھی اس وقت بستی کے سبھی لوگ باہر کھڑے مجھے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب نہیں جانتے لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ انسان اس زمین کے لیے اہل نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ بستی اور ایسی ہر بستی جلد ہی تباہ ہونے والی ہے۔۔۔۔۔۔ جلد۔۔۔۔۔۔ بہت جلد۔۔۔۔۔۔

✡......✡......✡

ہماری کہانی

''میں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اس سنسنی کو مس کیا تھا جس کا شکار ہر وہ لڑکی ہوتی ہے جو اپنے منگیتر کے بارے میں بات کرتی ہے۔''

سنسنی مثبت معنی میں نہ کہ میری طرح منفی میں کہ جیک کا خیال آتے ہی میرا سر ایسے چکرانے لگتا ہے جیسے بہت ساری چمگادڑیں میرے سر میں گھس کر آپس میں پکڑن پکڑائی کھیل رہی ہوں۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ ایک منگیتر میں آخر ایسا کیا ہوتا ہے کہ اتنے اہتمام سے اس کے بارے میں بات کی جائے جیسے سکول میں کالج میں لڑکیاں کیا کرتی ہیں۔ اس کی لک کی، اس کے کریزما کی، اس کے اسٹائل کی، اس کی مسکراہٹ کی حتیٰ کہ اس کے سنائے جوکس کی بھی۔ جن کی منگنی نہیں ہوئی ہوتی انہیں فکر لاحق رہتی ہے کہ ان کا ''وہ'' کیسے ان کی محبت میں مبتلا ہوگا یا دراصل اسے کیسے ہونا چاہیے۔ اس کے لیے وہ باقاعدہ فلموں کے سین ذہن میں رکھ کر ان میں سے چھانٹی کرنے لگتی ہیں کہ کون سا ''بیسٹ فالنگ ان لو سین'' ہے۔ انہیں یہ سوچیں بھی گھیرے رکھتی ہیں کہ اس ''خاص انسان'' کو انہیں پرپوز کیسے کرنا ہوگا۔ فون پر باتیں کیسے کرنی ہوں گی۔ سالگرہ پر کہاں ڈنر کے لیے لے کر جانا ہوگا اور گفٹ کو کس خاص انداز سے ان کے دربار میں پیش کرنا ہوگا۔

مجھے حیرت ہوتی کہ ایک منگیتر کو لے کر اتنا کچھ کیسے سوچا جا سکتا ہے۔ منگیتر کیا کوئی اور ہی مخلوق ہوتا ہے جو آپ کی زندگی کو غباروں، پھولوں، کینڈل لائٹ ڈنر، اور گفٹس سے بھر دے۔ یا وہ آپ سے ایسی باتیں کرے جو کسی نے کبھی کی نہ ہوں۔ یعنی ایسی کون سی بات ہے جو کسی نے کبھی کی نہ ہو...... میں سوچنے پر مجبور ہو جاتی یا آس پاس کی لڑکیاں مجھے سوچنے پر مجبور کر دیتیں۔ اور پھر اگر کسی دوست سے پوچھ ہی لیتی تو وہ ہنس کر کہہ دیتی۔

''یو آر اے آنٹ'' (تم پاگل ہو)۔''

میری انگلش اچھی ہے لیکن پھر بھی میں نٹ کو اخروٹ کے معنی میں لیتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں مجھ نٹ سے اخروٹ ہی یاد آتا ہے اور ایسے لگتا ہے کہ کہا جا رہا ہے کہ ''تم اخروٹ کی طرح ہو''۔ سخت اور تھوڑی سی نمکین۔ زیادہ کھا لینے پر کچھ کچھ کڑوی بھی۔ ایسی لڑکی جسے زیادہ کھایا جا سکتا ہے نہ روزانہ۔ اور یہ بھی کہ تم اخروٹ کے خول میں بند ہو۔ مجھے گھٹن ہونے لگتی ہے کہ کیا میں اخروٹ کے خول میں بند لڑکی ہوں۔ اتنے چنے منے سے اخروٹ کے خول میں بند۔ افف...... لیکن کیوں؟

؟؟ کیا صرف اس لیے کہ میں ایک نارمل منگیترانہ لائف نہیں گزار رہی۔ میں یہ معلوم نہیں کر پائی کہ منگیتر کیسے ہوا جاتا ہے یا منگیتر کو کیسے رکھا جاتا ہے۔ یعنی منگیتر کا یوز کیا ہے؟ جہاں تک غباروں، پھولوں اور ڈنر کی بات ہے تو میں اب تک ان معاملات میں ''تباہ شدہ نہیں بلکہ آفت زدہ'' ہوں۔ جہاں تک گفٹس دینے اور لینے کی بات ہے تو اس میں دونوں طرف سے دھاندلی کی جاتی ہے اور ہر بار کی جاتی ہے۔ فون کرنے کی بات تو ایسے ہی ہے جیسے چاند پر جا کر ٹاٹا کرنے کی۔ ہم دونوں کے والدین نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ ہم کم سے کم فون پر ہی بات کر لیا کریں لیکن ہم دونوں نے اپنی پوری سی کوشش کی کہ ''بھاڑ میں جائے یہ'' مجھے کوئی ضرورت نہیں اس کے منہ لگنے کی۔ جو سامنے سے اچھا نہیں لگتا وہ فون پر کیا اچھا لگے گا۔

یہ سچ ہے۔ ہم دونوں نے کبھی سیدھے منہ ایک دوسرے سے بات نہیں کی پھر بھی ہم ''منگیتر'' کے عہدے پر فائز ہیں۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے جان چھڑانے کا کوئی ایک بھی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا پھر بھی ہم ''منگنی شدگان'' ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلا تضاد ہے۔ اسی لیے بچپن سے اب تک کے تلخ تجربات سے اٹے منگیترانہ فیز میں میں نے تو یہی جانا ہے کہ ''منگیتر از اے آنٹ۔''

اب جبکہ میں کالج کی اسٹوڈنٹ ہوں اور جلد ہی یونیورسٹی جانے والی ہوں تو میں یہ پلان کرنے لگی ہوں کہ میں اپنے بچوں کی بچپن میں ہرگز منگنی نہیں کروں گی۔ بلکہ چند غیر ملکی فلموں نے تو مجھے اتنا باغی کر دیا ہے کہ میں نے سوچنا شروع کر دیا ہے کہ میں اپنے بچوں سے کہوں گی کہ ''شادی کا دن طے کر لو تو بتا دینا' میں شادی میں شرکت کر لوں گی۔'' یعنی میں اپنی ''نٹ آزادی'' کا بدلہ اپنے بچوں کو ''کھلی چھوٹ'' دے کر لینا چاہتی ہوں۔

میری منگیترانہ تاریخ کافی لمبی ہو گئی ہے نا۔ جبکہ میری تاریخ میں ہے ہی کیا؟ میں پیدا ہوئی' اتفاق سے خوبصورت بھی تھی اور اس سے بڑے بلکہ برے اتفاق سے انہی دنوں میرے کینیڈا والے انکل ہمارے گھر قیام پزید تھے۔ اور ان کا چار سالہ لمبو، یعنی تنبو، اوہو جمبو، افف...... ہاں وہی جیک بھی ان کے ساتھ تھا بلکہ آج تک ان کے ساتھ ہی ہے۔ ہمت ہے ان کی جو اسے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ شاید اسی لیے والدین کا رتبہ اتنا عظیم ہے کہ وہ ایسی ''آفات'' کو بھی جھیل جاتے ہیں۔

ویسے مجھے ابھی بھی یقین نہیں آتا کہ انکل ایسے پینڈو بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر انکل کو ایسا ہی دیسی ٹائپ ہونا تھا تو وہ اتنے ماڈرن ملک کینیڈا گئے ہی کیوں؟ یہ دیسی لوگ ذرا نہیں بدلتے۔ اپنے بیٹے کا نک نیم کسی انگریزی مووی کے ہیرو پر ''جیک'' رکھ دیا اور اس انگریزی فلم کے ہیرو کے لیے پنجاب کی لڑکی ''عروہ'' کا ہاتھ مانگ لیا۔ جبکہ ابھی اس بے چاری کو گلا پھاڑ کر رونے سے فرصت نہیں تھی۔ دُودھ کو پی کر الٹ دیتی تھی اور کوئی نرم غذا اس کے پیٹ میں زیادہ دیر تک ٹھہرتی نہیں تھی۔ ایسی نومولودگی کے ٹریک سے ہٹی ہوئی لڑکی کو وہ اپنی ہونے والی بہو کے ٹریک پر لے آئے۔ دفع کرتے پھر کینیڈا کو۔ یہاں پنجاب میں ''دیہاتوں'' کی کمی تھی کیا۔ یہیں رہتے اور کرتے بچپن کی منگنیاں بلکہ نکاح بھی کر دیتے۔

ویسے دس سال کی عمر میں میرے ذہن میں یہ پلان پرورش پانے لگا تھا کہ اگر اس جیک سے میرا نکاح کرنے کی کوشش کی گئی تو میں پولیس بلا لوں گی۔ مجھے بہت شوق تھا کہ اخباروں میں میری خبر آتی کہ ''دس سالہ بچی کا نکاح'' مولوی

اور ساس سسر کو دلہے سمیت حوالات میں بند کر دیا گیا۔'' میں سرخ گھونگھٹ میں ایک عرصہ اپنی تصویر اخبار میں دیکھتی رہی۔ میں نے پولیس کا نمبر بھی یاد کر لیا تھا لیکن انکل آئے ہی نہیں کینیڈا سے اپنی کینڈی...... اوہو جیکی...... میرا مطلب ''مسٹر جیک'' کو نکاح کے لیے لے کر۔ حسرت ہی رہی اسے جیل میں دیکھنے کی......

آواز کے بعد میری اس سے پہلی ملاقات ویڈیو کے ذریعے ہوئی تھی۔ جب میں نے اسے چلتے پھرتے کودتے پھاندتے دیکھا۔ پاپا کینیڈا گئے تھے اور کینڈی کی والی بال کھیلتے ہوئے کی ویڈیو بھی بنا کر لائے تھے۔ کیا چھوٹی سی نیکر پہنی ہوئی تھی اس نے۔

''اتنے چھوٹے کپڑے پہنتے ہیں یہ لوگ۔'' میں جتنا بنا سکتی تھی اتنا منہ بنا کر کہا۔

''وہ لڑکا ہے لڑکی نہیں...... والی بال پلیئرز کا یہی ڈریس ہوتا ہے'' پاپا بھی جتنا بنا سکتے تھے اتنا ہی منہ بنا کر کہا۔

میں وہیں چپ ہوگئی۔ میں نے تو بس ایک ذرا سی کوشش کی تھی انہیں اُس کینڈی سے متنفر کرنے کی لیکن وہ مجھ سے ہی متنفر ہو رہے تھے۔ بہت لاڈلا تھا وہ پاپا کا' ممی کا بھی کم لاڈلا نہیں تھا۔

اگلی بار پاپا گئے تو اس کی فل ٹریک سوٹ میں سوئمنگ کرتے ہوئے ویڈیو بنا کر لائے۔

''اب ٹھیک ہے۔؟'' پاپا نے مجھ سے پوچھا۔ جواب میں اس بار میں نے منہ بنا بھی لیا اور سوچا بھی لیا۔

پاپا نے میری ویڈیو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن میں مانی ہی نہیں۔ جسے ملنا ہے وہ گھر آ جائے۔ آئے دن میں سنتی رہتی تھی کہ فلاں ملک گھومنے گئے۔ فلاں ملک فلاں میچ دیکھنے گئے۔ ایک ہمارے ہی ملک نہیں آ رہے تھے وہ۔ ویسے پاپا نے ایک بار انہیں لائیو کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے بلایا تھا۔ وہ کینڈی آ بھی رہا تھا لیکن پھر اس کا کوئی اسکول کا میچ آ گیا اور وہ ہمارے یہاں کا میچ دیکھنے آ نہیں سکا۔

''کہاں ہمارا' پاکستان ٹو انڈیا ہوم گراؤنڈ میچ اور کہاں اس کا اسکول کا والی بال میچ' اتنی انسلٹ۔'' میں نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔ پاپا کو بھی غصہ آیا۔

''جو لوگ باہر چلے جاتے ہیں ان میں محب وطنی ختم ہو جاتی ہے۔'' میں نے ان کے غصے کو اور ہوا دینی چاہی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم......'' پاپا نے میری تائید کی اور فون اٹھا کر انکل کو محب وطنی یاد دلائی۔ انکل کو محب وطنی یاد آ بھی آ گئی۔ اور وہ آنٹی کے ساتھ ''دل دل پاکستان'' گاتے پاکستان آ گئے۔ میچ دیکھا' شہر گھوما' شاپنگ کی اور چلے گئے۔

آنٹی مجھے تصویریں دے گئی تھیں اس ٹیڈی بیئر کی۔ شرم کے مارے میں نے کچھ کو تو فوراً جلا ہی دیا۔ یہ کیا طریقہ ہے ریچھ کی کھال پہن کر پوز بنانا۔ اور خرگوش بنی لڑکیوں کے پیچھے بھاگنا۔ ویسے پتا نہیں ایسی خرگوشنیاں کس جنگل میں پائی جاتی ہیں جو ایسے چھوٹی چھوٹی فراکیں پہنتی ہیں۔ میری خالہ کی چار سال کی بیٹی بھی ان سے بڑی فراکیں پہنتی ہوگی جو اس کی خرگوشنیوں نے پہنی ہوئی تھیں۔

ننھی منی فراکیوں سے سجی خرگوشنیوں کو میں سکول کے لیے گئی۔ میرا مطلب ان کی ایک تصویر کو۔ اور پھر تقریباً پورے دو ہفتوں تک ہم سب مل کر توبہ توبہ کرتے رہے تھے۔ میری کلاس میں وہ تصویر خوب گھومی بلکہ گھوم گھوم کر مشہور ہو گئی۔ اب جو لڑکیوں نے ان خرگوشنیوں کی فراکوں پر جہنم کے دروازے کھولے کہ میں بھی دو ہفتے خوف سے سو نہیں

پائی۔ بعد میں ہم دوستوں نے مل کر مارکل کالرز سے ان بے چاریوں کو پورے کپڑے پہنائے۔ انہیں لباس یافتہ کیا۔

اگلی بار جو تصویریں آئیں وہ پہلے سے زیادہ شرمناک تھیں۔ کوئی میچ تھا اس کا۔ جیک کافی شوخا ہو رہا تھا اپنے دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ۔ وہ سب ایک دوسرے کو کھینچ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ چلا رہے تھے' اچھل رہے تھے' بڑے بڑے منہ کھول کر ہنس رہے تھے۔ بلکہ ہنستے ہنستے مر رہے تھے۔ ایک تو عین اس کے سینے پر گرتے ہوئے مر رہی تھی۔

ممی کو دکھایا تو ہنسنے لگیں۔ ''بیٹا! یہ دیکھو وہ گر گیا ہے۔ میچز میں ایسا ہی ہوتا ہے، وہ میچ جیت گیا ہے تو......''

''تو جیتنے والے پر لڑکیاں پھدکتی ہیں......؟''

ممی ہنسیں۔ ''وہ پھدک نہیں رہیں عروہ...... وہ گرنے سے بچنے کے لیے......''

''گرنے سے بچنے کے لیے وہ پھر سے اسی پر گر رہی ہیں......''

''یہ تصویریں مجھے دو' تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو' بھول جاؤ جیک کو۔''

''یعنی منگنی ٹوٹ گئی'' مجھے وہ یاد ہی کب تھا جو اسے بھولتی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟''

''آپ نے ہی کہا بھول جاؤ جیک کو......''

''بھول جاؤ مطلب اس کے بارے میں نہ سوچا کرو۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے' جہنمی لوگوں کے بارے میں سوچنے کی۔''

''بات کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔'' ممی نے خاصی طاقت صرف کی مجھے گھورنے میں۔

''کیا آپ نے میری منگنی کرنے سے پہلے سوچا تھا......'' یکدم میرے منہ سے نکلا

''منگنی کرتے ہوئے تو سوچا تھا لیکن تمہیں تھپڑ لگاتے ہوئے نہیں سوچوں گی...... سمجھی؟''

نہیں سمجھی...... میں نہیں سمجھی کہ وہ منحوس میرا منگیتر کیسے بن گیا۔ مجھے یہ تو ٹھیک سے یاد نہیں کہ مجھے کب معلوم ہوا تھا کہ وہ میرا منگیتر ہے۔ ہاں لیکن مجھے یہ یاد ہے کہ یہ منگیتر مجھے کب زہر لگنا شروع ہوا تھا۔ تب جب اس نے فون پر میری پوئمز سننی شروع کی تھیں۔ اسی وقت سے میں نے اسے سخت ناپسند کرنا شروع کر دیا تھا۔ میری اتنی سریلی آواز اس کے کانوں میں درد کر دیتی تھی۔ میرا لہک لہک کر گانا اسے مجھ سے حسد کرنے پر مجبور کر دیتا ہوگا۔ خود اس کی ایسی پھٹی ہوئی آواز تھی جیسے خچر کو ٹی بی ہو گیا ہو اور وہ کھوں' کھاں' کھیاں' کھیاں' کھانس رہا ہو۔

ممی کچھ بھی کہتی رہیں لیکن ایک بات تو صاف ہے کہ ''وہ میرا منگیتر نہیں ہے...... بس......''

❁..........❁..........❁

کچھ بھی ہے لیکن انسان چاہ کر بھی اپنا بچپن تفصیل کے ساتھ یاد نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر اسے یہ یاد نہیں آ سکتا کہ فلاں وقت پر اس کے ساتھ فلاں زیادتی کیوں کی گئی تھی۔ یا فلاں آفت اسی پر کیوں نازل کی گئی تھی۔ مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ جس چھوٹی سی لڑکی کے مسلسل رونے سے تنگ آ کر میں نے کھینچ کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا تھا۔ بدلے میں وہ

پوری کی پوری ہی میرے منہ آ لگے گی۔

کانوں میں آ بجے گی...... آنکھوں میں آ چبھے گی...... اعصاب پر کانٹے کی طرح گڑے گی......

اور...... سر پر تلوار کی طرح لٹکے گی......

ہونہہ...... پہلے پتا ہوتا تو شاید میں اس کا گلا دبا دیتا۔ ویسے بھی ایک چار سال کے بچے کو دنیا کی کوئی عدالت سزا نہیں دے سکتی تھی۔ اگر وہ اس وقت مر مار جاتی تو آج میں اس کی قبر پر خوشی خوشی پھولوں کے دستے چڑھاتا۔ اس کے نام کی چیرٹی کرتا۔ اس کی تصویر کو فریم کرواتا' اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتا اور کبھی کبھی اس کی تصویر کو اٹھا کر کہہ دیتا......

''آئی مس یو...... مردہ عروہ''

اپنا سارا بچپن میں اس کی تصویریں دیکھتا رہا۔ کیونکہ مجھے مجبور کیا جاتا تھا کہ میں اسے دیکھوں۔ اس کی تصویروں کو اپنے کمرے کی وال پر لگاؤں اور آتے جاتے ''ہاؤ کیوٹ شی از نا'' کا نعرہ لگاتا رہوں۔ مجھ سے اتنی بار زبردستی اسے کیوٹ کہلوایا گیا کہ غصے میں آ کر میں نے ''ڈکشنری'' میں کیوٹ کے ورڈ کو 'فضول' ورڈ سے بدل دیا۔ اب میں اسے شوق سے ''کیوٹ'' کہتا ہوں۔

کبھی کبھی ماما میری اس سے فون پر بات کروانے کی بھی کوشش کرتیں۔ وہ مجھ سے کہتیں۔

''سنو! عروہ کتنی کیوٹ پوئم سنا رہی ہے۔''

''پوئم......؟ ریئلی مام......؟'' میرا منہ خود بخود بگڑ جاتا۔ کیونکہ پوئم تو مجھے کبھی سنائی نہیں دی البتہ پھس پھس کی آوازیں بہت آتی تھیں۔ ماما تو مسلسل ہنس رہی ہوتیں اور میرے ناک کے نتھنے مجھ سے پوچھے بغیر پھڑکنے لگتے۔ کان شائیں شائیں کے جھکڑوں میں خود کو گھیر لیتے۔ اور خود میں...... پورے کا پورا...... ''میں''...... میں اس کی پھس پھس سننے پر مجبور ہو جاتا۔ اسی پھس پھس کی وجہ سے میرا ناک چمپزی کی ناک کی طرح پھول گیا تھا۔ میرے سکول میٹس نے مجھے چمپزی کی نسل سمیت ہر اس جانور سے ملانا شروع کر دیا تھا جس کے ناک کے نتھنے ''میرے ناک کے نتھوں'' سے مشابہ تھے۔

اور وہ تھی کہ باز ہی نہیں آ رہی تھی۔ آئے دن اس نے کسی نہ کسی 'ہاتھی' گھوڑے' چڑیا' کوے' طوطے پر ہاتھ صاف کیا ہوتا تھا۔ اور پھر وہ جسم میں دوڑتے خون کو نچوڑنے آ جاتی۔ اپنی ''پوئم'' لے کر۔ ایسی آواز میں گانے جیسے کئی چمگادڑیں اپنی کسی سہیلی چمگادڑ کو پپی برتھ ڈے وش کر رہی ہوں......

''ماما کیا یہ پورے جنگل کی پوئمز مجھے سنائے گی......؟''

''سنائے گی تو سن لینا۔ اتنی پیاری بچی ہے۔'' ماما لاڈ سے کہتیں۔

''اتنی ہی پیاری بچی ہے تو پھس پھس کیوں کرتی ہے......؟''

''شٹ اپ! کتنے بدذوق ہو تم......''

''شٹ اپ ٹو می۔ بہت بدذوق ہوں میں۔ پلیز مجھے دوبارہ فون مت پکڑائیے گا۔''

میں نے ماما سے کہا جو ظاہر ہے ماما نے نہیں سنا اور اگلی بار پھر سے مجھے فون پکڑا دیا۔ اس بار وہ ٹرین پر پوئم سنا رہی تھی۔ اس سے اگلی پوئم یقیناً ٹرین کے مسافروں پر آنے والی تھی۔ اس سے اگلی ٹرین اسٹیشن پر اور اس سے اگلی ٹرین

ڈرئیوار پر اور پھر اور پھر ررررر...... یہ ٹرین تو کبھی رکنے والی تھی ہی نہیں...... ہائے میرے اللہ میں کہاں جاؤں......

''آنٹی کیسی لگی آپ کو میری پوئم؟'' شاید وہ سمجھی کہ ماما سن رہی ہیں۔ کتنی بھولی تھی نادہ طوطی۔

''بہت بری' انتہائی بکواس۔ تمھارے منہ کی بدبو یہاں کینیڈا تک آ رہی ہے۔ کون سا پیسٹ یوز کرتی ہو تم؟''

''پتا نہیں! امی برش پر لگا کر دیتی ہیں۔'' اس کی رندھی ہوئی آواز آئی۔ اب کیوٹ لگ رہی تھی وہ۔

''برش پر کیا شو پالش لگاتی ہو...... ڈفر......''

''نہیں! ٹوتھ پالش......''

اس دن میری معلومات میں اضافہ ہوا کہ ٹوتھ پیسٹ کو ٹوتھ پالش بھی کہا جا سکتا ہے۔ آخر یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں سوجھی۔ اس سے سوسائٹی میں تھوڑا چیلنج بھی آ جاتا اور ڈکشنری کو ایک نیا لفظ بھی مل جاتا۔

''جب تم پالش لگاتی ہو تو کیا دانتوں کو ٹاول سے ڈرائے کرتی ہو؟''

''نہیں! امی تو کہتی ہیں دانت خود بخود ڈرائے ہو جاتے ہیں۔''

''خود بخود ڈرائے نہیں ہوتے۔ اچھا تمہاری ماما کے پاس ہیر ڈرائیر ہے......؟؟''

''ہاں! ہے...... پلگ لگاؤ' بٹن آن کرو' ڈرائے کرو۔'' وہ اتنے فخریہ انداز میں بولی جیسے جیٹ طیارے کو آن کرنے اور فضا میں بس ایسے ہی چہل قدمی کے لیے لے جانے کے بارے میں بتا رہی ہو...... ہونہہ...... ایسی ہی بمبار لڑاکا فیارہ (میں اسے طیارہ کہنے کا گناہ نہیں کرنا چاہتا) تھی جیسے وہ......

''ابھی جاؤ دانت پالش کرو اور پلگ لگاؤ اور بٹن آن کر دو۔ پورا منہ کھول کر ٹھیک سے ڈرائے کرنا۔ پھر پوئم سنانا مجھے۔''

پتا نہیں اس دن اس کے دانت ٹھیک سے ڈرائے ہوئے یا نہیں لیکن پھر دوبارہ ماما نے مجھے فون پکڑا کر یہ نہیں کہا کہ سنو سنو کتنی کیوٹ لگ رہی ہے۔ مجھے لڑکیاں صرف ایک ہی بار کیوٹ لگتی ہے ''جب وہ حلق پھاڑ کر روتی ہیں۔'' اور کیوں روتی ہیں کیونکہ ہم لڑکے گھونسے مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیتے ہیں۔

ہم دو دوستوں نے مل کر ایسے کئی گھونسے ان ''پاپا از ڈولز'' کو اس وقت تک مارے جب تک مجھے ایک ہفتے کے لیے کمرے میں بند نہیں کر دیا گیا۔ میرے مام ڈیڈ کو میرا یہ مشغلہ پسند نہیں آیا تھا۔ مجھے اعتراض تھا کہ مجھے ان کی پسند ناپسند کی پرواہ نہیں۔ لیکن ایشو صرف ایک تھا میں ابھی تک انہی کے گھر سے کھاتا تھا۔ اور اتفاق سے میرا کمرہ بھی انہی کے گھر میں تھا۔ اور بدقسمتی سے میرے سارے کپڑے اور جوتے ڈیڈ کے پیسوں سے آتے تھے۔ اگر یہ بدقسمتیاں ہم بچوں کے نصیب میں نہ لکھی ہوں تو ہم ان ''پاپا از ڈولز'' کا صفایا کر کے دنیا کو جنت بنا دیں۔ جو ہاتھی کے کانوں جیسی پونیاں بنا کر' منہ پھلا کر' ہونٹ لٹکا کر ''پرنسز'' بنی پھرتی ہیں۔

فون پر پوئم کے ساتھ ساتھ اس کی تصویریں بھی گاہے بگاہے گھر آتی رہتی تھیں۔ کیسی عجیب بچی تھی۔ جیسے روبوٹ۔ کبھی درخت کے پاس کھڑی ہے۔ کبھی کرسی پر بیٹھی ہے۔ کبھی گڑیا ہاتھ میں لیے اپنے بیڈ پر نیم دراز ہے۔ زیادہ ہوا تو سائیکل چلا رہی ہے۔

''ماما ازشی آلیو......؟''

''تو تمہیں یہ مردہ لگتی ہے......؟''

''اس کی ہر تصویر کسی مجسمے کی طرح ہے۔ پوری پچاس تصویریں اس درخت کے پاس دیکھ چکا ہوں۔ آخر کیا خاص بات ہے اس درخت میں۔ کہاں پایا جاتا ہے یہ درخت؟ کیا ٹورسٹ دیکھنے آتے ہیں اس درخت کو؟ یا یہ اس درخت کی بیٹی ہے۔ ''ٹری کڈ'' ہے یہ؟''

''تم بھی تو درختوں پر بندروں کی طرح چڑھ کر تصویر بنواتے ہو، کیا تم ''Monkey kid'' ہو؟''

''آپ پاپا کو بندر کہہ رہی ہیں......تو آپ خود کیا ہوئیں......ایسے ہی معلومات میں اضافے کے لیے پوچھ رہا ہوں......''

ماما نے سر پر زور سے کشن دے مارا۔ ''ہوا معلومات میں اضافہ؟''

''معلومات میں تو نہیں البتہ درد میں کافی ہوا......آہ......ہائے......''

''وہ لڑکی ہے۔ تمہاری طرح اچھل کود کر تصویر نہیں بنا سکتی......''

''سانس لے کر تو بنوا سکتی ہے نا......؟''

''یہ دیکھو کتنی کیوٹ لگ رہی ہے۔''

''اوہ......آہ......'' میں کتنی دیر تک ماما کو دیکھتا رہا کہ کیا میری ماما کے دماغ کے ساتھ وہی مسئلہ شروع ہو چکا ہے جو لیڈی گاگا کے ساتھ تب ہوا تھا جب وہ گوشت کے پارچوں سے بنے لباس کو فخریہ پہننے لگی تھی......ہائے میری ماں......میری گاگا......

ماما نے پھر سے کشن اٹھا لیا تھا......

''ماما ٹھیک سے دیکھیں آپ نے کسے کیوٹ کہا ہے......''

''اسے اور کسے......'' ماما نے ہاتھ میں پکڑی تصویر کو میرے سامنے لہرایا۔ اس تصویر میں وہ سرخ دوپٹہ اوڑھے اپنی ماما کی بڑی سی جیولری پہنے ٹانگ پر ٹانگ رکھے دلہن بنی بیٹھی تھی۔ سرخ لپ اسٹک سے اس نے اپنے ہونٹوں کے سائز کو کانوں تک شفٹ کر لیا تھا اور آنکھوں کو قلوپطرہ کی طرح کھینچ کر لمبا کر لیا تھا۔

''ماما یہ کیوٹ نہیں بھوت ہے۔'' ٹھیک ہے کہ میرا کمرہ ماما پاپا کے گھر میں ہے لیکن میں اتنا بڑا سچ چھپا نہیں سکا۔

ماما نے ایک زوردار پنچ میری کمر پر شفٹ کیا۔ یہ پنچ میں نے ہی انہیں سکھایا تھا کہ اگر ان کا سامنا کسی چور اچکے سے ہو جائے تو انہیں کیا کرنا چاہیے۔ مجھے نہیں معلوم تھا ماما نے میری دی ٹریننگ اتنی سنجیدگی سے سیکھی ہے۔ اور اس کے بروقت استعمال سے بھی واقف ہیں۔

میں خاموش ہو گیا اور کیا کرتا میرا کوئی پرسنل بینک اکاونٹ ہوتا تو میں اگلا سچ بھی بول دیتا کہ اس تصویر کو ڈیزنی کمپنی بھیج دیں تاکہ وہ کسی وچ کے لیے اسے پورٹریٹ کر لیں۔ اس طرح ہمیں تھوڑے پیسے بھی مل جاتے اور ہم سرخرو بھی ہو جاتے کہ ''یہ وچ ہماری وچ ہے۔''

اس کیوٹ وچ کی تصویر کو میں اسکول لے گیا اور رائن کو دکھائی۔

''یہ لو! دیکھو دنیا کے قدیم قبیلوں میں سے ایک قبیلے کے باشندے کا تصویری نمونہ۔ نادر نہیں بھی ہے تو ''خوفناک'' ضرور ہے۔''

''کہاں سے ملی تمہیں یہ......؟ رائن اس کا کسی مصری ماہر کی طرح معائنہ کرنے لگا۔ جیسے وہ تصویر نہ ہو فرعون کی ممی ہو۔

''پاپا کو ٹریول کا بہت شوق ہے نا۔ افریقہ گئے تھے تو لے لی ہو گی کہیں سے۔'' میں ہرگز ہرگز کسی کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری کہیں سے کچھ لگتی بھی ہے۔

''تمہارے پاپا کو دیکھ بھال کر ٹریول کرنا چاہیے۔ ایسے علاقوں سے نہیں گزرنا چاہیے جہاں ایسے لوگ رہتے ہوں۔'' اس نے آنکھ مار کر کہا۔

رائن کی بات میں مجھے پوائنٹ نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے پاپا کو بیٹھا کر سنجیدگی سے سمجھانا چاہیے کہ انہیں ایسے علاقوں کا سفر نہیں کرنا چاہیے جہاں ''وہ'' رہتی ہے۔ لیکن مجھ سے پہلے ماما پاپا نے مجھے اپنے پاس بیٹھا لیا۔ یہ ایک خطرناک علامت تھی۔ وہ دو موقعوں پر مجھے خاص ایسے اپنے پاس بیٹھاتے تھے۔ جب سکول سے میری کوئی شکایت آئی ہوتی یا انہیں معلوم ہو جاتا کہ میں ان کی کار میں اپنے دوستوں کو ٹھنسا کر اسے دوڑا تا رہا ہوں۔ ساتھ ہی مجھے رائن یاد آیا جو مجھے بتا چکا تھا کہ کچھ دن پہلے اس کے والدین نے بھی اسے ایسے ہی اپنے پاس بیٹھا لیا تھا۔ اور انہوں نے تفصیل سے اس سے پوچھا تھا کہ وہ ڈرگ میں دلچسپی تو نہیں لے رہا۔ پھر وہ باتوں باتوں میں اس سے پوچھنے لگے کہ اسے انسانی خون کو پینے کی پیاس تو محسوس نہیں ہوتی۔ اس کے مام ڈیڈ تو ویمپائر سیریز کے دیوانے تھے اس لیے وہ یہ پوچھ سکتے تھے۔ لیکن میرے والدین تو اینمل پلانٹ کے شوقین تھے تو کیا میرا سوال سیکشن جانوروں سے متعلق ہو گا۔ سنڈیوں اور نیولوں سے متعلق؟ کیا واقعی؟

''جیک! ہمیں تمہیں ایک بہت ضروری بات بتانی ہے۔'' پاپا نے بات کچھ ایسے شروع کی۔

''مجھ میں رینگنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ نہ ہی میں برفانی طوفان میں بھوسے میں چھپ کر چوہا کھانا چاہتا ہوں۔ میں نے بروقت وہ پوئمز سننی بند کر دیں تھی ورنہ ناک کے ساتھ ساتھ پورا چمپزی بن جاتا۔ آئی ایم نارمل پاپا۔''

''تم اپنے دوستوں کی سنائی کہانیوں سے باہر آ جاو تھوڑی دیر کے لیے۔'' پاپا کا وزنی پنچ جیٹ میری کمر پر لینڈ ہوا۔ میں نے کراہ کر ماما کو دیکھا کہ انہوں نے پاپا کو بھی سکھا دیا۔ بس یہی نقصان ہوتا ہے گھر والوں کو ٹریننگ دینے کا۔ یہ فری ٹیوشن مجھے فوری بند کرنی ہو گی۔

''ریلیکس'' ماما نے پاپا سے کہا

میں نے کمر سے فارغ ہو کر گردن گھما کر دونوں کو باری باری دیکھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے......یہ آخر ہو کیا رہا ہے......

''تمہارے چچا کی بیٹی عروہ......'' کہتے ہوئے پاپا نے اپنا کان کھجانا شروع کر دیا۔ لاسٹ ٹائم یہ کان ان کے

باس کے مرنے پر کھجایا گیا تھا......اوہ...... ہرے......آہ......آہا......ہائے...... ہاہاہا......

''اوہ! شی واس کیوٹ۔'' مرنے والوں کو کیوٹ کہہ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا ہوگا۔ یقیناً۔ میں نے خوشی سے الٹی چھلانگ لگانے سے خود کو ایسے روکا کہ صوفے میں اپنے پنجے سختی سے گاڑ دیے۔ اب مجھے سمجھ میں آیا ماما پاپا اتنے سنجیدہ کیوں ہیں۔ وہ ہاتھی گھوڑے کی پوئم سنانے والے گزر گئی ہے......اس کی زندگی کی ٹرین......ٹرررررر......بس گئی وہ......ٹاٹا بائے عروہ......

''واس......؟'' پاپا ایکدم سے اچھلے۔

''آپ مجھے یہی نہیں بتانے والے کہ وہ مرچکی ہے......؟''

ماما نے فوراً اپنا ہاتھ پاپا کے ہاتھ پر رکھا اور پرسکون رہو پرسکون رہو کے انداز میں ہاتھ تھپکنا شروع کر دیا۔

''تمہیں یہی کیوں لگا کہ وہ مرگئی ہے۔''

حد ہے پاپا پرسکون ہوئے ہی نہیں تھے۔ ممی نے آج تک کوئی کام جو وقت پر کیا ہو۔ مجھے نظر آ رہا تھا کہ اب پہلے سے زیادہ ہیوی ''پنچ جیٹ'' میری کمر' گردن' گالوں کے رن وے پر لینڈ کرنے ہی والا ہے۔ پر کیوں؟ میں نے ایسا کیا کہہ دیا آخر؟ میں نے تو بس ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی اندوہناک خوشخبری......میرا مطلب ''خبر'' کو پاپا کے بتانے سے پہلے اخذ کر لیا......بس......

پاپا کے ہاتھ صوفے میں سختی سے پیوست ہو گئے۔ لیکن کیوں......دکھ کے ضبط سے......ہاں شاید......لیکن مجھے یہ کیوں لگا کہ وہ میرے گلے کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ لیکن اسے دبانے کے لیے سہلانے کے لیے......یہ میں طے نہیں کر پا رہا تھا۔

آپ مجھے میرے روم سے اٹھا کر لائے ہیں۔ اینمل پلانٹ اس وقت ٹی وی پر بند ہے جسے میں نے اپنی اب تک کی لائف میں کم ہی بند دیکھا ہے۔ کیونکہ شاید آپ کا یہ ماننا ہے کہ ''جانور'' انسانوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور آپ سکرین سے ان کی ساری ذہانت نچوڑ لینا چاہتے ہیں۔ ویسے کافی حد تک آپ کامیاب رہے ہیں اسی لیے آپ کا باس اور ماما آپ کو......اوہ......لیو اٹ......اور مام نے کھانا بھی جلدی بنا لیا ہے جو کہ وہ اس وقت تک نہیں بناتیں جب تک ہمسایوں تک کو یہ یقین نہ ہونے لگے کہ ''آج ضرور کوئی ایک ہاسپٹل جائے گا اور ایک پولیس......'' اوہ......اسے بھی لیو کرتے ہیں......اور ہاں آپ دونوں میرے دائیں بائیں بیٹھے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں کہ ماما نے اپنی دوستوں سے اور آپ نے اپنے کولیگز سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ''کاش اسکول سارا سال کھلے رہیں اور اگر ان گدھوں کو چھٹی دینی ضروری ہی ہو جائے تو اس دن ہمیں اسکول بلا لیا کریں۔'' پاپا آپ اپنا کان ابھی تو کھجا رہے ہیں۔ شاید آپ کو یہ لگتا ہے کہ وہ میرے بچپن کی دوست ہے اس لیے مجھے اتنے اہتمام سے بتا رہے ہیں۔ لیکن میں کلیئر کر دوں کہ ایسا نہیں ہے اس کی آواز اچھی ہو سکتی تھی اگر وہ زیادہ تر چپ رہا کرتی۔ اس کی تصویریں بھی اچھی ہو سکتی تھیں جن میں وہ کیوٹ لگ سکتی تھی لیکن......اینی وے......

پاپا نے ہاتھ بڑھا کر ریموٹ لیا اور اینمل پلانٹ آن کر لیا۔ ''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔'' وہ

پوری قوت سے چلائے۔

''اوہ! لیکن آخر ایسا کیا ہوا ہے......کیا کر دیا میں نے......؟''

''تم جاؤ اپنے کمرے میں۔''

ماما نے مجھے میرے کمرے میں بھیج دیا۔ ان دونوں نے مجھ سے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ کون سی بات؟ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا پھر اس بات کو ''دفع'' کر کے میں پنچنگ بیگ پر پنچ مارنے لگا۔

لیکن کچھ ہی عرصے بعد مجھے یہ پنچ اپنے منہ پر مارنے پڑے۔ اس بار ماما پاپا میرے کمرے میں آئے تھے۔ دونوں ایک ساتھ۔ ماما مسکرا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔ ظاہر ہے وہ میری ماں ہے اس لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ایسے تب مسکراتی ہیں جب انہوں نے پاپا سے کوئی بھاری رقم نکلوانی ہو۔ لیکن میرے پاس ایسا کیا ہے جسے نکلوانے کے لیے وہ ایسے مسکرا رہی ہیں۔ اور پاپا وہ پھر سے بار بار اپنا کان کھجا رہے ہیں۔ اب آخری بار یہ کان تب کھجایا گیا تھا جب برف کا طوفان آیا تھا اور اتفاق سے ہم تینوں روڈ پر کار میں بند طوفان کے گزر جانے کا انتظار کر رہے تھے۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' پاپا نے پوچھا۔

میں حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کوئی سیاسی سیلبرٹی ہوں اور کسی ''آفت شدگان'' کے ہاسپٹل بیڈ پر جا کر پوچھ رہے ہوں۔ ''اور کیا ہو رہا ہے؟ کیسے ہو؟ ارے! ایک ٹانگ کٹ گئی؟ اوہ! دوسری بھی کٹنے والی ہے۔ اینی وے گیٹ ویل سون۔''

''میں کہہ چکا ہوں میں ڈرگز نہیں لیتا۔ مجھے میری کار لے دیں میں آپ کی کار یوز نہیں کروں گا۔''

''ریلیکس۔'' ماما نے کہا۔ کسے کہا یہ معلوم کرنا تھا۔ میرے دماغ کے اندر چھوٹا سا الارم بجا۔

''تمہارے چچا کی بیٹی عروہ سے ہم تمہارے منگنی کر چکے ہیں۔'' پاپا نے فوراً کہا ایک سانس میں کہا۔ جیسے ایک بالٹی پانی غٹاغٹ پی گئے۔

معلوم ہو گیا۔ وہ ریلکس مجھے کہا گیا تھا۔

''منگنی......؟؟؟'' میں نے بیگ کو اتنی زور سے پنچ مارا کہ وہ پاپا کے کھجلی زدہ کان کو چھو کر واپس آیا۔

''جب تم چار سال کے تھے تب سے......''

''کیا میں نے اس منگنی کی تقریب میں شرکت کی تھی......؟؟''

''ہاں! ظاہر ہے......''

''واو! گڈ یہ کوئی رسم ہے وہاں؟''

''وہاں؟ پاکستان میں......ہاں رسم ہی سمجھ لو......''

''آئی لائیک اٹ۔ جب میں شادی کروں گا تو آپ عروہ کو بھی بلائیے گا۔ میں اپنی دلہن کو دکھانا چاہوں گا کہ میری منگنی کی رسم اس کے ساتھ ہوئی تھی۔''

''جس سے منگنی ہوتی ہے اسی سے شادی ہوتی ہے۔'' پاپا نے انگلیوں کو مکے کی شکل میں ڈھالا

''لیکن منگنی تو چار سال کی عمر میں ہوئی تھی۔اب میں چار سال کا نہیں ہوں اب شادی کیسے ہوسکتی ہے؟''

''جب تم چوبیس سال کے ہو جاو گے یا اٹھائیس کے یا بتیس کے......''

''مجھے تین شادیاں کرنی ہوں گی...... چوبیس' اٹھائیس' بتیس......''

''بند کرو یہ مذاق......''

''بند کیا یہ مذاق......گڈ نائٹ......''

''سنو جیک!''

''سنیں ڈیڈ آف جیک...... یہ مذاق میں نے تو شروع نہیں کیا......''

''عروہ تمہاری منگیتر ہے۔تمہاری شادی اسی سے ہوگی......بس بات ختم......''

''اوکے! بات ختم......''

وہ دونوں کمرے سے چلے گئے۔اسی لیے سال میں دو بار اس کی تصویروں کا البم آتا تھا۔اور اسی لیے وہ سارے جنگل کی پوئم مجھے سناتی تھی۔''جنگل کوئین۔'' ماما مجھے اس کی ہر چھوٹی بڑی بات بتایا کرتی تھیں۔اسی لیے انکل آ کر میری ویڈیو بنا کر لے جاتے تھے اور اسی لیے پاپا مجھے ہر بار اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔اینی وے پاپا خود ہی بات ختم کر چکے ہیں۔اب کسے پرواہ ہے۔

''شی از ناٹ مائی فیانسی۔''

۞......۞......۞
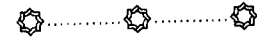
وہ پہلی بار پاکستان آیا تھا۔اس کا آنا اچانک ہوا تھا۔دو دن پہلے ممی کو معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے تعلیمی ٹور پر جن ملکوں پر نکلے ہیں ان میں سے ایک پاکستان بھی ہے۔اس کے ساتھ کچھ دوست بھی ساتھ تھے۔ممی کافی پرجوش تھیں اس کی آمد کا سن کر۔مجھے کافی لمبی چوڑی ہدایات دی گئی تھیں جنہیں میں نے سنا تو تھا لیکن یاد نہیں رکھا تھا۔

اس دن میری فرینڈ رائنہ میرے ساتھ تھی۔اسے شام تک میرے ساتھ رہنا تھا۔ہمیں ٹیسٹ کے لیے مل کر سٹڈی کرنی تھی۔پاپا اسے لینے ایئرپورٹ گئے تھے۔ویسے وہ چار لوگ تھے۔چار لڑکے۔لیکن وہ ایک کار میں پورے نہیں آ رہے تھے۔ان میں سے ایک اتنا موٹا تھا کہ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بمشکل ایڈجسٹ ہوا تھا۔اس لیے ان میں سے دو کو آگے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا پڑا تھا۔

''یہ ہے تمہارا کزن......؟'' جیسے جیسے وہ کار سے نکلتے جا رہے تھے رائنہ پوچھتی جا رہی تھی۔

''پتا نہیں!''

مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کون سا والا وہی ہے۔میں نے اس کزن کے اپنے منگیتر ہونے کی بات ابھی تک کسی کو نہیں بتائی تھی۔بھلا یہ کوئی بات تھی بتانے والی۔

''مجھے یہ کچھ کچھ پاکستانی لگ رہا ہے۔'' رائنہ نے کار میں سے نکلنے والے آخری لڑکے کو دیکھ کر کہا۔جو موٹے کے ساتھ پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور کافی پچکا ہوا لگ رہا تھا۔رائنہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔کیوں ہنسنے لگی کیونکہ اس کچھ کچھ

پاکستانی کے بال پوری پوری پاکستانی لڑکیوں کی طرح کافی لمبے تھے۔گھنے تھے۔سیاہ تھے۔اور ہیر بینڈ میں قید پیچھے پونی کی صورت جھول رہے تھے۔وہ ماماز بوائے لگ رہا تھا نا پاپاز ڈوڈ......وہ گرلی فیوز میرا مطلب ''گرلی کنفیوزڈ'' لگ رہا تھا۔

میں اس کی تصویریں دیکھتی رہی تھی پھر بھی مجھے کچھ وقت لگا اسے پہچاننے میں۔ہاں یہ وہی تھی......یعنی تھا......جیک......

''ایسے لڑکوں کی بہنوں کے بہت مزے ہوتے ہیں۔ان کے ڈریسنگ ٹیبل سے ان کی بہنیں بھی استفادہ کر سکتی ہیں۔'' رائنہ کھی کھی کرنے لگی۔

''تم بھی تو اس کی بہن ہی لگی نا۔ایسا کرو اسے رہنے کے لیے اپنا کمرہ دے دو۔کیا یاد کرے گا بے چارا۔کیسا پونی ٹیلز اور ہیر بینڈ سے بھرا ہوا ڈریسنگ ٹیبل ملا تھا میزبانوں کے گھر۔ہوسکتا ہے یہ میک اپ بھی کرتا ہو۔تم اپنا میک اپ بھی سجا کر رکھ دینا۔''

اپنی شرمندگی کو چھپاتے ہوئے مجھے نیچے جانا پڑا اس سے ملنے کے لیے۔

''ہائے عروہ! ایم سرپرائزڈ......تم تو کیوٹ نکلی......'' اس نے رائنہ کی طرف مسکرا کر کہا۔

''میں رائنہ ہوں!'' رائنہ ہنسنے لگی جس نے اس کے ہاتھوں میں چوڑیاں بھی دریافت کر لی تھیں۔

''میں عروہ ہوں۔'' میرا منہ بن گیا اور اس کا بھی۔بنا رہے میری بلا سے۔

''یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔'' اگلے دن وہ میرے کمرے میں آیا اور ایک ڈبہ میرے آگے کیا۔

''شکریہ!''۔میں نے ڈبے کو لاپروائی سے ٹیبل پر اچھال دیا۔

''اسے کھولو' دیکھو اور مجھے بتاو تمہیں کیسا لگا۔''

اس نے ایسی آواز میں کہا جو میں سننے کی عادی نہیں تھی۔خچر کہیں کا۔وہ ابھی ابھی شاور لے کر نکلا تھا اور اس کے لمبے گھنے بالوں کی لٹوں سے پانی ٹپ ٹپ ٹپک رہا تھا۔

''تمہیں ڈرائیر چاہیے؟'' میں نے اس کے گیلے بالوں پر طنز کیا۔

''میرے پاس ڈرائیر ہے......میں زیادہ یوز نہیں کرتا بال خراب ہو جاتے ہیں۔''

اس کے بال ہی لڑکیوں جیسے نہیں تھے اس کی معلومات بھی لڑکیوں جیسی ہی تھی۔

''اوہ! تمہیں تو کافی کچھ معلوم ہے۔دیکھو ذرا تم نے تو اپنی شرٹ کے ساتھ کا میچنگ ہیر بینڈ لگایا ہے۔اچھا ہوتا اگر تم بالوں کے دو پورشن کر کے ان پر پن بھی لگا لیتے۔فیشن میں اِن ہے۔''

وہ چلتا ہوا میرے ڈریسنگ ٹیبل تک گیا۔میرا ہیر برش پکڑ کر بالوں کو درمیان میں سے دو پورشن کیا۔میری گلابی بٹر فلائی پنیں جن کے پر ہمہ وقت ''اڑان'' بھرتے لگتے تھے کو اٹھا کر دونوں طرف سامنے لگا لیا۔

''اب ٹھیک ہے......؟''

وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔میرا دل چاہا کہ وارڈروب کھول کر اسے اپنا دوپٹہ بھی دے دوں۔بلکہ دے کیا دوں اس کے سر پر اوڑھا دوں۔پھر پاپا کے پاس لے کر جاؤں اور کہوں ''یہ لیں یہ آ گئی آپ کی بہو۔اس کا گھونگھٹ اُٹھائیں اور دیں

اسے سلامی۔''

''کھولو اسے.....'' بٹر فلائز اس کے گیلے بالوں میں کھڑی کھڑی اڑ رہی تھیں۔

میں نے اسے کھولا۔ وہ ایک تصویروں کا البم تھا۔ بلیک اینڈ وائٹ تصویریں تھیں۔ تصویریں سب ہی اچھی تھیں لیکن ان میں کچھ عجیب تھا۔ کیا عجیب تھا مجھے غور کرنے پر بھی نظر نہیں آیا۔

''یہ ایک نایاب البم کی کاپی ہے جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ تم بھی مجھے اپنی نایاب تصویریں بھیجتی تھی نا۔ تمہاری تصویروں کے مقابلے میں تو یہ تصویریں کچھ بھی نہیں ہیں لیکن پھر بھی تھوڑا بہت مقابلہ کر ہی رہی ہیں تمہاری تصویروں کے ساتھ۔''

وہ میری تعریف کر رہا تھا۔ یہ اچھی بات تھی لیکن پھر بھی بات کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

ایک کے بعد ایک تصویر دیکھنے کے بعد میرے احساسات عجیب ہوتے گئے۔ ایک بوڑھے کی تابوت میں لیٹے ہوئے کی تصویر نے تو میرے ہاتھ کپکپا دیئے۔ بوڑھا خوفناک حد تک موت کے قریب لگ رہا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''ہاؤ ڈ فریو آر...... یہ مردہ لوگوں کا زندہ لوگوں کے ساتھ فوٹو سیشن ہے۔''

البم میرے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ میرے لیے ایک ایسا البم لایا تھا۔ اس نے میری تصویروں کو 'مردہ' سے تشبیہ دی تھی۔

اس نے جھک کر البم اٹھایا تو اس کے لمبے بال فرش کو چھونے لگے۔ ''تم ایسی نایاب چیز کے لائق ہی نہیں ہو۔''

''ایسا کیا نایاب ہے اس میں؟''

''جس لڑکی نے اپنا سارا بچپن ایک درخت کے نیچے گزار دیا ہو وہ یہ کبھی نہیں جان سکتی کہ کیا نایاب ہے اس میں۔''

''درخت کے نیچے بچپن گزارنا کم سے کم چھوٹے کپڑے پہننے والوں کے ساتھ گزارنے سے بہتر ہے۔''

''کس نے پہنے چھوٹے کپڑے؟''

اگر وہ ذہن میں سوچ رہا تھا تو بلند آواز سے سوچ رہا تھا۔ اور اگر وہ بول رہا تھا تو اپنا پول آپ کھول رہا تھا۔

''تمہاری فرینڈز نے...... وہ خرگوشنیاں......''

وہ چونکا کہ میں نے اس کا ذہن کیسے پڑھ لیا۔ جبکہ اپنے ذہن کو وہ خود ہی بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔

''ریلیکس جیک!'' اس نے خود کے لیے خود کے کانوں میں سرگوشی کی جو کے سن لی گئی۔

''ہونہہ! جیک...... جیکی کہو خود کو...... آنٹی کو تمہارا نام ہیرو پر نہیں ہیروئن پر رکھنا چاہیے تھا......''

وہ بغور میری شکل دیکھنے لگا...... دیکھتا رہا...... دیکھتا رہا...... بغور دیکھتے دیکھتے وہ اپنے چہرے کو میرے چہرے کی طرف جھکا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی انگلی اٹھائی اور میرے ناک تک لایا۔ اسے ناک کے قریب رکھ دیا۔ پھر یکدم اس ایک انگلی کے ساتھ اس کی باقی چاروں انگلیاں بھی آملیں۔ اور وہ پانچوں انگلیاں متحد ہو کر میرے ناک پر پڑیں اور میں وہیں فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

''یہ میری اس کے ساتھ آخری ملاقات ہے...... بس میں نے کہہ دیا ہے۔''

✡............✡............✡
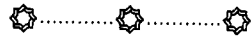
''کیا عمر ہے تمہاری؟''

''عمر......؟''

''ہاں! عمر؟ ایج؟ کتنے سال کی ہو تم؟''

''تم کیوں پوچھ رہے ہو......؟'' اس کی بھنویں آسمان سے باتیں کرنے لگیں

''کیونکہ تمہیں دیکھ کر یہ تو لگتا ہے کہ تم بچی نہیں ہو لیکن یہ یقین نہیں ہوتا کہ بڑی بھی ہو رہی ہو۔''

''تمہیں بھی دیکھ کر یہ تو لگتا ہے کہ تم بڑے ہو رہے ہو لیکن یہ یقین نہیں ہوتا کہ بڑے ہو رہے ہو یا بڑی ہو رہی ہو۔''

بے اختیار میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ اوہ! یہ کیا...... میں تو اپنا کان کھجا رہا تھا...... کیا مصیبت ہے یہ موروثی بیماریاں بھی نا۔

''کانوں میں بالی، ہاتھوں میں کنگن، ماتھے جھومر کب پہنو گے؟'' اس نے سر کو ترچھا کر کے پوچھا۔

''اُفف...... مجھے اپنا کان کاٹ ڈالنا چاہیے...... نہیں اس کی زبان......''

یہ میری اس سے پہلی ملاقات، پہلی بات چیت تھی۔ وہ ایک اچھی لڑکی ہو سکتی تھی اگر اس کی زبان اتنی نہ چلتی۔ میں بھی اس سے اچھی طرح پیش آ سکتا تھا اگر وہ مجھے ''جیکی یا کینڈی'' نہ کہتی۔ ویسے میں نے کوئی کوشش نہیں کی کہ وہ مجھے اچھی لگے۔ میں نے یہ کوشش بھی نہیں کی کہ میں اسے اچھا لگوں۔ مجھے تو وہ بوجھ لگتی تھی جسے اس کے پیدا ہوتے ہی میرے سر پر لاد دیا گیا۔ بچپن کی منگنی کم سے کم میرے لیے تو کسی ٹیبو سے کم نہیں ہے۔

خیر...... تو جب میری انگلیاں اتحادی بن کر عین اس کی ناک پر حملہ آور ہوئیں تو وہ فوراً سے پہلے فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ اچھی اداکارہ تھی وہ۔ لیکن غلط جگہ پر اپنی پرفارمنس دے رہی تھی۔ کیونکہ نہ اس کا کمرہ اسٹیج تھا اور نہ میں تماشائی جو اس کے لیے تالیاں بجاتا۔ حتیٰ کہ اس کے گھر والوں نے بھی اس کے ناک آؤٹ ہونے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ چونکہ بچے تو آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں اس لیے میرا پنچ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں بنا۔ ویسے مجھے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ صرف ایک پنچ کھا کر دو دن بستر پر ڈھیر رہی۔ وہ اتنی بیمار تھی اتنی بیمار تھی کہ بستر سے ہل نہیں سکتی تھی۔ اچھا ہوتا اگر وہ ایک دن بیمار رہتی اور دوسرے دن فوت ہو جاتی۔ لیکن اس کا فوت ہونے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ شاید اسے تبدیلی پسند نہیں تھی...... اسے ڈھیٹ ہونا پسند تھا...... بیمار تو ہو جانا لیکن مرنا مرانا نہیں...... میں نے سوچا کہ مجھے اسے غیرت دلانی چاہیے۔ اسے یاد دلانا چاہیے کہ مرنے کے کتنے فائدے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ کہ صبح صبح اٹھ کر سکول نہیں جانا پڑتا۔

مجھے اس کے روم میں جانا پڑا۔ البم میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس کی ہم عمر ایک لڑکی کی تصویر اسے دکھائی جو مر چکی تھی اور اپنی زندہ سہیلیوں کے ساتھ ایسے کھڑی تھی جیسے وہ خود بھی زندہ ہو۔

''تم اپنی فرینڈز کو بلا کر ایسی ہی ایک تصویر لے لو۔ اس سے پہلے کہ تم مر جاؤ اور ہمیں یہ کرنا پڑے۔ زندہ

ہوتے ہوئے تو تم نے کوئی یادگار تصویر لی نہیں۔کم سے کم بستر مرگ پر تمہاری ایک تصویر تو یادگار ہونی چاہیے۔اور دیکھو جلدی سے فٹافٹ مر جاو۔ٹرسٹ ی مرنے کے بڑے فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ کہ انسان جتنا چاہے سوسکتا ہے۔کوئی اٹھائے گا نہیں......دوسرا یہ کہ......''

''ممی......''وہ زور سے چلائی۔

''چلاو مت......ورنہ تمہاری شکل اس قابل بھی نہیں رہے گی کہ مرنے کے بعد ہی تمہاری تصویر لی جاسکے۔''

''ممی ی ی ی......''وہ پھر زور سے چلائی

مجبورا مجھے اس کے منہ پر تکیہ رکھنا پڑا۔میں نے تو مذاق میں تکیہ رکھا تھا میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اتفاق سے مر جاتی تو الگ بات تھی بلکہ اس سے اچھی اور کیا بات ہوسکتی تھی۔لیکن اس نے مذاق کیے بغیر میرے بال پکڑ لیے۔دونوں مٹھیوں میں۔ مجھے واپس جا کر اسٹیج پلے میں حصہ لینا تھا۔اور اس کے لیے لمبے بال چاہیے تھے نوچے ہوئے ٹوٹے پھوٹے بال نہیں۔

''ریلکیس......''

میں بڑبڑایا اور اس سے پہلے کہ میں انگلی کو اس کی ناک تک لے جاتا۔اور باقی انگلیوں کو متحد کرتا' میرا دوست مجھے ڈھونڈتا ہوا کمرے میں آ گیا۔اور ریسلنگ کا ایسا شاندار مظاہرہ دیکھ کر جہاں کھڑا تھا وہیں جامد ہو گیا۔

''ڈبلیو ڈبلیو جیک......واو......''رائن جوش سے چلایا۔

رائن کے جوش نے اُس میں اور جوش بھر دیا۔اس نے میرے بالوں کو ایک اور زوردار جھٹکا دیا۔اور آسمان سے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر میری آنکھوں کے آگے آ کر کودنے پھاندنے لگے۔میں نے چیخ ماری۔رائن نے کمرے کی طرف دوڑ لگائی۔واپسی میں وہ اپنے ساتھ کیمرہ لیتا آیا اور ''ڈبلیو ڈبلیو جیک'' کی فلم بندی کرنے لگا۔

''بند کرو کیمرہ رائن......''جیسے ہی میں چلایا عروہ نے اور شدت سے میرے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

''تم مووی بناو رائن......''

وہ بھی چلائی اور اس کی میرے بال کھینچنے کے انداز میں اور شدت آ گئی۔جیسے ماما اکثر پاپا کی کسی بہت ہی گندی شرٹ کو غصے میں ہاتھ سے مل مل کر دھوتی ہیں۔ایسے ہی وہ میرے سر کو بالوں سے پکڑ کر ''مل مل'' کر ''رگڑ رگڑ'' کر دھو رہی تھی۔دھوتی ہی جا رہی تھی۔آخر کون سی ایسی میل تھی جو وہ میرے بالوں سے نکال رہی تھی......میل کا تو پتا نہیں نکلی یا نہیں لیکن جان ضرور نکلتی جا رہی تھی کہ مجھے......

''آنٹی......آنٹی ی ی ی......ی ی ی......''چلانا پڑا۔

تکیہ اس کے منہ پر رہا اور میرے بال اس کے ہاتھ میں۔ بعد میں تکیہ فرش پر پڑا رہا اور اس کے ہاتھوں سے میرے سر کے جنگل کی کٹائی ہو کر میرے بال اس کے ہاتھوں میں۔تو میرا اندازہ صحیح تھا۔اس کا تعلق کسی وحشی قبیلے سے تھا......

''یہ کیا کیا تم نے عروہ۔''آنٹی نے میرے بالوں کو جڑوں سمیت عروہ کی مٹھیوں سے برآمد کیا۔

میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھتا چلا گیا اور ایسے کراہنے لگا جیسے مشین گن کے سارے راونڈ میرے سر پر خالی کر دیئے گئے ہوں۔

''اوہ جیک......ادھر آو بیٹا......معاف کر دو عروہ کو......یہ ایسے ہی پاگل ہو جاتی ہے غصے میں......''

''اس نے تکیہ میرے منہ پر رکھ دیا تھا' یہ مجھے مار رہا تھا۔''مجھے دیکھ کر عروہ بھی کراہنے لگی بلکہ باقاعدہ رونے لگی۔

''مری تو نہیں نا تم......''آنٹی اس کی طرف دیکھ کر دھاڑیں۔جواب میں وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

آنٹی بدستور میرا سر سہلاتی رہیں۔''تم نے اسے مار ہی کیوں نہیں دیا بیٹا۔''

پتا نہیں آنٹی آفر کر رہی تھیں کہ افسوس۔لیکن مجھے افسوس ہوا۔اچھا بھلا اسے قتل کرنے کا موقعہ ملا تھا۔میں نے گنوا دیا۔اب نجانے کب ایسا نایاب لمحہ ملے گا کہ اس کا گلہ ہوگا اور اس گلے پر میرا ''پنجا''۔

وہ مقتول ہوئی تھی یا نہیں لیکن میں ضرور ذلیل ہونے والا تھا ''ڈبلیو ڈبلیو جیک'' مووی کے ہاتھوں۔ مجھے اس کیمرے کی فکر تھی جو رائن نے جلدی سے بھاگ کر سوٹ کیس میں لاکڈ کر دیا تھا۔

سوٹ کیس کا وہ لاک کینیڈا جا کر کھلا۔نارتھ کیرولینا کے اگلے ٹرپ کی شرط پر جو مجھے افورڈ کرنا تھا۔اور ہاں مجھے یہ افورڈ کرنا ہی تھا۔ورنہ پھر مجھے دوستوں کے ہاتھوں ہونے والی ''ذلالت'' کو تاعمر افورڈ کرتے رہنا تھا۔

یہ میری اس کے ساتھ آخری ملاقات تھی......یہ میرا خیال تھا۔

۞......۞......۞
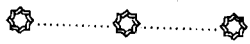
اگر ٹی وی پر اداکاری کرنے کا موقعہ سب کو مل جایا کرے تو دنیا بھر کے اماں ابا اس موقعے سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ایسی جان توڑ اداکاری کرتے ہیں کہ اولاد جیوری بنی انہیں ایوارڈ دیتے دیتے تھک جاتی ہے

مجھے پاپا کو ابھی ایک ایوارڈ دینا پڑا۔کیوں......؟ کیونکہ ان کی کار کا ایکسڈنٹ ہو گیا۔کار ساری کی ساری تباہ ہو گئی تھی۔ یہاں تک تو سب حقیقت ہے۔ایوارڈ تب آیا جب پاپا نے اس کار کی تصویر تو بھیج دی کینیڈا کہ میرا ایکسڈنٹ ہو گیا کار تباہ ہو گئی ہے لیکن اپنی سلامتی کی نہیں بھیجی کہ میں زندہ سلامت ٹھیک ٹھاک ہوں۔پھر فون پر انکل سے ایسے بات کی کہ میں عین سامنے صوفے پر بیٹھی ان فریکچرز کو ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگی جو ان کے جسم پر تو تھے لیکن کسی انسانی آنکھ کو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ان کی وہ ٹانگیں فریکچر ہو گئیں ہیں جنہیں ہلا ہلا کر وہ صوفے پر بیٹھے انکل سے باتیں کر رہے تھے۔ گردن میں کالر فکسڈ تھا جس کی وجہ سے وہ حسب عادت میوزک بیٹ پر ہلکا پھلکا ڈانس ہی کر پا رہے تھے......بس......

''میں تو بہت خوفزدہ ہو گیا ہوں بھائی جان......شاید اب کبھی کار کا سفر نہ کر سکوں۔دل بہت سہا ہوا ہے۔''

سہمے ہوئے دل کے مالک پاپا ابھی ابھی ممی کو لانگ ڈرائیو پر چلنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

''چلتے چلتے لڑکھڑا کر گر جاتا ہوں۔ ہاں شاید اعصابی کمزوری ہو گئی ہے۔ دماغ میں بھی کوئی مسئلہ ہوسکتا ہے۔جی......نہیں آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔دماغ کے ٹیسٹ کا کہا ہے ڈاکٹر نے۔نہیں نہیں میں ٹھیک ہوں۔دل کے ٹیسٹ بھی کروانے ہیں۔ارے نہیں بھائی جان ایسے کیوں گھبرا رہے ہیں آپ......اچھا......کب......''

''یہ لیں پاپا......''میں نے سکول میں جیتی اپنی ٹرافی لا کر پاپا کو دی۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ مسکرانے لگے۔ اس لیے نہیں کہ ٹرافی ملی اس لیے کہ انکل آرہے تھے۔
''آپ نے اتنی اچھی اداکاری کی ایوارڈ تو بنتا ہے۔''
ممی میری پشت پر آئیں اور میرے بال کھینچے۔ اگر ہماری اس دنیا میں ایسی ممیاں نہ ہوا کریں تو ایشائی لڑکیوں کے بال بھی اتنے لمبے نہ ہوا کریں۔ کچھ چیزیں صرف روایت سے ہی ملتی ہیں۔ نہ تیل سے نہ شیمپو سے صرف ''بال کھینچے کی روایت سے۔''

''بھائی ہیں ان کے' بلا سکتے ہیں بہانے سے۔ بہن بھائیوں میں یہی لاڈ پیار، مذاق کا رشتہ تو ہوتا ہے۔''
''مجھے کیا پتا بہن بھائیوں میں کیسا رشتہ ہوتا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی تو یا سوتا رہتا ہے یا کرکٹ کھیلتا رہتا ہے۔ اسے تو اکثر یاد کروانا پڑتا ہے۔ ''میں تمہاری بہن ہوں' میرا نام عروہ ہے' یاد آیا کچھ؟''
''تم میری بہن ہو...... تمہارا نام عروہ ہے...... دفع کرو ایسی یادداشت کو۔''
یہ میرے بھائی کا حال ہے۔ ویسے پاپا کی ایسی جاندار اداکاری کا یہ نتیجہ نکلا کہ انکل اور آنٹی اور مس جیکی ایک ہفتے کے اندر اندر ہمارے گھر موجود تھے۔

اس بار پھر سے مجھے مس جیکی کو پہچانے میں وقت لگا۔ اب وہ گنجا ہو چکا تھا۔ عام گنجا نہیں ہوا تھا وہ۔ جیسے کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں تو زمین ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کے سر کی زمین تھی۔ مجھے خیال آیا کہ پچھلی بار میں نے جو اس کے بالوں کو جڑوں سمیت اکھاڑا تھا کہیں یہ ہل اس وجہ سے تو اس نے اپنے کھیت میں نہیں چلاوایا؟ اگر ایسا ہے بھی تو کسے پرواہ ہے۔ میرا ناک بھی ہر سال سردیوں میں سرخ ہو کر سوجھ جاتا ہے اور مجھے سانس لینے میں مسئلہ درپیش رہتا ہے۔
اس بار میرا ارادہ دو قدم آگے رہنے کا تھا۔ پہلے جب وہ آیا تھا تو میری تصویروں پر کافی گھٹیا باتیں بنا کر گیا تھا۔ اس لیے میں نے ہفتے کے اندر اندر اپنی تصویریں فریم کروا کر کمرے میں' پاپا کے روم میں اور لاونج میں لگا دی تھیں۔ جن میں میں ہائکنگ، رائٹنگ، سوئمنگ کر رہی تھی۔ کچھ دوستوں کے ساتھ پکنک کی تصویریں بھی تھیں۔ درخت کے پاس کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ کچھ بکس بھی تھیں جو میں نے جلدی سے لا کر اپنے روم میں سجا دی تھیں۔ ایک بک کو کھول کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ گیمز کی سی ڈیز کو نمایاں جگہ ڈس پلے کر دیا تھا۔
پہلے اس نے سرسری نظروں سے لاونج میں لگی میری تصویروں کو دیکھا۔ پھر وہ چونک گیا تھا۔ ہونہہ...... جیلس ہو گیا ہو گا۔ پھر وہ باقی تصویروں کو ذرا اور قریب جا کر دیکھنے لگا۔ پھر وہ میرے کمرے میں آ گیا اور وال پر لگی تصویریں کا معائنہ کرنے لگا۔ کچھ زیادہ ہی غور سے معائنہ کر رہا تھا۔ پھر وہ اتنے غور سے دیکھنے لگا کہ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔
''تصویریں بہت اچھی...... اچھ...... کون ہے یہ۔'' پتا نہیں وہ تصویر میں کس چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھ رہا تھا۔

''کون......؟ یہ رائنہ ہے میری دوست...... سوئمنگ چمپین۔''
''اچھا! لیکن میں تو اس فوٹو شاپ والے کا پوچھ رہا ہوں۔ بہت ماہر ہے وہ اپنے کام میں۔ کبھی گھوڑے کو قریب سے جا کر دیکھا بھی ہے یا نہیں...... ہاہاہا...... بڑی آئی گھڑسواری کرنے والی......''

وہ زور زور سے ہنسنے لگا اور اس کے سر کی کھیتی میں سے گندم کے خوشے پھوٹ پھوٹ کر گرنے لگے۔ اور زیادہ زور سے ہنستا تو ''خربوزے'' کی بیل بھی پھوٹ سکتی تھی۔
''دیکھا بھی ہے اور اس کے بال بھی نوچے ہیں...... جڑوں سمیت۔''
اس کی ہنسی یکدم تھم گئی اور اس نے دانت پر دانت جمائے۔ یقیناً اسے اپنے سر کی تکلیف پھر سے یاد آ گئی تھی۔
''اینی وے۔ تم نے وہ درخت کیوں کٹوا دیا؟ انکل بتا رہے تھے کہ تم نے بہت ضد کی تھی اسے کٹوانے کی؟ ایسا کیوں کیا تم نے؟''
میں غور سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔ پھر میں نے اپنے منہ کو ذرا قریب کیا...... اور زیادہ غور سے دیکھنا شروع کیا۔ انگلی کو اٹھا کر اس کے ناک کے قریب کیا...... اور قریب کیا۔ وہ چوکنا تھا وہ جانتا تھا کہ میں پنچ ماروں گی جسے وہ ڈچ کر دے گا۔ لیکن میں نے پنچ نہیں مارا پنچ کیا۔ دو انگلیوں سے میں نے اسکی ناک پکڑ کر مروڑ دی۔ لڑکے ہمیشہ یہ بھول جاتے ہیں کہ لڑکیاں گھونسے مارتی ہیں نہ کک کرتی ہیں۔ وہ چٹکی بھرتی ہیں۔ بال کھنچتی ہیں۔ ناک' کان جڑ سے اکھاڑ ڈالتی ہیں۔ یہ گھونسے اور لاتوں سے زیادہ کارگر ہتھیار ہیں۔ زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ...... ڈُوراور درداثر رررر......
''تم کیا ویمپائر ہو؟؟'' وہ چلایا۔ اس کے ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔
''تھی نہیں...... لیکن ہو گئی ہوں۔'' اس کی بہتی ناک کو بہتے دیکھ کر میں نے اطمینان سے کہا۔
''تو لو پھر یہ میرا خون پی لو۔'' اس نے اپنی ناک کا خون جو اس کے ہاتھ میں لگ چکا تھا میرے آگے کیا۔
ناک پر اس نے اتنی بڑی بینڈ تیج کروالی تھی کہ ممی پاپا مجھے ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے نکالنے تک لیے تیار ہو گئے تھے۔ انہیں ایسی ویمپائر اولاد گھر میں نہیں رکھنی تھی۔ جو گھر آئے مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتی تھی۔ وہ میرا کھانا پینا' دانہ پانی سب بین کرنے کے لیے تیار تھے۔ بلکہ ممی تو میرے گلے میں پھندا ڈال کر مجھے گھاٹ پر چڑھا دینے پر بھی کمربستہ ہو گئی تھیں۔
مجھے اس کے کمرے میں جا کر سوری کہنا پڑا۔ پھر کہیں مجھے گھر میں رہنے اور رات کا ڈنر کرنے کی اجازت دی گئی۔ ساتھ ساتھ ممی مجھے مخصوص انداز سے گھورتی رہیں۔ اس گھوری کے کئی مطلب تھے بلکہ ان میں چھپی کئی دھمکیاں تھیں۔ جیسے کہ ''مہمانوں کو جا لینے دو پھر تم سے پوچھتی ہوں۔'' ''اب لے کر دکھانا مجھ سے اپنی پاکٹ منی۔'' ''شاپنگ پر میرے ساتھ جا سکتی ہو لیکن بیگز اٹھانے کے لیے۔ خبردار جو تم نے کسی کپڑے جوتے، بیگ، جیولری کی طرف انگلی کی تو۔ انگلی کاٹ دی جائے گی۔''
''گھر میں جو پکے گا وہ کھانا پڑے گا۔'' اور گھر میں ان دنوں پھر ٹنڈے اور بینگن ہی بنیں گے۔ اور ان سب میں سب سے خطرناک دھمکی یہ تھی کہ میری کوئی بھی دوست مجھ سے ملنے گھر آئے گی تو اسے میری بدتمیزی کی ساری کہانی بمعہ مبالغہ سنائی جائے گی۔ ظاہر ہے میری وہ اچھی دوست یہ کہانی باقی اچھی دوستوں کو سنائے گی اور پھر سب اچھا اچھا ہوتا ہی چلا جائے گا۔ میری شہرت کو چار اچھے اچھے چاند لگتے چلے جائیں گے۔
وہ اگلے دن پھر میرے کمرے میں آیا۔ ظاہر ہے اسے معلوم ہو چکا تھا کہ میری ممی کے ہاتھوں کافی عزت ہو چکی

ہے اور اب وہ ''اس عزت'' کو اور عزت دینے آیا تھا۔

''تمہارے کمرے میں بہت بکس ہیں سوچا ان کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔'' اس نے ناک پر انگلی رکھ کر اپنا رخ کتابوں کی ریک کی طرف موڑا۔ یعنی وہ کتابوں کا جائزہ آنکھوں سے نہیں ''ناک'' سے لینے والا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا اس کی ناک کو کھینچ کر ہاتھی ناک بنادوں پر ممی کی زمانہ ماضی کی گھوری نے مجھے روک لیا۔

وہ بکس کی ریک کے پاس گیا اور ان کے ٹائٹل پڑھنے لگا۔ پھر اس نے ایک کتاب کو نکالا اور اسے سونگھا۔ پھر اس نے اگلی کو سونگھا۔

''کیچپ لاؤں۔ ان پر ڈال کر کھا بھی لو۔'' مجھے اس کا سونگھنا برا لگا۔

''نئی کتابوں کی خوشبو بہت اچھی ہوتی ہے۔ ویسے تم اتنی بکس پڑھتی ہو...... واؤ......'' اس نے بکس کی ریک پر انگلی رکھی اور انہیں دور تک گھسیٹتا ہی چلا گیا۔

''ہاں! ان سب کو تو میں کب کا پڑھ چکی ہوں۔'' میں نے بے نیازی سے کندھے اچکائے

''اچھا!!!!!...... مثلاً یہ بک کیسی ہے؟'' اس نے ''لیٹ اٹ سنو'' کو میرے آگے کیا۔

مجھے پتا تھا وہ یہ سوال کر سکتا ہے۔ میں شارٹ نوٹس پر یہ سب بکس اٹھا کر اسٹور سے لائی تھی۔ گوگل سے میں نے ان سب کی سمری پڑھ لی تھی۔

''اچھی ہے۔'' میں نے کہا اور یہ کہنا بھول رہی ہوں کہ سمری پڑھنے میں اور کتاب پڑھنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔

''کتنی اچھی ہے؟'' اس نے ناک پر انگلی رکھ کر اپنا چہرہ میری طرف گھمایا۔ اب وہ سارے کام ناک سے ہی کرنے والا تھا۔

''بہت اچھی ہے۔'' میں نے کہا اور یاد کرنے لگی کہ اس کے کرداروں کی کہانی کیا تھی۔ ایک نقصان جو ہمیشہ ہر شوخی مارنے والے کو بھگتنا پڑتا ہے وہ یہ کہ وہ کہیں نہ کہیں غلطی کر جاتا ہے۔ میں نے آٹھ دس کتابوں کی سمری پڑھ لی تھی اور اب وہ سمریاں ایک دوسرے میں مکس ہو رہی تھی۔ بس یہی غلطی ہو رہی تھی۔

''مجھے یہ کتاب اچھی لگ رہی ہے۔ لیکن میں ہر کتاب نہیں پڑھتا۔ ویسے یہ جو بلی...... یہ کیا ہے اس میں؟'' اس نے ورق گردانی کرتے ہوئے پوچھا۔

''جو بلی......'' ساری سمریاں جو میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہی تھیں ان میں میں جو بلی کو ڈھونڈنے لگی۔

مل جا جو بلی...... مل جا......

''اوہ! کیوٹ......'' وہ بڑبڑایا جو میں نے سن لیا اور فوراً بولی۔

''لیس کیوٹ کیٹ......'' مجھے یاد آ گیا تھا۔ جو بلی ایک بلی کا نام ہے اور جو بلی ہو ہی کیا سکتی ہے۔

''کیٹ...... ک ک کیٹ؟ جو بلی بلی ہے؟'' اس نے ناک سے کھلی کتاب پر غور کیا۔ پھر اپنی ناک کو صفحے پر ٹکا دیا۔ اور پھر سر اٹھا کر اپنی ناک سے مجھے تاڑا۔

''تم خود پڑھ لو......'' یہ کہنا زیادہ محفوظ تھا اس لیے میں نے کہہ دیا۔

اس نے ساری کتابوں کو ریک سے نکالا اور ان سب کے پہلے صفحے میرے سامنے کیے۔

''یہ سب کتابیں ایک ہی دن خریدی گئی ہیں۔ یہ دیکھو اسٹمپ۔ اسٹور کا نام اور تاریخ۔ ہمارے آنے سے ٹھیک ایک دن پہلے۔ تم نے دو دن میں پوری بیس کتابیں پڑھ لیں۔ تم نے گینز بک ریکارڈ کو ٹرائی کیا۔ تمہیں ضرور اپنی انٹری وہاں بھیجنی چاہیے۔''

''انٹری بھیجنے کے لیے مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مشورہ تو عقل والے لیتے ہیں جو تمہارے پاس ہے نہیں۔ ویسے تم نے یہ سب کیوں کیا...... جو بلی......؟'' اس نے اپنی ناک کی بڑی ساری بینڈ ایج کو جھٹکے سے اتار دیا اور ناک سمیت مسکرانے لگا۔

میں اپنی ایکس ریز آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ اس کی ناک تو بالکل ٹھیک تھی۔

''مجھے متاثر کرنے کے لیے......؟'' وہ اپنی چیک شرٹ کے بازوان فولڈ کرنے لگا۔ میرا دل چاہا کہ میں ایک بار پھر سے اس کی ناک کو فولڈ کر دوں۔

''میں تم سے متاثر ضرور ہو جاتا...... مس جو بلی...... اگر مجھے کتابی کیڑے اچھے لگتے۔'' اب وہ اپنے سر کے کھیت میں ہل میرا مطلب ہاتھ چلانے لگا تھا۔

''تمہیں متاثر کرنا مائی فٹ......''

''تو پھر یہ بکس کیوں رکھی ہیں یہاں؟''

''یہ سب میں پڑھنے کے لیے لائی تھی...... میں اتنی ہی بکس پڑھتی ہوں...... ہر ہفتے......''

''تم نے کہا تم یہ سب پڑھ چکی ہو......؟''

''میں نے کب کہا یہ؟ میں نے کہا مجھے یہ بکس پڑھنی ہیں......''

''اوہ! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم جھوٹ بھی بول سکتی ہو۔ اگر جو بلی کو معلوم ہوا کہ اسے بلی بنا دیا گیا ہے تو وہ یقیناً ناراض ہو گی کیونکہ وہ ایک لڑکی ہے۔ اچھا چھوڑو۔ منہ کھولو اپنا' دانت دکھاؤ' ٹاول سے ڈرائے کرتی ہو یا ڈرائر سے۔ لاسٹ ٹائم بھی مجھے یاد نہیں رہا تھا تمہارے دانت دیکھنا...... اب دکھا دو...... جلدی کرو......''

اور یہ وہ سب سے خراب بات تھی جو اس نے کی تھی۔ تازہ تازہ برش کیے ٹھنڈے دانتوں پر گرم ڈرائیر کیا کام کرتا ہے یہ وہی جانتا ہے جس نے یہ کیا ہو۔ میرے دانت تو ویسے بھی حساس تھے۔

''کھولو منہ دکھاؤ دانت...... ٹوتھ پالش ٹھیک سے یوز کرتی ہو نا...... یا شو پالش کرتی ہو......؟؟''

''بکواس بند کرو اپنی۔'' میں چلائی۔ وہ بھی چلایا لیکن قہقہہ لگا کر اور اپنی ناک پر بینڈ ایج ٹھونک کر چلا گیا۔

''میں مر جاؤں گی اس سے شادی نہیں کروں گی۔''

✡ ...... ✡ ...... ✡

پاپا انکل کو اپنے ساتھ کینیڈا لے جانے آئے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ ایسے وہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ جبکہ مجھے

انکل کہیں سے بھی بیمار نہیں لگتے تھے۔ جب وہ بیمار تھے ہی نہیں تو ٹھیک کیسے ہوں گے۔ مجھے تو کچھ کچھ انکل میں بھی عروہ کا اثر لگتا تھا۔ بعد میں انکل نے اپنی بیٹی کو بھی بلا لیا۔ جسے وہ بہت مس کر رہے تھے۔ اس مس میں تھا ہی کیا جسے ''مس'' کیا جائے۔ بلکہ اس کے تو دماغ میں سب ''مس مس' تھا۔

''تم یہاں ساری زندگی کے لیے رہنے آئی ہو؟'' میں نے اس کے سامان کو دیکھ کر کہا

''مائی فٹ یہاں رہنا۔ میں صرف اپنے پاپا کے لیے آئی ہوں۔''

''اتنا سامان لے کر...... اس سامان کو رکھنے کے لیے ہمارے پاس بڑے بڑے کمرے نہیں ہیں۔ تمہیں لگتا ہے کہ ہمارا گھر کوئی ہوٹل ہے جہاں تمہیں کمرے کے ڈریس روم بھی ملے گا؟''

''ہمارے کپڑے بڑے بڑے ہوتے ہیں نا۔ چھوٹے چھوٹے نہیں ہوتے۔ تو بڑے بڑے کپڑے بڑا سامان ہی لگتے ہیں۔ چنے منے ہوں تو ایک چھوٹے سے بیگ میں آجائیں۔ اگر ڈریس روم نہیں بھی ہے تو تم ''ریٹ روم'' خالی کر دینا۔''

''او آئی سی...... ریٹ روم...... یعنی چوہا خانہ...... تم پاپا کو چوہا کہہ رہی ہو...... پاپا...... پاپا......'' میں چلایا۔

''ہونہہ...... بند کرو یہ ڈرامہ......''

''جب تم اس موٹو کو لے کر ہمارے گھر آئے تھے تو ہم نے تو نہیں کہا تھا کہ اس سانڈ کو لے کر نکل جاو ہمارے گھر سے۔ پورے مہینے کا راشن وہ ایک ہفتے میں کھا گیا تھا۔''

میں نے اس کی زبان کی رفتار کو دیکھا۔ وہ بہت زیادہ زبان دراز تھی۔ ایک تو یہ وجہ تھی کہ مجھے وہ بہت ہی زیادہ بری لگتی تھی۔ اتنی بری کہ میں اسے اپنے گھر سے چند کلو میٹر دور واقع ٹھنڈے پانی کی جمی ہوئی جھیل میں پھینکنے کے لیے تیار تھا۔ اور جھیل پر پہرا دینے کے لیے بھی تیار تھا کہ وہ کہیں جو بلی کی طرح خود سے ہی باہر نکل کر اپنی جان نہ بچالے۔ وہ نکلے تو میں اسے پھر سے دھکا دے دوں۔ اس کا نکلنا میرا دھکا۔ میرا دھکا اس کا نکلنا۔ ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ جب وہ غصے میں تیز آواز میں بولتی تھی تو اس کی آنکھیں ٹیڑھی ہو جاتی تھیں۔ اور مجھے اس سے تھوڑا سا خوف محسوس ہونے لگتا تھا کہ کہیں واقعی وہ وچ تو نہیں...... خون تو نہیں پیتی ہم انسانوں کا......

''میں اپنے انکل کے گھر رہنے آئی ہوں تمہارے نہیں۔''

''تمہارے انکل میرے پاپا ہیں۔''

''لیکن تم ان کے صرف بیٹے نہیں ہو۔ کبھی بیٹی کبھی بیٹا' کبھی جیک کبھی جیکی' ویسے آج کل تم کیا ہو؟''

''اوہ! وہ میرے ان ناموں پر طنز کر رہی تھی جو ماما مجھے بہت پیار سے دیتی ہیں۔ آئی لو مائی مام۔''

''آج کل میں جیکی چن......'' میں نے جیکی چن کی طرح کراٹے کا ایک وار اس کی گردن پر کیا۔

بس اتنا ہی۔ اور اس نے نیک کالر پہن لیا۔ میں ڈاکٹر کے پاس گیا اور ان سے اس کی ''گردن کے حالات'' ڈسکس کیے۔

''نیک کالر کی تو بالکل کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ انہوں نے کالر کیوں پہنا ہے؟'' ڈاکٹر

پوچھ رہے تھے

''تاکہ میری گردن ٹھیک نہ رہے۔'' میں نے اپنی گردن کو مسلا۔

''میں ڈاکٹر سے پوچھ آیا ہوں۔ تم یہ ڈرامہ بند کرو۔ اتارو یہ نیک کالر'' میں گھر آیا اور سیدھا اس کے پاس گیا۔

اس نے نیک کالر تو نہیں اتارا لیکن اپنے حلق سے ایک دل دوز چیخ منہ کے راستے سارے گھر میں اتار دی۔ ماما بھاگی ہوئی لاؤنج میں آئیں۔ ابھی میری نظر ماما کی شکل پر پڑی ہی تھی۔ اور ماما کی نظروں کے تعاقب میں وہاں اس طرف آئی تھی جس طرف وہ ابھی...... ہاں بالکل ابھی کھڑی تھی...... لیکن اب وہ وہاں کھڑی نہیں تھی...... وہ فرش پر پڑی تھی...... وہ بے ہوش ہو چکی تھی......

مجھے چھ دن گھر سے باہر رہنا پڑا۔ میں ساری زندگی گھر سے باہر رہ سکتا تھا۔ اگر وہ، میرے ماما پاپا میرا کمرا گھر میں سے نکال کر میرے منہ پر دے مارتے۔ فریج سے کچھ پھل اور اپنے والٹ سے کچھ پیسے بھی۔ تیز بارش میں میں گھر سے باہر کھڑا رہا اور کھڑکیاں بجاتا رہا لیکن کچھ دیر بعد جب دروازہ کھلا تو باہر کیا آیا؟ میرا رین کوٹ...... وہ بھی وہ پرانا والا جس میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ کتنی بار سوچا کہ اس رین کوٹ کو پھینک دوں لیکن پھینکا نہیں گیا۔ آج یہی رین کوٹ میرے منہ پر دے مارا گیا اور اس رین کوٹ نے مجھے ٹھنڈ سے مار دیا۔ یہ ہوتا ہے سستی کا انجام۔

اب کہاں جاتا کیا کرتا۔ میں نے تو صرف سچ بولنا چاہا تھا کہ اسے نیک کالر کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا سچ بولنے کی اتنی بڑی سزا ملتی ہے۔ ٹھیک ہے میں اس سزا کو بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے سوراخ زدہ رین کوٹ پہن لیا۔ اور ایسی دکھیاری رات کو اپنے دوستوں کے دروازوں کو بجاتا رہا۔

''کیوں نا مووی دیکھی جائے۔'' میں مائیکل کے گھر کے باہر کھڑا کانپ رہا تھا۔ دانت خالی گھر کی کھڑکیوں کی طرح بج رہے تھے

''ایسی بارش میں' ایسے پھٹے ہوئے رین کوٹ کو پہنے تقریباً بھیگے ہوئے کھڑے تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''ایسی بارش میں' ایسے پھٹے ہوئے رین کوٹ کو پہنے' تقریباً سارا بھیگے ہوئے میں تم سے مووی دیکھنے کے لیے کہہ رہا ہوں چشمش۔''

''تمہارا پہلے تو ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا'' اس نے اپنے چشمے کو اتار کر غور سے مجھے دیکھا۔ صرف مائیکل ہی یہ کر سکتا تھا' ''چشمے کو اتار کر دیکھنا۔''

''تم نے پہلے تو کبھی اتنے سوال نہیں کیے؟ اسے دھکا دے کر میں خود ہی اس کے گھر کے اندر گھس گیا اور کچن کی طرف لپکا۔

''تم پہلے کبھی ایسی سوالیہ شکل کے ساتھ میرے گھر کے دروازے پر بھی نہیں آئے۔'' کچن ٹیبل پر رکھے آدھ کھائے سینڈوچ کو جا کر اس نے بمشکل میری پہنچ سے بچایا۔

''سنو مووی ریڈی کرو...... میں کچھ کھا کر آ رہا ہوں......''

”تم ڈنر کر کے نہیں آئے گھر سے......“

”اپنا منہ بند کرو اور جا کر مووی ریڈی کرو......“

یہ تھی میری ”مووی نائٹ ٹرپ“ کی پہلی نائٹ۔

میں ”مووی نائٹ“ کا بہانا کر کے اپنے دوستوں کے گھر رات کو مووی دیکھتا۔ اور پھر وہیں سوتا بن جاتا۔ ساتویں دن مجھے رائن جس کے گھر میں میری یہ تیسری مووی نائٹ تھی نے ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا۔

”اگر تم آج بھی یہاں رہے تو مجھے بھی تمہاری طرح ”مووی نائٹس“ پر ایک پورا ہفتہ گزارنا ہوگا۔ افسوس مجھے کسی اور کے بیڈ پر نیند نہیں آتی۔ اور صوفے پر میں پورا نہیں آتا۔“

”کیسے دوست ہو تم......صرف تین دنوں میں ہی تمہیں یہ سب یاد آ گیا۔“

”میں تو تمہارا دوست ہوں لیکن میرے مام ڈید تمہارے دوست نہیں ہیں۔“

”لیکن تم انہیں قائل کر سکتے ہو۔“

”انہوں نے مجھے قائل کر لیا ہے کہ یا تم یہاں رہو گے یا مجھے بھی جانا ہوگا......“

”تم ان کی اولاد نہیں ہو کیا......ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ تمہارے ساتھ......تمہارے دوست کے ساتھ......“

”جیسے تمہارے مام ڈیڈ نے تمہارے ساتھ کیا۔ تم ان کی اولاد نہیں ہو کیا؟“

”وہ تو میری ایک کزن آئی ہوئی ہے مجھے اس کی شکل نہیں دیکھنی اس لیے۔“

”یا اس کی شکل کو ماسک پہنا دو یا خود کالا چشمہ لگا لو لیکن اب چلے جاو۔ میری مام نے تو وارڈروب لاکڈ کر دی ہے۔ میں ایک ہی ڈریس میں ایک ہفتہ کیسے گزاروں گا......تمہیں تو رین کوٹ مل گیا تھا مجھے ٹین پیپر بھی نہیں ملے گا۔“

”ڈینس ٹھیک کہتا ہے تم کسی کام کے نہیں ہو......“

”ڈینس مجھے بھی ٹھیک کہہ گیا ہے کہ اسے کک مار کر باہر کرو۔“

اس سے پہلے کہ میں رائن موٹو کی ”ڈائنوسار سائز کک“ کھاتا، مجھے گھر واپس آنا پڑا۔

وہ کچن ٹیبل پر بیٹھی سیب کھا رہی تھی۔ اور مجھے دیکھ کر ایسے مسکرا رہی تھی جیسے اسے دنیا میں کوئی غم نہیں۔ اسے کوئی غم ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ سارے غم اس نے میری طرف منتقل کر دیئے تھے۔

”اتنے دن تم کہاں رہے......جیک دی Lost کنگ؟“

”اتنے دن میں بہت خوش رہا......عروہ دی کیوٹ کوئین......“

”تم مجھے کوئین کہہ رہے ہو......لگتا ہے دماغ کا علاج کافی اچھا ہو گیا ہے۔ بارش تمہارے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔“

فی الحال میں اس سے الجھ نہیں سکتا تھا۔ اسے صرف سوری کہہ سکتا تھا۔ اور اسے سوری کہا بھی۔ پھر کہیں جا کر اس کا نیک کالر اترا۔

پاپا کو مجھ پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ ہر روز صبح میرے کمرے میں آتے مجھے مخصوص انداز سے گھورتے۔ کیونکہ ابھی

حال ہی میں میں ”مووی نائٹ ٹریپ“ سے واپس آیا تھا اس لیے میں اس گھوری سے ڈر جاتا۔ میں انکل کے کمرے میں جاتا ان کا حال پوچھتا۔ ان سے ہلکی پھلکی باتیں کرتا۔ اکثر انہیں اپنے ساتھ چہل قدمی کے لیے لے جاتا اور ”اس“ سے دور ہی رہتا۔ جیسا کہ ماما نے کہا تھا ”عروہ سے دُور رہنا ورنہ ہم سے بھی دور ہو جانا۔“ ماما پاپا سے دُور ہونے کا مطلب تھا۔ صبح کے ناشتے، رات کے کھانے، اپنے روم، اس روم کے باتھ روم، اور پاپا کے والٹ میں موجود پیسوں سے دُور رہنا۔ اتنی ساری چیزوں سے دور رہنے سے بہتر تھا کہ میں ”اس“ سے دور رہ لیتا۔

اکثر وہ مجھے دیکھتے ہی اپنی گردن مسلنے لگتی۔ یہ ڈنر ٹیبل پر ہوتا۔ اس کی گردن میں درد ہونے لگتا۔ وہ ماما سے کسی بام کا پوچھنے لگتی۔ پھر وہ کراہ کراہ کر ایک ایک نوالہ کھاتی۔ پاپا مجھے گھورتے۔ مجھے افسوس ہوتا۔ بہت افسوس ہوتا مجھے ایک کاری وار کرنا چاہتے تھا کہ اس کی گردن ہی ٹوٹ جاتی۔ نہ ہوتی گردن نہ نکلتی آہ......کراہ۔ اب وقت گزر چکا تھا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے جو کام وقت پر نہ ہو سکے پھر وہ کبھی نہیں ہوتا۔ اس کی گردن توڑنے والا کام بھی پھر کبھی نہیں ہو۔

لیکن......

گھر میں ایک موٹا ہو تو دو تین اور موٹو نکل ہی آتے ہیں۔ جو سانڈ اس کے گھر سے سارا راشن کھا آیا تھا اسی سانڈ کی ایک چھوٹی بارہ سال کی موٹی بہن بھی تھی جو جب ہمارے گھر آتی ہمارے فوڈ پر کسی آفت کی طرح ٹوٹ پڑتی۔

”آنٹی میں یہاں سے گزر رہی تھی کہ بیکنگ کی خوشبو نے مجھے روک لیا۔“

ممی کا گلابی رنگ پیلا پڑ جاتا۔ ”ہاں! بیٹا میں آج کیک اور کوکیز بیک کر رہی ہوں۔“

ماما جانتی تھی وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ ماما ہفتے میں ایک دن کیک، کوکیز اور بریڈ بیک کرتیں۔ وہ ٹھیک اسی دن گھر آتی۔ ماما نے دن بدل کر بھی دیکھے پر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جیسے ٹام اینڈ جیری میں جیری چیز کی خوشبو پر سوتا ہوا بھی چیز کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ ٹھیک ایسے ہی وہ شہر کے کسی بھی حصے میں ہوتی وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ جاتی جہاں کچھ پک رہا ہوتا اور جہاں سے پکا ہوا اسے مل بھی جاتا۔

”کیا تم ماما کو بتا کر آئی ہو......؟“ اپنی کوکیز اس کی پہنچ سے بچانے کے لیے ماما ہر بار یہ کمزور سا جواز تلاش کرتیں کہ شاید اسے گھر جانے کی جلدی ہوگی۔

”میں نے سائیکل شیڈ میں پارک کر دی ہے۔ مام کو میں فون کر دیتی ہوں۔ ویسے بھی مام کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ان کے خیال میں جب میں کمزور ہو جاوں گی تب ہی اچھی بچی بنوں گی۔ میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ وزنی لوگ بھی اچھے ہو سکتے ہیں۔ آپ جانتی ہیں میں شروع سے باغی رہی ہوں۔ اگر دنیا میں اسی فیصد تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو ”فٹ“ ہیں تو مجھے ان اسی فیصد لوگوں کا حصہ نہیں بننا۔ میری ایک الگ پہچان ہونی چاہیے۔ آپ کیا کہتی ہیں آنٹی؟

”تمہاری طرح اور بھی بہت لوگ موٹے ہیں۔ یہ تمہاری الگ پہچان تو نہیں ہوئی نا۔“

”میں ہزار بھیڑوں میں ہونے کی نسبت ”دس بھیڑیوں“ میں ہونا پسند کروں گی۔“

”لیکن بھیڑوں کو پسند کیا جاتا ہے مونا......“

”میں ناپسند کیئے جانے کے لیے تیار ہوں۔“ گوشت کا گولہ اپنے بازوں کو لہرا کر کہتا۔

ماما کو ناچار اس کے آگے سب رکھنا پڑتا۔ ویسے بھی ماما اور ہم سب جان گئے تھے کہ ''موٹا'' اپنے موٹا ہونے کے کئی جواز تلاش کر لیتا ہے۔ وہ ''کھانے کے کارِ خیر'' پر ایسی ایسی دلیلیں دیتا ہے کہ ''اسی فیصد فٹ عوام'' ان دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سولیٹ موٹوز مور موٹوز......

اب جب اس نے ہمارا نمک کھا ہی لیا تھا تو اسے حلال بھی کروانا چاہیے تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ اسٹور لے گیا۔ جو جو اس نے کہا اسے کھانے کے لیے لے کر دیا۔ بدلے میں اس نے بس اتنا کیا کہ وہ عروہ کو اپنے ساتھ چہل قدمی کے لیے لے گئی۔ واپسی میں عروہ کو ماما بمشکل اٹھا کر اپنے ساتھ گھر لائیں۔ پھر گھر سے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئیں ایمرجنسی میں......

چھوٹی موٹو لڑلڑ کھڑا کر گری اور ٹھیک عروہ کے اوپر گری۔ جو گراونڈ پر ہاتھ سر کے نیچے رکھے پرسکون انداز میں آسمان کا نظارہ کر رہی تھی۔

''ہو گیا نظارہ چلو اب اپنے گھر واپس۔ میں تمہیں اپنے اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

۞............۞............۞
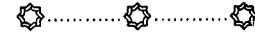
مجھے ایسا لگا جیسے میرے اوپر کوئی پہاڑ آ گرا۔ میرے آنتیں اگر باہر نہیں آئیں تھیں تو اس کا مطلب صاف تھا وہ اندر ہی ٹوٹ کر گر گئی تھیں۔ اور اب کسی اور راستے سے باہر آنے والی تھیں۔ پورے دو منٹ تک میں پیٹ کے بل اپنا درد قابو میں کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ مونا بھاگ کر گئی اور گھر سے آنٹی کو بلا لائی۔ پورے ایک ہفتے تک میں نے جو کھایا وہ کھاتے ہی باہر آیا۔ درد جس چڑیا کا نام ہے وہ میں نے چڑیوں کے جھنڈوں سے جانا۔ مجھے کئی دن تک بیڈ ریسٹ کرنا پڑا۔ اور ظاہر ہے کہ بارہ سال کی بچی یہ سب برداشت نہیں کر سکی۔ اس نے احساس جرم کے اثر کو زائل کرنے کے لیے بہت زیادہ کھانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ اگلنا بھی شروع کر دیا۔

''جیک نے کہا تھا مجھے یہ کرنے کے لیے۔'' اس نے اگل دیا۔

''ہاو کیوٹ۔'' میں نے مونا کے گال پر پیار کیا۔ دل تو کر رہا تھا دانت سے گال کاٹ لوں لیکن بچی تھی۔ پھر میں اس بچی کے دیس میں تھی۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

''تم نے اسے منع نہیں کیا تھا......؟؟''

''نہیں میں منع نہیں کر سکی۔ وہ مجھے اسٹور میں لے گیا۔ جس جس چیز پر میں نے ہاتھ رکھا اس نے وہ مجھے لے دی۔ پھر سب بیگز اپنے ہاتھ میں رکھ کر اس نے کہا ''ایک ہاتھ لو ایک ہاتھ دو۔'' میں نے اپنا لینے والا ہاتھ بڑھا دیا اور اس نے میرا دینے والا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اگر میں مر جاتی تو......؟''

''میں گاڈ سے معافی مانگ لیتی۔ گاڈ بہت اچھے ہیں وہ معاف کر دیتے ہیں۔ جیک نے کہا تھا موٹے لوگوں کے نیچے آ کر کوئی نہیں مرتا۔''

''تم گاڈ سے معافی تو مانگ لیتی لیکن میری جان تو واپس نہیں آتی نا......''

''ماما کہتی ہیں کچھ نقصانوں پر صبر کرنا ہی پڑتا۔ جانے والوں کو جانے دینا چاہیے۔''

میری جان کے ضیاع پر اس کے کتنے نادر خیالات تھے۔ راز اگلنے کے انعام کے طور پر میں نے اسے چاکلیٹ کا ایک پیکٹ دیا جسے لے کر وہ میری شکل دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا تم یہ چاکلیٹ نہیں کھاتی......؟''

''میں نے آپ کی جان بچائی ہے۔ اگر میں مزید اور دو منٹ تک آپ پر گری رہتی تو آپ اس وقت بیڈ پر نہیں تابوت میں لیٹی ہوتیں۔ اب آپ بدلے میں مجھے یہ ننھا منھا پیکٹ دے رہی ہیں۔ یہ تو میں اسکول بس میں بیٹھے بیٹھے کھا جاتی ہوں۔''

ابھی کچھ دیر پہلے وہ شرمندہ ہو رہی تھی اور اب وہ مجھے شرمندہ کر رہی تھی۔ یہ موٹے لوگوں کا کوئی دین ایمان ہے یا نہیں۔

''فی الحال تو میرے پاس ایسا کچھ نہیں ہے کہ تمہیں کھانے کے لیے دوں۔ البتہ تم کیچپ لگا کر مجھے کھا سکتی ہو۔'' میں نے آہ بھر کر کہا۔

اس نے منہ بنا لیا۔ ''میں صرف اچھے کھانے کھانے کی شوقین ہوں۔''

توبہ توبہ یہ موٹے لوگ تو منہ پھٹ بھی ہوتے ہیں۔

گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ مجھے گھر بھی جانا تھا۔ پاپا پہلے ہی جا چکے تھے۔ جس دن میری فلائٹ تھی اس دن میں نے کچھ وقت جیک کے کمرے میں گزارا۔ جیک کالج جا چکا تھا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا لیکن کمرے میں اور بھی بہت کچھ تھا۔ وارڈ روب...... وارڈ روب میں کپڑے...... کپڑوں میں مہنگے کپڑے اور مہنگے کپڑوں میں ''اس کے پسندیدہ کپڑے۔''

ایک یورپین کنٹری میں رہنے والے کے پاس گھر کے بعد سب سے زیادہ قیمتی کیا ہوتا ہے؟ ایک ایسی کنٹری جہاں سردیوں میں درجہ حرارت منفی ہو جاتا ہے۔ وہاں سب سے قیمتی کیا ہو گا؟ گھر کے ہٹینگ سسٹم کے علاوہ؟ باڈی ہٹینگ سسٹم نا؟ اس کے گرم کپڑے' مہنگے نفیس کوٹ' برفانی طوفان میں ٹھنڈ سے بچانے والے ہڈ' رنگ برنگے سوئیٹر' مختلف شیڈز کی لیدر جیکٹس۔ کینیڈا جیسے ٹھنڈے برفانی ملک میں سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ کیا ہو گا؟ یہی سب نا......

بس میں اس اثاثے کا ایک ایک بازو کاٹ لائی۔ ہر شرٹ کا، ہر کوٹ کا، ہر سوئیٹر کا' ہر ہڈ کا۔ اتفاق سے سوئیٹروں کو درزی ٹھیک نہیں کرتے اور کوٹ کمپنیوں کے پاس واپس نہیں جاتے کہ جی ہم سے اس کا ایک بازو کٹ گیا ہے اب یہ لے لیں اور دونوں بازوں والی دے دیں۔ اتفاق سے سوئیٹر، شرٹس، کوٹ بنانے والی کمپنیاں ''ایکسٹرا کپڑا'' بھی کسٹمر کو نہیں دیتی کہ اگر کوئی آستین کاٹ کر لے جائے تو اسے جوڑ لیجیے گا۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں نے اس کا کافی نقصان کیا ہاں لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ میں نے اس کا ''ٹھیک'' نقصان کیا۔

میں تصور کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی کہ وہ اپنے ''ملبے'' پر بیٹھا چلا چلا کر کہہ رہا ہے کہ یہ میں نے کیا ہے لیکن اس کی

بات کا یقین کون کرتا؟ آنٹی اور انکل یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ سب اس نے کیا ہے اور وہ نام ''بے چاری عروہ'' کا لگا رہا ہے۔

میری چند قریبی دوستوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ میں منگنی شدہ ہوں۔ اب یہ منگنی کیسی چل رہی ہے' یہ انہیں معلوم نہیں تھا۔ ویسے بھی یہ منگنی لولی لنگڑی تھی۔ بلکہ یہ میرے اور جیک کی طرف سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ یہ صرف ہم دونوں کے ماں باپ کے لیے تھی۔ مجھے وہ قطعاً پسند نہیں تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ اس سے شادی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر ہو بھی جاتی تو بہت جلد طلاق تک نوبت آ جاتی۔ ایسی شادی کا فائدہ جس کے فوری بعد عدالتوں کے چکر لگانے پڑیں۔ مجھے یونیورسٹی جانا تھا اور پھر مجھے یہ اعلان کرنا تھا کہ مجھے کسی بھی صورت اس جیکی سے شادی نہیں کرنی۔ جو یہ طے ہی نہیں کر پا رہا کہ اسے کیا بنے رہنا ہے۔ وہ خود بھی اسی انتظار میں لگتا تھا کہ وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو اور منگنی کو توڑنے کا اعلان کرے۔ اور اس نے یہ اعلان کر دیا۔

پاپا اور انکل کے فرسٹ کزن کی اکلوتی بیٹی کا نکاح تھا اور وہ سب اس میں شرکت کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

''اسلام علیکم محترمہ عروہ۔'' یہ اس کا ابتدائی انداز تھا مجھ سے بات کرنے کا جو کافی مہذب تھا۔ ممی پاپا تو انہیں لینے ائیرپورٹ گئے تھے۔ صرف میں اور رخشان ہی گھر تھے۔ وہ کار سے باہر نکل کر سب سے پہلے چلتا ہوا میرے پاس آیا تھا۔

''وعلیکم السلام محترم جیک۔''

''میں جیک نہیں ہوں۔ مجھے عمار کہا جائے۔''

تو وہ اپنے پیدائشی نام کو استعمال کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس بار وہ کافی انسانی حلیے میں ملبوس آیا تھا۔ نہ بالوں میں کوئی ہل پھرا ہوا تھا نہ کوئی کرنٹ دوڑایا گیا تھا۔ لیکن اس نے جو ٹی شرٹ پہن رکھی تھی وہ کافی انقلابی سی تھی...... اس کی ایک آستین کسی اور ہی فیبرک کی تھی۔ وہ آستین اس شرٹ کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ کسی اسٹیریو فیشن کو فالو کر رہا ہے یا کسی اسٹیریو فیشن کو سیٹ کر رہا ہے۔ اس کی شکل جتنی میچورڈ ہو رہی تھی اس کی شرٹ اتنی ہی اس میچورٹی کے خلاف جا رہی تھی۔

وہ انہی شرٹوں میں سے ایک تھی جس پر میں نے قینچی چلائی تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں اس کی شرٹ کو دیکھ کر اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''اچھا ہے نا یہ نیا فیشن۔ میرے دوستوں میں کافی مقبول رہا ہے۔''

''مقبول اور یہ؟؟'' میں نے خود کو کھل کر ہنسنے کی اجازت دی اور شرٹ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

''ہاں'' اس نے خود کو اپنی ہنستی غائب کرنے کی تنبیہ کی اور دانت پیس کر کہا۔ دانت کو دانت پر ایسے جماتے ہوئے وہ کچھ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے دانتوں پر ایلفی چپکا دی گئی ہو۔ اور اب وہ اس ایلفی سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے ہکلانے لگا ہو۔

''ایک عرصہ ہوا مجھے ایسے مقبول ہوئے۔''

''تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے...... مس جیک......''

''میں ضرور تمہارا شکریہ ادا کر کے جاؤں گا مس ہائی جیک۔''

انکل اسے گھورتے ہوئے قریب سے گزر گئے۔ شاید وہ اس سے خائف تھے۔ آنٹی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''یہاں آنے سے پہلے جو لیکچر تمہیں مل چکے ہیں اسے یاد رکھنا۔''

گو آنٹی نے سرگوشی کی تھی لیکن آنٹی کو کسی نے بتایا نہیں تھا کہ وہ بھی اپنے بیٹے کی طرح ''بلند آواز'' میں سرگوشی کرتی ہیں۔ میں نے بمشکل اپنی ہنستی قابو میں کی۔ کتنا اچھا لگتا ہے جب لڑکوں کو لڑکیوں کے سامنے ڈانٹ پڑتی ہے۔ انہیں پھٹکارا جاتا ہے۔ انہیں الو' گدھا' کہا جاتا ہے۔ آہ...... اب وہ لڑکا اپنے اسکول کے تھیٹر کا جانی ڈیپ ہو یا ریسلنگ رنگ کا ''ہوگن''۔ لڑکیوں کے سامنے وہ پھس پھسا کر زیرو ہو جاتا ہے۔

''مجھے تو تمہاری حیثیت وہی پرانی کی پرانی لگ رہی ہے۔'' میرا اشارہ آنٹی کی سرگوشی کی طرف تھا جس میں وہ چپکے سے اسے پھٹکار گئی تھیں۔

''لیکن تمہاری شکل مجھے نئی نئی لگ رہی ہے...... کیا کرتی رہتی ہو تم اپنی شکل کے ساتھ...... پہلے اچھی خاصی لومڑی جیسی لگتی تھی اب ایکدم سے چھپکلی سی ہو گئی ہو۔ دیواروں پر رینگ رینگ کر تمہارے ہاتھ بھی خراب ہو گئے ہیں۔ اگر تمہیں جانوروں میں انٹرسٹ ہے تو کوئی اچھا جانور بنو۔ جیسے چمگادڑ...... یا......؟''

''شٹ اپ!'' مجھے اپنے جسم کا سارا خون ابلتا ہوا محسوس ہوا۔ ''اپنی شکل دیکھی ہے تم نے؟ پچکی ہوئی رگبی بال۔''

''اوہ!'' وہ محظوظ ہوا۔ ''کبھی رگبی بال ہاتھ میں پکڑ کر بھی دیکھی ہے۔ یا ٹی وی سے رگبی کا نام ہی سیکھ لیا ہے۔ تم جیسی لڑکیاں دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے گوگل سے فلموں' کھلاڑیوں' شہروں' ہوٹلوں' کھانوں' آرٹ کے نمونوں کے نام دیکھ کر یاد کر لیتی ہیں۔ پھر ایسے ظاہر کرتی ہیں جیسے ہم سے زیادہ تو کوئی جانتا ہی نہیں۔ رگبی کے ایک آدھ کھلاڑی کا نام بھی تم نے یاد کیا ہوگا۔ دس بارہ فٹ بال کے کھلاڑیوں کے نام' کچھ سائنس دانوں کے' چند کلاسیک فلموں اور کتابوں کے نام۔ ہو گئی امپریسولسٹ تیار۔ ویسے اس بار تم نے ''کتنی کتابیں'' لا کر اپنے کمرے میں رکھی ہیں؟''

''اس بار ''ڈرانکولا ان پاک لینڈ'' رکھی ہے۔'' میں چلا اٹھی۔ میرے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ میرا خون ابل ابل کر اب سوکھنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنا سارا خون خشک کروا لیتی میں اس سے دور ہو گئی۔

✿............✿............✿
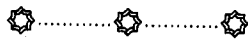
مجھے زندگی میں دو بڑے صدمات سے گزرنا پڑا۔ ایک بچپن کی منگنی کا ایک میری وارڈروب کے ''معذور'' ہو جانے کا۔ دونوں صدمات جان لیوا تھے۔ دونوں صدمات کے وقوع پذیر ہونے کے دن میری زندگی کے بلیک ڈے تھے۔ کمرے میں بند ہو کر میں نے ''آدھے گھنٹے'' کی خاموشی اختیار کی۔ موم بتیاں جلا کر وارڈروب کے سامنے رکھ دیں اور خود ان کے پاس چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' ماما کمرے میں آئیں

"تعزیتی تقریب۔"

"کیوں کیا ہوا؟ پھر تمہاری الماری میں چوہا گھس گیا اور تمہارا کوئی نیلا پیلا ماسک کھا گیا۔"

"ماما ایک تو اب میں ماسک نہیں پہنتا دوسرا چوہا ہی آئی تھی چوہا نہیں...... وہ کتر کر نہیں گئی کاٹ کر گئی ہے۔"

"اوہ! ویسے مجھے کتنے منٹ کی خاموشی اختیار کرنی ہوگی؟"

"آپ کو میرے یونیورسٹی جانے تک خاموشی اختیار کرنی ہوگی۔" میرا مطلب عروہ سے تھا کہ اب کوئی اس کا نام بھی میرے سامنے نہ لے۔

"اپنی تقریب جاری رکھو۔" وہ ہنسنے لگیں۔

کتنی بے فکری سے ماما ہنس رہی تھیں۔ کیا وہ دیکھ نہیں رہیں تھیں کہ میں نے وارڈ روب کے سامنے ایک نہیں دو نہیں پوری تین درجن کینڈلز جلا رکھی ہیں۔ کیا انہیں نظر نہیں آ رہا کہ میں نے غم سے لنچ بھی نہیں کیا۔ اور کوئی ایک ہزار بار اپنے کپڑے نکال کر دیکھ چکا ہوں کہ شاید کسی کا کچھ ہو سکے۔ جن کا اب یہی ہو سکتا تھا کہ یا میں خود "ٹیلر" بن جاؤں اور ان سب کو کسی نہ کسی طرح سے پہننے کے قابل کروں یا پھر پارٹ ٹائم جاب کروں اور اپنے لیے نئے کپڑے خرید لوں۔

"میں ٹیلر بھی بنا اور مجھے پارٹ ٹائم جاب بھی کرنی پڑی۔ پھر بھی نقصان وہیں کا وہیں رہا۔"

رائن کی مام اکثر رائن کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہیں۔ "کچھ عذاب اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ انہیں چھوٹی موٹی دعائیں ٹال ہی نہیں سکتیں۔"

ٹھیک کہتی ہیں وہ۔ کچھ عذاب اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ انہیں چھوٹی موٹی تدبیریں ٹال ہی نہیں سکتیں۔ مجھے بھی اب کوئی بڑی ہی تدبیر آزمانی ہوگی۔

اور یہ رہی وہ تدبیر۔

میں کشف کے نکاح میں شرکت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ ابھی فنکشن شروع نہیں ہوا۔ کسی مقامی سنگر کو گانے کے لیے بلایا گیا ہے لیکن ابھی تک وہ آیا نہیں۔ ہم سب اپنی اپنی آوازیں نکال کر ساؤنڈ سسٹم کو چیک کر رہے ہیں۔ شایان میرے کزن کے کسی انکل نے اپنے بیٹے کے میڈیکل میں انٹری ٹیسٹ میں پاس ہونے کی خوشی میں اگلے ہفتے اپنے گھر دعوت کا اعلان مائیک پر آ کر کیا۔ اور سب کو شرکت کی دعوت دی۔

"تمہیں کوئی اعلان نہیں کرنا؟ شایان مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ اس کا اشارہ شاید میری شادی کی طرف ہے۔

"ہاں! کیوں نہیں۔ جلد ہی میں تمہیں اپنی منگنی میں انوائٹ کروں گا۔"

"منگنی کرنے کی کیا ضرورت ہے نکاح کرنا یا شادی۔ ویسے ہی تمہاری منگنی کا دورانیہ کافی لمبا ہو گیا ہے۔"

"کس منگنی کا دورانیہ لمبا ہوا ہے۔ منگنی تو ابھی میری ہونی ہے۔"

"میں عروہ سے تمہاری منگنی کی بات کر رہا ہوں۔"

"کون عروہ...... میں کسی عروہ کو نہیں جانتا۔"

"تم مذاق کر رہے ہو؟" وہ حیران ہوا

"مجھے مذاق کی عادت نہیں۔ اس سے منگنی کا اعلان کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنی خودکشی کا اعلان کر دوں۔ اگر میری کوئی منگنی ہوئی بھی ہے تو میں اسے توڑتا ہوں۔"

میرا پلان کچھ اور تھا لیکن ہو کچھ اور گیا۔ جو ہو گیا وہ بھی کچھ ایسا برا نہیں تھا۔ کافی مہمان آ چکے تھے لیکن ابھی لڑکے والے نہیں آئے تھے۔ مائیک پر شایان کا دس بارہ سالہ کزن کھڑا نیم مزاحیہ انداز میں وہاں موجود اپنے رشتے داروں کی آوازوں کی نقل اتار کر سنا رہا تھا۔ اور سب محظوظ بھی ہو رہے تھے۔ میرے اور شایان کے درمیان جو مکالمہ چل رہا تھا وہ اس کے کان سے گزر رہا تھا۔ اس نے گردن میری طرف موڑ کر شرارت سے پوچھا۔

"یہ والا اعلان بھی کر دوں مائیک پر؟"

میں نے بچے کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھا اور گردن کو ہاں میں ہلا دیا۔

"عروہ سے منگنی کا اعلان کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنی خودکشی کا اعلان کر دوں۔ اگر میری کوئی منگنی ہوئی بھی ہے تو میں اسے توڑتا ہوں۔"

لڑکے کی یادداشت بھی اچھی تھی اور اس نے میرے انداز کی نقل بھی ٹھیک ٹھیک اتاری تھی۔ اس کا اندازہ مجھے ہال میں یکدم پھیل جانے والے سناٹے سے ہوا۔ خوش قسمتی سے خاندان میں ایک ہی عروہ تھی۔ اور اس سے بھی زیادہ خوش قسمتی سے بہت سے لوگ یہ پیش گوئی پہلے ہی کر چکے تھے کہ "ہم دونوں کی منگنی" شادی تک نہیں پہنچے گی۔ اعلان بھی ہو گیا ان کی پیش گوئی بھی سچ ثابت ہو گئی۔

شایان نے بڑھ کر اس لڑکے کے ہاتھ سے مائیک چھین لیا۔ "بچہ ہے مذاق کر رہا ہے۔" شایان نے مائیک میں کہا۔

"نہیں یہ سچ ہے۔" میں نے مائیک کے آگے منہ کر کے کہہ دیا۔

اتنی سی ہمت کی بات تھی...... اور بس بات ختم۔

پاپا کی جیب میں اس وقت اگر کوئی پسٹل ہوتی تو میری لاش مائیک کے پاس پڑی ہوتی۔ اگر پسٹل نہیں بھی تھی تو بھی وہ دونوں ہاتھوں کے حملوں سے مجھے لاش بنانے آ رہے تھے لیکن انکل نے میری جان بچا لی۔ انہوں نے پاپا اور ماما دونوں سے کہہ دیا کہ فیصلہ دونوں بچے ہی کریں گے ہمیں انہیں مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ اس وقت بات کو بڑھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔

میری واپسی کینیڈا ہو گئی۔ میں اب خوش تھا اور مطمئن بھی۔ اس سب سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ "تھوڑی سی ہمت آپ کو بڑی مصیبت سے بچا سکتی ہے۔" اور ہاں میں بتانا بھول گیا۔ وہ میرے چچا کی بیٹی عروہ ہے نا۔ اس کے کمرے میں مجھے کچھ دیر رکنا پڑا۔

کمرے میں ایک میں تھا...... ایک وارڈ روب تھی اور میرے ہاتھ میں ایک بلیک آئل پینٹ باکس تھا۔ میں نے اس کے کپڑوں کو بیڈ پر پھیلایا۔ باکس میں برش بھگویا اور کود کود کر گیلے برش کے وار ان قیمتی ملبوسات پر کیے جو اس کے کہنے کے مطابق بڑے بڑے اور مہنگے مہنگے تھے۔

''اب وہ کپڑے دنیا کے کسی بھی لانڈری ہاوس میں جاتے وہاں سے ویسے ہی واپس آتے جیسے جاتے۔''

۞..........۞..........۞
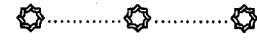
میں اس وقت ریسٹ روم میں تھی۔لڑکے والے آنے ہی والے تھے۔ہم سب لڑکیاں اپنے اپنے میک اپ کو آخری ٹچ دے رہی تھیں۔کہ انکل نیاز کا چھوٹا بیٹا بھاگتا ہوا اندر آیا۔

''عمار بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ مر جائیں گے عروہ آپی سے شادی نہیں کریں گے۔انہوں نے مائیک پر کہا ہے یہ۔''

لڑکیوں کے میک اپ کرتے ہاتھ رک گئے اور وہ میرے منہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

''وہ مذاق کر رہا ہوگا۔''میری ایک کزن نے اپنے خوشی کے تاثرات چھپاتے ہوئے کہا۔

''لیکن انہوں نے کہا وہ سچ بول رہے ہیں۔''

میں جان گئی کہ وہ سچ بول رہا ہے۔''مجھے کون سا اس گدھے سے شادی کرنی ہے۔''میں نے غصے سے چلا کر کہا۔

میری کزنز استہزائیہ مجھے دیکھ رہی تھیں۔ان کے خیال میں میں پاگل تھی جو عمار کو گدھا کہہ رہی تھی۔ان سب کے نزدیک کینیڈا میں رہنے والا انکل کا اکلوتا ڈیشنگ بیٹا گدھا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔اگر کوئی گدھا ہو سکتا تھا تو وہ میں تھی۔

الٹا مجھے گدھا بنا کر ا یکدم سے ہی ساری لڑکیوں کا میک اپ ہو گیا۔ایکدم سے ہی انہیں جلدی سے باہر جانا تھا۔ایکدم سے ہی انہیں یہ بھول گیا کہ انہیں مجھے بھی ساتھ لے کر باہر جانا تھا۔اور ایکدم سے ہی سارا ریسٹ روم خالی ہو گیا اور میں اکیلی کھڑی رہ گئی۔میرا خالی دماغ جیسا کہ ممی کو لگتا ہے وہ عمار کے لیے شدید غصے سے بھر گیا۔تقریب کے بعد جس وقت وہ اپنے کمرے میں بیٹھا مووی دیکھ رہا تھا اور ساتھ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا میں وہاں جا دھمکی۔

''تم اس غلط فہمی میں کیوں تھے کہ میں تمہیں اپنا منگیتر سمجھتی ہوں؟''میں نے ہاتھوں کو اس کی گردن سے دُور رکھنے کی باقاعدہ تگ ودو کی۔

''یہ غلط فہمی ہمارے والدین کو تھی۔''وہ دیکھ سکتا تھا کہ میں کیسے اپنے ہاتھوں کو سنبھال رہی ہوں اور وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''تو تمہیں یہ غلط فہمی مائیک پر ہی دُور کرنی تھی؟''

''یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔دراصل اس کا اعلان مجھے اس سے بھی بڑی جگہ پر کرنا چاہیے تھا۔''وہ ابھی بھی ڈھیٹ ہی بنا ہوا تھا۔

''میں تم سے اپنی منگنی بہت پہلے توڑ چکی ہوں۔''

''لیکن تم نے اس کا اعلان نہیں کیا تھا......اعلان میں نے کیا ہے......''

''تو تم اب یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میں اپنے چچا کے گھر موجود اپنے کمرے میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔ویسے تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟تمہیں

تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔میں نے خود کو تو مصیبت سے بچایا ہی تمہیں بھی بچا لیا۔''

''تو تم مان رہے ہو کہ تم مصیبت ہو جس سے میں بچ گئی؟''

''میں تمہیں احساس کمتری میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ہاں میں مان رہا ہوں کہ تم نے مجھے متاثر نہیں کیا اس لیے مجھے تمہارے لیے مصیبت بننا پڑا۔''

اوہ!میرے گال غصے سے سرخ ہو گئے اور ہونٹ نیلے۔کاش میں سانپ ہوتی اور اسے ڈس لیتی اور اسے نیلا کر دیتی۔لیکن کیونکہ میں سانپ نہیں ہوں اور اسے نیلا نہیں کر سکتی اس لیے میں اپنے کان غصے سے سرخ کر رہی ہوں۔

''مجھے تمہیں متاثر کرنا بھی نہیں تھا۔کشف کے نکاح میں تمہیں کافی لڑکیوں نے امپریس کر لیا ہوگا نا......''

''تم ان لڑکیوں سے جیلس ہو؟''

''میں ہر لڑکی سے جیلس ہوا کرتی تھی کہ وہ کیوں اتنی خوش قسمت ہیں کہ تم جیسا لڑکا ان کا منگیتر نہیں ہے۔لیکن اب ہر لڑکی مجھ سے جیلس ہوا کرے گی۔''میں کہہ کر جانے لگی۔

''تمہیں یہ دُکھ تو ہوگا کہ مجھ جیسے ہینڈسم لڑکے نے تمہیں چھوڑ دیا۔''

''دُکھ......ہاں بہت دُکھ تھا لیکن پہلے کہ تم جیسے ابنارمل لڑکے سے میرے ماں باپ نے میرا رشتہ طے کر دیا۔''

''تو تم خود کو نارمل سمجھتی ہو......''

''تمہیں تو کافی دکھ ہو رہا ہے اپنے ابنارمل ہونے کے بارے میں سن کر۔ان فیکٹ تمہیں یہ برا لگ رہا ہے کہ میں نے تمہیں گھاس نہیں ڈالی......''

''گھاس چرنے سے تو تمہیں ہی فرصت نہیں تھی۔اب جاو مجھے غصہ نہ دلاو۔ورنہ تمہیں سزا دینے کے لیے میں اس رشتے کے لیے ہاں بھی کہہ سکتا ہوں۔لیکن یہ سزا ساتھ مجھے بھی بھگتنی ہوگی۔''

''ہاں!یہ سزا تمہیں ہی بھگتنی ہوگی۔''یہ وہ خیال تھا جو میرے ذہن میں آیا اور پھر کبھی ذہن سے نکلا ہی نہیں۔

۞..........۞..........۞
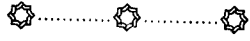
مجھے ڈر تھا کہ جیسے ہی ہم لوگ کینیڈا واپس آئیں گے ماما پاپا دونوں مجھ پر حملہ کر دیں گے۔لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔دونوں کا رویہ بہت اچھا رہا بلکہ ایک دن تو انہوں نے مجھے کہا کہ''تم ہمیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا' لیکن پہلے اچھی طرح سے سوچ لینا۔''

گو میں اپنے فیصلے سے وہاں سب کو آگاہ کر چکا تھا اور بہت ہلکا پھلکا تھا۔پلس مجھے مزید سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔لیکن پھر سے ایکدم سے جیسے مجھ پر بہت وزنی بوجھ آ گرا۔یعنی ابھی مجھے پھر سے سوچنا ہے۔ٹھیک ہے میں سوچ لیتا ہوں۔کل رات سوچوں گا کل میں فری ہوں۔کل کی رات آئی تو میں نے سوچا کہ آج کل میرے ایگزامز چل رہے ہیں مجھے ایگزامز کے بعد سوچنا چاہیے۔ایگزامز کے بعد مجھے خیال آیا کہ یہ میرے انجوائے منٹ کے دن ہیں مجھے ہر چیز بھلا کر صرف انجوائے کرنا چاہیے۔انجوائے منٹ کے دن ختم ہوئے تو پھر سے کلاسز شروع ہو گئیں اور میں سٹڈی میں بزی ہو گیا۔پھر سے ایگزامز آ گئے اور یونیورسٹی کے آخری سال کی ٹف سٹڈی شروع ہو گئی۔اتفاق سے اگر مجھے کچھ وقت فری ملتا

بھی تو میں کوئی نہ کوئی مووی دیکھ لیتا۔ کچھ نہ کچھ پکا کر کھانے لگتا یا رائن کے ساتھ گھومنے نکل جاتا۔ پھر میری جاب بھی بہت ٹف تھی۔ میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ میں ''سوچتا''۔

ڈنر ٹیبل پر جیسے ہی پاپا مجھے غور سے دیکھتے میں جلدی سے کھانا ختم کر کے اپنے کمرے میں آ جاتا...... کیوں؟ کیا میں ڈر رہا ہوں کہ وہ مجھ سے میرے فیصلے کے بارے میں نہ پوچھ لیں۔ جس کے بارے میں میں نے ابھی تک سوچا ہی نہیں؟ اُس فیصلے کے بارے میں جس پر میں بہت کلیئر ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں ڈر نہیں سکتا۔ یہ بھی پاپا کا کوئی ٹرک ہے۔ وہ مجھے الجھا رہے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر میرے ذہن پر بوجھ ڈال رہے ہیں۔ جو بھی ہے۔ فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ بس ایک بار پھر سے اس پر سوچ کر انہیں آگاہ کرنا ہے۔ چھوٹا سا معمولی سا کام لیکن بس مجھے وقت ہی نہیں مل رہا تھا۔

''تمہیں وقت کی کیا ضرورت ہے بس جھٹ جا کر کہہ دو کہ تمہیں نہیں کرنی عروہ سے شادی۔'' میرے اندر سے آواز آئی۔

''یہ چیٹنگ ہوگی پاپا نے کہا ہے ایک بار اچھی طرح سے سوچ لو۔''

''پاپا کو کس نے بتانا ہے کہ تم نے چیٹنگ کی ہے۔ کہہ دینا اچھی طرح سے سوچ لیا ہے۔''

''میں گلٹ کا شکار ہوں گا۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔''

''دراصل تم عروہ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ ہاں تم یہ چاہتے ہو۔ اب جب واقعی اسے چھوڑنے کا وقت آیا ہے تو تمہارے دل پر بوجھ ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ زہر لگتی ہے وہ مجھے۔''

''اسی زہر کے لیے تم نے دو سال لیے ہیں سوچنے کے لیے۔ اگر ایسی ہی زہر ہے وہ تو جاؤ جا کر انکار کر دو ابھی۔

ابھی میں جاب کے لیے اپنے انٹرویو کی تیاری کر رہا ہوں۔''

''دیکھا! پھر تم کہو گے تم انٹرویو دینے جا رہا ہوں۔ پھر تم کہو گے تم اپنی نئی جاب میں بزی رہتا ہوں۔ پھر یہ وہ پھر وہ۔ تم ابھی جاؤ ابھی کہو۔''

''ٹھیک ہے میں ابھی جا رہا ہوں...... ابھی ابھی......''

میں پاپا کے روم میں آیا۔ وہاں ماما بھی تھیں۔ دونوں میری طرف ایسے دیکھنے لگے جیسے میں بوری میں بند وہ بونا تھا جو اسٹور روم میں قید تھا۔ اور اب وہ بونا ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ سوالیہ بونے کو دیکھ رہے ہیں کہ ''بول اے بونے تجھے کیا چاہیے؟ تو اپنی بوری سے باہر کیوں آیا؟

''پاپا مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' بونا اس لیے بوری سے باہر آیا۔

''ہاں بولو......''

''وہ میں...... وہ مجھے آپ کی گاڑی چاہیے...... کل میرا انٹرویو ہے......''

''کیا میں تمہیں ڈراپ کر دوں......؟؟''

''میں خود چلا جاؤں گا۔'' اپنی بات کہہ دینے کے بعد بھی جب میں وہاں سے نہیں گیا تو پاپا نے پوچھا۔

''اور کچھ کہنا ہے تمہیں؟''

''نہیں! آپ کو ایسا کیوں لگا؟''

''تمہاری شکل پر لکھا ہے کہ تمہیں کچھ کہنا ہے۔''

''نہیں! مجھے کچھ نہیں کہنا۔'' میں اپنے کمرے میں آ گیا اور اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''یہ میں نے کیا کیا۔'' سامنے مرر میں میرا عکس مجھ پر قہقہے لگا رہا تھا۔

''میں نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ ضرور میرے دماغ کے ساتھ کچھ مسئلہ ہے۔''

''تمہارے دماغ نہیں دل کے ساتھ مسئلہ ہے۔''

میں نے اپنے کان بند کیے اور انٹرویو کے لیے اپنی فائل تیار کرنے لگا جو تیار ہی تھی۔ لیکن اسے پھر سے تیار کرنے میں کیا مسئلہ تھا۔ کہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا تو پھر مسئلہ تھا کہاں؟

میرا انٹرویو ہو گیا۔ مجھے جاب مل گئی۔ پاپا اب روز میری شکل کی طرف دیکھتے ہیں۔

''آپ ایسے مجھے کیوں دیکھتے ہیں؟''

''کیا تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے؟؟''

''آپ بہت اچھے ہیں...... مجھے یہی کہنا ہے......'' اتنا کہہ کر میں کھسک گیا اور کیوں کھسک گیا یہ بھی معلوم نہیں کر سکا۔ اب جب جب میں پاپا کو اور پاپا مجھے دیکھتے ہیں مجھے یہی لگتا ہے کہ ابھی وہ مجھ سے کہیں گے ''تمہیں کچھ کہنا ہے؟ ہے نا؟ کہہ دو۔''

''لیکن تم ڈر کس بات سے رہے ہو؟'' میرے اندر سے آواز آئی۔

''کیا میں کسی بات سے ڈر رہا ہوں؟'' میں نے خود سے پوچھا۔

''تمہارے انکل عروہ کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' پاپا کمرے میں آئے اور فوراً سے کہہ دیا۔

اوہ! تو یہ وہ بات تھی جس سے میں ڈر رہا تھا۔ عروہ کی شادی سے۔ یعنی مجھ سے اس کی شادی نہ ہونے سے پلس کسی اور سے ہو جانے سے...... ان دونوں باتوں سے میں ڈر رہا تھا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں۔ وہ تو مجھے ''نٹ'' لگتی ہے...... کڑوا اخروٹ......

''تم اپنا فیصلہ بتاؤ...... تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو یا نہیں تا کہ وہ کہیں اور کر سکیں......''

''انکل نے عروہ سے پوچھ لیا؟'' پتا نہیں کیسے میری زبان سے یہ نکل گیا۔ اُف میری زبان...... کیسے سلپ ہو جاتی ہے نا۔

''تم عروہ کو چھوڑو تم اپنی بات کرو......''

''میری بات......؟''

''ہاں! تمہاری بات...... کیا تم دوبارہ سننے لگے ہو...... بہرے ہو گئے ہو تم کیا......؟''

پاپا پتا نہیں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا۔

''سن رہے ہو مجھے؟'' پاپا نے میری آنکھوں کے سامنے اپنا ہاتھ لہرایا۔

''میری بات یہ ہے کہ جو عروہ کا فیصلہ ہوگا وہ مجھے منظور ہوگا۔'' مجھے اپنی زبان کو کاٹ ڈالنا چاہیے۔ایسی سلپنگ ٹنگ کو رکھ کر کیا کرنا ہے۔

''اچھا!'' پاپا نے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر وہ مسکرانے لگے۔

یہ پاپا آخر کیوں مسکرا رہے ہیں۔ارے میں بھی مسکرا رہا ہوں لیکن کیوں؟ اوہ میرے خدایا یہ میں نے کیا کر دیا۔

۞............۞............۞
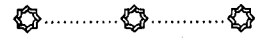
اپنے ڈریسز کا غم میں نے کیسے کم کیا یہ میں ہی جانتی ہوں۔میرا خیال تھا اب وہ بڑا ہو گیا ہوگا۔لیکن کشف کے نکاح میں اس نے جو کیا اس نے اس کی ساری تمیز بدتمیزی میں بدل دی۔یہاں تک بھی سب ٹھیک تھا۔اچھا ہی ہوا کہ اس نے منگنی توڑ دی۔اس میں منگیتر بنے رہنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔تھا کیا اس میں؟ میں بہت مطمئن ہوں۔ممی میرے روم میں آئیں اور انہوں نے مجھ سے کہا۔

''تمہیں عمار پسند نہیں ہے؟''

''نہیں!'' میں نے فوراً کہا

''ٹھیک ہے......تم یونیورسٹی جاو......اپنی سٹڈی مکمل کرو' پھر ہمیں سوچ کر بتا دینا۔''

''لیکن میں بتا چکی ہوں۔''

''ابھی نہیں......ابھی تم چھوٹی ہو......''

''اس سے زیادہ چھوٹی تھی جب آپ نے میری منگنی کر دی تھی۔اب تو کافی بڑی ہو چکی ہوں اب منگنی ختم کر دیں۔''

''ہوگا وہی جو تم چاہو گی۔کوئی زبردستی نہیں ہوگی' ہم نے اپنی طرف سے اچھا فیصلہ کیا تھا۔لیکن خیر' تم وقت لو۔''

''وقت لینے سے کیا ہوگا؟؟؟؟''

''وقت اور تجربے سے بہت سی باتیں سمجھ آ جاتی ہیں اور بہت سے لوگ اچھے لگنے لگتے ہیں۔''

''اچھا! اور وہ......ہونہہ......'' میں نے دل میں سوچا۔

میں نے رائنہ کو بتا دیا کہ میری منگنی ٹوٹنے ہی والی ہے بس۔

''گڈ! مبارک ہو۔'' اس نے دانت نکالے جو مجھے بہت برے لگے۔

''کسی کی منگنی ٹوٹ رہی ہے اور تم مبارک باد دے رہی ہو؟''

''تو اور کیا کہوں؟ تمہیں وہ پسند نہیں' تم اس سے نفرت کرتی ہو۔ایسے انسان سے جان چھوٹنے پر تمہیں مبارک باد نہ دوں؟''

''نہ دو......ہمارے یہاں یہ روایت نہیں ہے کہ منگنی ٹوٹنے پر مبارک باد دی جائے۔'' مجھ پر ابھی ابھی یہ وارد ہوا تھا کہ ہمارے یہاں یہ روایت ہے۔

''روایت......'' وہ بڑبڑانے لگی اور اس کا منہ بن گیا۔بنا رہے۔کم سے کم اسے بات کرنے کی تمیز ہونی چاہیے۔

چند دن گزرے تو یہی رائنہ اپنے ایک کزن کے بارے میں مجھے بتانے لگی۔میں جانتی تھی اس کے کزن کو۔مل بھی چکی تھی اس سے۔

''یہ تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔''

ساری بات بتا کر اس نے اپنی طرف سے بہت سرپرائز دینے والے انداز سے میرے کان میں سرگوشی کی۔اس کا کزن بھی اچھا تھا اور یہ بھی اچھا تھا کہ وہ مجھے پسند کرتا تھا۔لیکن مجھے یہ سب جان کر اچھا کیوں نہیں لگا۔حیرت انگیز طور پر میں نے فوراً رائنہ کے کزن کو مسترد کر دیا۔

''تم عمار کو پسند کرتی ہو نا؟''

''نہیں! مجھے نفرت ہے اس سے۔''

''پھر میرے کزن کے لیے انکار کیوں کر رہی ہو؟''

''کیونکہ تمہارا کزن مجھے پسند نہیں......''

''میرے کزن میں ایسی کیا خامی ہے؟''

''خامی کا مجھے نہیں معلوم بس وہ مجھے اچھا نہیں لگا......''

''بغیر خامی کے کوئی کیسے برا لگ سکتا ہے؟؟''

''لگ سکتا ہے............جیسے مجھے تمہارا کزن......''

''تم اپنی منگنی توڑنا ہی نہیں چاہتی......''

''میری منگنی ٹوٹ چکی ہے۔اب بس اس کا باقاعدہ اعلان ہونا ہے۔ماما نے کہا ہے میں سٹڈی مکمل کر لوں پھر اعلان ہوگا۔''

''ماما نے اعلان کرنے کے لیے تمہیں اتنا وقت نہیں دیا۔تمہارا دل عمار کی طرف پھر جائے اس لیے وقت د ہے۔اور وہ پھر چکا ہے۔''

''میرا دل کیا پھرکی ہے؟''

''سب کا دل ہی پھرکی ہوتا ہے......مجھے سائنس دان بننا تھا لیکن اب میں آرٹس پڑھ رہی ہوں۔دیکھا میرا دل پھرکی......''

''دل پھرکی......دل پھرکی......'' افف میری کانوں میں یہ فقرہ گونجتا رہا۔لیکن میں نے پرواہ نہیں کی۔خاندا سے میرے لیے چند پرپوزل بھی آئے۔ظاہر ہے سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ عمار نے کشف کے نکاح کی تقریب میں کیا ک ہے۔ممی نے انہیں فی الحال ٹال دیا کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔مجھے حیرت ہوئی کہ جب وہ پرپوزل والی فیملی آئی تو می اپنے کمرے میں خوف سے چھپ گئی۔

کیسا خوف؟ مجھے سمجھ نہیں آیا۔''میں ڈر کیوں رہی ہوں۔'' میں خود سے پوچھنے لگی۔

''تم ایکدم سے کیسے بیمار ہوگئی ضرور تم نے اپنی سٹڈی کی ٹینشن لی ہے۔''

ممی میرے ایکدم سے بیمار ہو جانے پر حواس باختہ سی ہوگئیں۔ میں خود بھی حواس باختہ ہی تھی۔ کہ میں ایکدم سے بیمار صرف اس لیے ہوگئی کہ میرا خاندان سے ایک رشتہ آیا ہے۔لیکن آخر کیوں ہوں میں خوفزدہ۔ کیوں؟ اس سے زیادہ خوفزدہ میں اس وقت ہوگئی تھی جب میرا آخری پیپر تھا۔

''لوگ ایگزمز سے فارغ ہوتے ہیں تو مزے کرتے ہیں تمہیں ڈرپ پر ڈرپ لگ رہی ہے۔'' میری فرینڈز مجھے تنگ کر رہی تھیں۔

''میں مزے کیوں نہیں کر رہی؟ کیا وجہ ہے آخر؟''

''بیٹا! تمہارے انکل پوچھ رہے ہیں کہ عروہ کا کیا فیصلہ ہے؟'' ممی ایکدن میرے پاس آئیں اور نرمی سے پوچھنے لگیں۔

''اوہ! تو یہ وجہ تھی۔لیکن یہی وجہ کیوں تھی؟ میرے ہاتھ میں ایک فوٹو البم تھا جسے میں دیکھ رہی تھی ''مردہ لوگوں کا فوٹو سیشن۔''

''کیسا فیصلہ......؟'' میں جانتی تھی کہ وہ کیا پوچھ رہی ہیں لیکن پھر بھی میں نے پوچھا۔

''عمار تمہیں پسند ہے یا نہیں؟''

''نہیں! وہ مجھے نہیں پسند......''

ماما نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''پھر اب تمہارا کیا فیصلہ ہے......اچھی طرح سوچ لیا ہے نا؟''

''اچھی طرح تو نہیں سوچا لیکن......''

۞............۞............۞
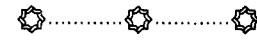
ہم پاکستان آچکے ہیں۔ بارات لے کر جا رہے ہیں۔ مجھے اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں نے اس شادی سے انکار کیوں نہین کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ میں خوش ہوں۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ مجھے خوش ہونا بھی ہے یا نہیں۔ میں خوش کیوں ہوں۔ کیونکہ میری شادی ہو رہی ہے یا اس لیے خوش ہوں کہ عروہ نے شادی سے انکار نہیں کیا۔ ویسے اس نے شادی سے انکار کیوں نہیں کیا۔ یہ بات مجھے خوفزدہ کر رہی ہے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ وہ عین نکاح کے وقت انکار کر دے گی۔ جیسے میں نے مائیک پر جا کر منگنی کے ٹوٹنے کا اعلان کیا تھا ایسے ہی وہ کرے گی۔

لیکن نہیں اس نے نکاح کے وقت انکار نہیں کیا بلکہ اب تو وہ میرے ساتھ آکر بیٹھ چکی ہے۔

''تو اب یہ ضرور رخصتی کے وقت بھاگ جائے گی۔ ہاں یہ یہی کرے گی۔'' میں نے اسے دیکھا وہ بھی مجھے ہی دیکھ رہی ہے۔اس کا چہرہ بھی میری طرح پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی خوف ہے۔ وہ بھی ڈری سہمی نظروں سے مجھے دیکھ رہی ہے۔

''تم ایسے مجھے کیوں دیکھ رہی ہو؟؟؟'' میں نے اپنا خوف دبا کر پوچھا

''تم ابھی بھاگ جاوگے نا؟'' اس کی آواز کانپ رہی ہے۔

''نہیں! لیکن تم ایسا ضرور کروگی۔'' میری بھی آواز کانپ رہی ہے۔ ساتھ ہی وہ پٹ پٹ مجھے دیکھ رہی ہے...... میں بھی پٹ پٹ اسے دیکھ رہا ہوں۔

''تم نے شادی سے انکار کیوں نہیں کیا؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہی ہے۔ کتنی تیز ہے یہ مجھے ہرانا چاہتی ہے۔

''تم نے شادی سے انکار کیوں نہیں کیا؟'' میں نے الٹا اس سے پوچھا۔

''میں بیوی بن کر ساری زندگی تمہیں سزا دینا چاہتی ہوں۔''

اس کی آنکھوں سے سارا خوف، وسوسے رخصت ہوگئے اور اس نے دلیری سے کہا۔

''اب تم بتاؤ......'' اس کی بڑی بڑی آنکھیں ساری کی ساری سمٹ کر مجھ پر مرکوز ہوگئیں۔

''میں شوہر بن کر ساری سزائیں بھگتنا چاہتا تھا۔'' میں نے بھی اسی کی طرح دلیری سے کہا۔ اور اپنی آنکھوں کو اس پر سمیٹ کر مرتکز کر دیا۔ میں کوئی اس سے ڈرتا تھا جیسے وہ مجھ سے نہیں ڈرتی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے نہیں ڈرتے، ہم دونوں ایک دوسرے سے نہیں ہارتے۔ ہم دونوں بچپن سے اب تک ایک تعلق میں بندھے رہے ہیں...... ہم دونوں کو اب بڑھاپے تک بھی ساتھ رہنا چاہیے۔ ہے نا؟

۞............۞............۞
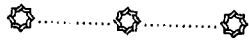
تو حرفِ بیاں

میں اس ایک لمحے کو کبھی نہیں کھوج سکا جس لمحے میں مجھے مشعل سے محبت ہوگئی تھی۔ میں اس ایک وجہ کو بھی نہیں جان سکا جس وجہ نے مجھے اس کا گرویدہ کر دیا تھا۔ کیا اسی لیے محبت کو اندھا' گونگا' بہرا کہا جاتا کیونکہ وہ لمحہ نہ دکھائی دیتا ہے' نہ سنائی اور نہ ہی اس لمحے کی سزا کے قیدی بنتے ہم کچھ بول پاتے ہیں۔

مشعل سے میری پہلی ملاقات یونیورسٹی کے پہلے دن ہوئی تھی۔ میں نے اس سے اپنی کلاس کے بارے میں پوچھا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کر دیا کہ وہاں ہے۔ جس طرح اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر بے اعتنائی سے ٹھک ٹھک کرتی چلی گئی۔ نجانے کیوں مجھے یہ منظر ہمیشہ یاد رہ گیا۔ اتنا یاد رہ گیا کہ میں اسے یونیورسٹی میں ڈھونڈنے لگا کہ وہ دوبارہ کہاں مل سکتی ہے۔

اور یہی میری پہلی غلطی تھی۔ اسے ڈھونڈنا۔ مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ میں اپنے تکلیف و کرب کے امکانات کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں ایک ایسے انسان کو تلاش کر رہا ہوں جو میرے دل کی ہستی کو برباد کر کے چھوڑ دے گی۔ جو میری محبت کی تذلیل کچھ ایسے انداز میں کرے گی کہ دوبارہ اس محبت کی عزت بحال نہیں ہو سکے گی۔

عزت جو مجھ جیسے عام اور معمولی انسان کو تو مل جاتی ہے......لیکن محبت نہیں ملتی......

میں ہمیشہ سے ایک برائٹ اسٹوڈنٹ رہا تھا پھر بھی میں ایک بی لو ایوریج ہز بینڈ ہی رہا۔ میں نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں پھر بھی بات کرنے کے لیے میرے پاس کوئی موضوع نہیں تھا۔ میں دیکھنے میں اچھا تھا۔ بلکہ گاؤں میں تو خوبصورت مشہور تھا پھر بھی میں ماڈرن اسٹینڈرڈ کے مطابق چارمنگ نہیں تھا۔ ہینڈسم تھا لیکن ''ہاٹ'' نہیں۔ مجھے کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' بات چیت کے سب آداب معلوم تھے پھر بھی میں پینڈو تھا۔

میں عادل......ایک دیہاتی' عام اور معمولی انسان......

اپنے شہر کے دوستوں سے کتنی ہی بار میں نے یہ سنا تھا کہ پینڈو کتنا بھی پڑھ لکھ جائے وہ رہتا پینڈو ہی ہے۔ اس بات پر میں نے کبھی ان سے کوئی تکرار نہیں کی تھی۔ مجھے لگتا ہے کہ شہر والوں کے نظریات بدلنا مشکل ہوتا ہے۔ شہر کے لوگ ذرا ضدی ہوتے ہیں۔ ان کے رویوں میں اتنی لچک نہیں ہوتی جتنی ایک دیہاتی کے رویے میں ہوتی ہے۔ میٹرک میں

جب میں نے بورڈ میں دوسری پوزیشن لی تو میرے اسکول کے ایک ٹیچر نے کہا کہ ''پینڈو جب پڑھنے پر آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھنا یہ عادل کتنا آگے جائے گا لیکن رہے گا پینڈو ہی۔''

یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہی کہ میں کتنا بھی آگے چلا جاوں گا رہوں گا پینڈو ہی......

ابا جی میری پیٹھ تھپک کر بار بار کہا کرتے تھے۔ ''پڑھ لکھ تے بابو بن جا۔''

بابو یعنی شہری۔ یہ وہ واحد بات تھی جو مجھے کم سے کم ابا جی کے منہ سے پسند نہیں تھی۔ ہم سب اپنی شناخت بدلنے کے لیے اتنے بے تاب کیوں رہتے ہیں۔ ابا جی ایک سادہ انسان تھے۔ شاید انہوں نے اپنی زندگی میں پینڈو ہونے کے طعنے اتنے زیادہ سنے تھے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں پینڈو بنوں۔ یا اس کی وجہ وہ لڑکی رہی تھی جس سے انہیں محبت ہوگئی تھی۔ اور وہ لڑکی شہری تھی۔

شاید بچپن میں یا پھر لڑکپن میں لیکن مجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابا جی کو اپنے کسی دُور کے رشتے دار کی بیٹی سے محبت ہوگئی تھی۔ وہ لڑکی کالج جاتی تھی جبکہ ابا جی میٹرک بھی پاس نہیں تھے۔ جب دادا جی شہر لڑکی والوں کے گھر رشتہ لے کر گئے تو انہوں نے شاید ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ ہماری بیٹی کالج جاتی ہے اور آپ کا بیٹا دس پاس بھی نہیں ہے۔ کم سے کم لڑکا میٹرک پاس تو ہو۔ پھر ہم سوچیں گے۔

اگر ابا جی کو اپنی محبت دس جماعتیں پاس کرنے سے مل سکتی تھی تو وہ یہ دس جماعتیں دس بار پاس کرنے کے لیے تیار تھے۔ ابا جی نے دو سال لگا کر میٹرک جیسے تیسے کر کے پاس کر لی۔ کالج میں داخلہ لینے ہی لگے تھے کہ لڑکی کے نکاح کی اطلاع آ گئی۔ دس جماعتیں پاس کر کے بھی وہ فیل ہو ہی گئے۔ سنا ہے کہ ابا جی تین ہفتے تک لاپتا رہے تھے گھر سے۔ کسی دربار سے ملے تھے۔ فقیر بن کے بیٹھے تھے دربار پر۔

دل سے وہ ابھی بھی وہی فقیر تھے لیکن مجھے فقیر بنے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ میرے لیے خوفزدہ تھے۔ اتنے کہ ساری زندگی ابا جی نے جتنا پیسا جمع کیا مجھے شہری بنانے میں لگا دیا۔ میرے کپڑوں' میرے جوتوں' میری کتابوں' میرے کھلونوں پر۔ وہ تو میرے لیے شہر جا کر رہنے کے لیے بھی تیار تھے لیکن دادی نے اپنی محبت سے باندھ لیا۔ دادی ایک ٹانگ سے معذور تھیں۔ جب ابا جی تین ہفتوں کے لیے لاپتا ہو گئے تھے تو دادی پاگلوں کی طرح ابا جی کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں کہ ٹرالے کے نیچے آ گئیں۔ جان بھی بڑی مشکل سے بچی تھی ان کی۔ ابا جی کی اس ایک محبت نے بڑا نقصان کیا سب کا' دادا جی کا' دادی کا' اماں کا' خود ابا جی کا اور سب سے زیادہ میرا......

میں کبھی ابا جی کے اس پاگل پن کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس وقت تک جب میں نے خود مشعل سے شادی نہیں کر لی تھی۔

میں ایک پینڈو آدمی جس کے باپ نے ساری زندگی اسے شہری بنانے میں لگا دی تھی' پینڈو ہی رہا۔ میری آسٹریلین یونیورسٹی کی ڈگری اور میری فیصل آباد کی جاگیر بھی مجھے برائٹ ہز بینڈ نہیں بنا سکی۔ میری فقیرانہ محبت کبھی اس درجے تک نہیں پہنچ سکی جہاں سے اسے بادشاہی کا رتبہ مل جاتا۔ یہ جذبہ فقیر کا وہ کشکول ہی رہا جو صداؤں پر بھی ''خیرات'' سے خالی ہی رہتا ہے۔

۞..........۞..........۞

"تم پاکستان کے کس شہر سے ہو مشعل؟"

جب میں نے اسے ڈھونڈ لیا اور یہ تک معلوم کرلیا کہ اس کا نام کیا ہے اور وہ کس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے تو ایک دن میں لائبریری میں جا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور ہائے ہیلو کے بعد پوچھا۔

"میں پاکستانی نہیں ہوں، پاکستانی نژاد ہوں۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ شاید اسے اپنے پاکستانی نژاد ہونے پر شرمندگی تھی۔

"اوہ! کیا تمہارے فادر بھی......؟؟"

"میرے گرینڈ پا پاکستانی تھے۔ میرے فادر آسٹریلین ہیں......تم کون ہو......تمہیں کس نے اجازت دی ہے ایسے مجھ سے آ کر باتیں کرنے کی؟"

میں شرمندہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ میں اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ میں نے اس کا نام معلوم کرلیا تھا۔ نہ وہ مجھے جانتی تھی نہ اس نے پہلی ملاقات کے اس منظر کو ذہن میں رکھا ہوا تھا جو میرے دل پر نقش ہوا تھا۔

"م......میں عادل ہوں......یونیورسٹی کے پہلے دن وہ..........وہ میں نے تم سے اپنی......"

"میں کسی عادل کو نہیں جانتی اور غیر ضروری لوگوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی......"

اس نے برا مان لینے کی حد تک اپنے لہجے کو برا بنا کر کہا اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ چند جملوں پر مشتمل یہ مکالمہ مجھے ہمیشہ یاد رہا۔ اتنا یاد کہ پھر دوبارہ میں نے کبھی مشعل سے بات کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ خوبصورت تھی اور پھر آسٹریلین تھی وہ ایسا لہجہ اپنا سکتی تھی۔ جتنا اس کا مزاج ہائی فائی تھا اتنا ہی اس کا انداز۔ اپنی کار سے لے کر کار کی کی چین تک وہ برانڈڈ گرل تھی۔ ہاں پھر وہ کیوں مجھ جیسے غیر ضروری لوگوں سے بات کرتی۔ اس کے پاس سب رائٹس تھے کہ وہ مجھے نظر انداز کر دیتی۔

لیکن میں اسے نظر انداز نہیں کر سکا۔ اسے یونیورسٹی میں آتے اور جاتے دیکھتا رہتا۔ اکثر اسے لائبریری میں کتاب کی اوٹ سے دیکھا کرتا تھا۔ وہ گہری سرخ لپ اسٹک لگاتی تھی۔ ایک صرف وہی تھی جو ایسے سرخ رنگ کو سنبھال سکتی تھی۔ اس کے بال ہمہ وقت بکھرے رہتے تھے۔ اس کی آنکھیں اردگرد سے لاپرواہ رہتی تھیں۔ اس کے ابرو کی اٹھان......دُور بہت دُور......بھاگ جانے کا الارم دیتی تھیں۔ اس کے چہرے کی تہہ میں چھپی سختی مجھے ہولا دیتی تھی۔ اگر وہ کسی ریک سے کتاب نکال رہی ہوتی اور میں بھی اسی ریک کے قریب کہیں موجود ہوتا تو اس کی سردمہری کی سرد لہر مجھے اکھاڑ کر رکھ دیتی تھی۔ پھر بھی دو سال تک میں مشعل کو دیکھتا اور اس کا مشاہدہ کرتا رہا۔

کیا میں اسے پسند کرتا تھا......مجھے نہیں معلوم......

کیا مجھے اس سے محبت ہو چکی تھی......مجھے نہیں معلوم......تھا......پھر معلوم ہو گیا......

اب اپنے باپ کی طرح میں بھی اس کے لیے کسی دربار کا مجاور بننے کے لیے تیار تھا۔ میرا دل وہ کشکول بن گیا جو "مشعل مشعل" نام کی صدائیں لگانے لگا......خیرات میں ہی سہی......کھوٹے سکوں کی صورت ہی سہی......مجھے اس کی محبت درکار تھی......

لیکن یہ بہت بعد میں ہوا......جب میری اس سے شادی ہو گئی......

* * *
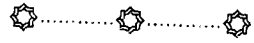
ڈگری لینے کے بعد میں گاؤں واپس جانا چاہتا تھا۔ میری چھوٹی بہن سارہ گاؤں میں ایک اسکول کھولنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی میں بھی واپس آ کر اس کے ساتھ کام کروں۔ لیکن ابا جی مجھے واپس بلانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ ہر بار مجھے سختی سے منع کر دیتے۔ کبھی کبھی ان کا انداز مجھے رویا رویا ہوا سا لگتا جیسے کہتے ہوں "پتر عادل اس چھوٹی دنیا میں واپس نہ آنا، لوگ چھوٹا سمجھ کر تمہیں کبھی بڑا نہیں بننے دیں گے۔"

"پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن گیا ہوں ابا جی۔ اب اپنے لوگوں کے لیے کام کرنا ہے مجھے......"

"وہاں بھی پاکستانی ہیں تم ان کے لیے کام کرو......"

"یہاں کے پاکستانی بہت خوشحال ہیں ابا جی۔ حکومت ان کے لیے سب کام کر رہی ہے۔ میں یہاں سے ڈگری لینے آیا تھا ہمیشہ رہنے نہیں۔"

"رہ لے پتر! ہمیشہ کے لیے ہی رہ لے۔ کون بلا رہا ہے تجھے یہاں۔ شہری ہو شہروں میں رہو، بڑے شہروں میں۔ کیا کرو گے گاؤں آ کر۔ لوگ تمہیں بابو کہتے ہیں کیوں چاہتے ہو کہ اب وہ تمہیں پینڈو کہیں۔"

"لوگ ایسا کچھ نہیں کہتے ابا جی......"

"کہتے ہیں......تم نہیں جانتے......تمہیں کچھ نہیں معلوم۔"

"میں آپ لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں ابا جی......"

"ہم تمہارے ساتھ ہی ہیں پتر......الگ کب ہیں تم سے......"

"ایک ہی بیٹا ہوں آپ کا ابا جی، مجھے بھی آپ خود سے ایسے دُور رکھ رہے ہیں......؟"

"ایک ہی بیٹے ہو اسی لیے کہتا ہوں بابو بن کے رہو......اپنے باپ جیسا نہ بن جانا۔ دیہات کتنے بھی بڑے ہو جائیں پتر، شہروں سے بڑے نہیں ہوتے۔ دیہاتی کتنا بھی پڑھ لکھ جائے نسلوں تک پینڈو گنا جاتا ہے......"

"میں بھی دیہاتی ہوں ابا جی......مان لیں......"

"تو صرف دیہات میں پیدا ہوا ہے بس......دیہاتی نہیں ہے تو......"

پتا نہیں ابا جی نے خود کو کن کن فلسفوں سے بہلایا ہوا تھا۔ وہ خود کو کیا کیا تسلیاں دیتے رہتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ابا جی کبھی نہیں مانیں گے۔ وہ اپنا ماضی میرے حال سے سنوارنا چاہتے تھے۔ پھانس جو ان کے دل میں ابھی تک چبھی رہ گئی ہے اسے وہ میرے کانٹے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اتنا پڑھ لکھ کر بھی میں اپنے باپ کو یہ نہیں سمجھا سکا کہ نہ وہ پینڈو ہیں اور نہ ہی میں۔ پینڈو تو وہ انسان ہے جو انسانوں میں فرق رکھتا ہے۔ کیا انسان کی ساری فصاحت اور علم اس کا لب ولہجہ اور طرز زندگی ہی ہے۔ نفیس انسان کے لیے جو پیمانے مرتب ہیں ان میں کھیتوں میں کام کرنے والوں، زمین پر بیٹھ کر رزق کھانے والوں اور مٹی گارے کی لپائی کرنے والوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے؟

کوشش کے باوجود میں پاکستان نہیں جا سکا۔ ابا جی یہی چاہتے تھے کہ یا میں یہاں کوئی بزنس کرلوں یا کوئی اچھی

سی جاب۔اچھی سی جاب تو مجھے فوراً مل گئی تھی۔اگر میں اپنا بزنس سیٹ کرنا چاہتا تو وہ بھی کر سکتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں بزنس کا ارادہ کروں گا اور اباجی سب کچھ بیچ کر میرے ہاتھ میں پیسے پکڑا دیں گے۔اور میں یہی نہیں چاہتا تھا کہ اپنی تین بہنوں کا حصہ بھی خود لے لوں۔اب اگر مجھے بزنس کرنا بھی تھا تو خود اپنے بل بوتے پر کرنا تھا۔

میری جاب اچھی تھی۔میرے ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ پاکستانی نژاد تھے۔شروع میں وہ مجھے اتنے سخت گیر اور غیر معمولی لاتعلق لگے کہ مجھے انہیں دیکھ کر مشعل کی یاد آجاتی۔ان کی سرد مہری بھی مجھے اکھاڑ کر رکھ دیتی تھی۔لیکن ان کی پروفیشنل مسکراہٹ زخم خوردہ لگتی۔اطوار میں تلخی اور ناپسندیدگی کی پرچھائیاں بھی نظر آتی تھیں۔

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جب ان کی سخت گیری کی پرتیں اترنے لگیں تو میں نے انہیں ایک ہمدرد انسان پایا۔شاید وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ہم سب انسانوں سے خائف تھے۔وہ ہماری خرابیوں سے اتنے بے زار ہو چکے تھے کہ کسی بھی نئے انسان کو کسی خوبی کے لیے بھی آزمانا نہیں چاہتے تھے۔

ہم دونوں آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے قریب آنے لگے یا یوں کہنا چاہیے کہ وہ مجھے اپنے قریب کرنے لگے۔ ہلکی پھلکی بات چیت گھنٹوں کی گپ شپ پر محیط ہوگئی۔پہلے کافی ساتھ پینے لگے پھر لنچ بھی کرنے لگے۔دو بار مل کر ہم کرکٹ میچ بھی دیکھ آئے تھے۔ایک رات جب وہ اچانک میرے فلیٹ میں آگئے تو ہم نے مل کر تھوڑی سی کوکنگ بھی کی۔ ساتھ ڈنر کیا۔پھر اکثر وہ میرے فلیٹ میں آنے لگے۔

''یہاں آکر تو بڑے بڑے لوگ بدل جاتے ہیں عادل تم ویسے کے ویسے ہی ہو۔'' میرے فلیٹ کو اپنا فلیٹ سمجھ کر کاؤچ پر نیم دراز ہوتے ہوئے وہ پوچھ رہے تھے یا مجھے بتا رہے تھے۔ان کے انداز سے میں سمجھ نہیں سکا۔

میں ہنس دیا۔'' آپ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے مجھے بہت پہلے سے جانتے ہیں......''

''میری عمر میں ماضی تک جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔تجربہ سب بتا دیتا ہے۔تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی میں یہ جان گیا تھا کہ تمہارا تعلق کسی چھوٹے شہر یا گاؤں سے ہے......''

''پینڈو دُور سے ہی پہچان لیا جاتا ہے نا؟'' میں نے قہقہہ لگایا

وہ ہنس دیے۔''پینڈو نہیں سادہ آدمی...... بڑے شہروں کے لوگ بڑے لاوڈ ہوتے ہیں۔سوپ بھی پیتے ہیں تو پورے اہتمام کے ساتھ......''

''لاوڈ تو چھوٹے شہروں کے لوگ بھی ہوتے ہیں سر......ہم بھی ساگ کو اہتمام کے ساتھ کھاتے ہیں دیسی گھی ،مکئی کی روٹی'اور لسی کے ساتھ......''

''ہوتے ہیں لیکن کم......''

''لاوڈ ہونا بری بات ہے......؟''

''بری نہیں لیکن عجیب ضرور ہے...... بلکہ سب کچھ ہی عجیب ہو گیا ہے...... کچھ نارمل رہا ہی نہیں ......''

''میں بھی عجیب لگتا ہوں آپ کو......ابنارمل؟''

''ہاہاہا! نہیں یار تمہیں نہیں کہہ رہا......''

''آپ ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہیں...... ہنسا کریں...... پورے دل سے......ساری خوش امیدی لے کر......''

وہ میری طرف دیکھنے لگے۔''تم ایک معصوم دل انسان ہو عادل......''

میں اس بات پر اتنا حیران ہوا کہ انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔'' آپ کیسے کہہ سکتے ہیں سر؟''

''میں نے کہا نا میری عمر میں یہ باتیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں۔معصوم دل لوگ مجھے اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔میں تم سے مل کر' باتیں کر کے بہت خوش ہوتا ہوں۔مجھے ایک لمبے عرصے بعد ایک ایسا انسان ملا ہے جس کی آنکھوں میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔''

''ہیر پھیر تو آپ کی آنکھوں میں بھی نہیں ہے سر......''

''شاید اسی لیے میری آنکھوں نے تمہیں پہچان لیا......''

۞............۞............۞
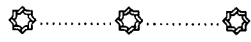
ایک دن مسٹر جلال نے مجھے اپنی میرج اینورسری کی پارٹی میں آنے کے لیے کہا۔سچ تو یہ ہے کہ میں وہاں ہرگز ہرگز جانا نہیں چاہتا تھا۔اپنے اندر اتنی قابلیت رکھنے کے باوجود میں ایسے لوگوں سے ملنے سے گھبراتا تھا جن کا تعلق کبھی کسی دیہات سے نہیں رہا۔جو خوبصورتی اور امارات کا ٹریڈ مارک بنے گھومتے ہیں۔جن کے تنے ہوئے چہرے اور خوش آمدیدی سے عاری آنکھیں ان کے کپڑوں کی طرح چمکتی دمکتی تو ہیں لیکن نقلی اور کھوٹی ہوتی ہیں۔جو خوش اخلاقی سے بولتے ہیں اور تہذیب سے مسکراتے ہیں لیکن پھر بھی نہ خوش کرتے ہیں نہ مسکرانے پر مجبور......میں ایسے لوگوں میں جا کر بے چین رہتا تھا۔اپنی ٹائی کی ناٹ کو ایسے ڈھیلا کرتا رہتا تھا جیسے اپنے دم کو گھٹنے سے بچا رہا ہوں۔

لیکن مجھے مسٹر جلال کے گھر ہر صورت جانا تھا۔انہوں نے مجھے اتنے اصرار سے آنے کے لیے کہا تھا کہ جیسے میں ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہوں جس کے بغیر ان کی پارٹی ادھوری رہ جائے گی۔

میرے آفس کے چند کولیگز بھی پارٹی میں موجود تھے۔جس وقت میں اپنے ایک کولیگ کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا اس وقت لاونج کی گلاس وال سے میں نے لان میں سوئمنگ پول کے کنارے کھڑی مشعل کو دیکھا۔میں اسے یونیورسٹی کے بعد اب دیکھ رہا تھا۔ پورے ایک سال تین ماہ بعد۔مجھے اڑتی اڑتی خبریں ملی تھیں کہ وہ امریکہ چلی گئی ہے۔وہاں اسے جاب ملی ہے۔پھر معلوم ہوا کہ وہ یہیں ملبورن میں ایک بڑے فیشن میگزین میں جاب کرنے لگی ہے۔

وہ اپنے انہی دوستوں کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی جن کے ساتھ وہ یونیورسٹی میں ہوتی تھی۔اس کے پانچ دوستوں کے گروپ میں سے نہ کوئی کم ہوا تھا نہ زیادہ۔وہ واقعی نئی دوستیاں کرتی تھی نہ غیر ضروری لوگوں سے بات......

کھڑکی کے اس طرف کھڑا میں مشعل کو دیکھتا رہا۔وہ گہرے نیلے رنگ کے پارٹی گاؤن میں تھی۔اور ہمیشہ کی طرح اس کے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک تھی۔اس کی گھنی بھنویں کسی مغرور اطالوی حسینہ کی یاد دلاتی تھیں۔وہ دل کو اجاڑ دینے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

اس کے قہقہے مجھے اس طرف دکھائی دے رہے تھے۔میں یہ حقیقت تسلیم کرنے کے لیے بالکل تیار تھا کہ وہاں کھڑے میں اسے جاہلوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ میں نے اسے اتنے عرصے سے نہیں دیکھا تھا تو مجھے کسی

پل قرار نہیں تھا۔ اب وہ نظر آ گئی تھی تو بھی مجھے قرار نہیں آ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں مسٹر جلال میرے پاس آ گئے۔ وہ کچھ وی آئی پیز کو اٹینڈ کر رہے تھے۔ وہ مجھے اور میرے چند دوسرے کولیگز کو باقی لوگوں سے متعارف کروانے لگے۔ پھر مسٹر جلال صرف مجھے اپنے ساتھ لے کر لان کی طرف آئے۔

''میری تین بیٹیاں ہیں عادل......'' آج پہلی بار وہ کھل کر باقاعدہ اپنی فیملی کے بارے میں بتا رہے تھے

''ایک بیٹی کی تین سال پہلے ڈیتھ ہو چکی ہے......''

''اوہ! بہت افسوس ہوا......''

''اس نے خودکشی کر لی تھی۔ اسے شادی کرنے کی بھی جلدی تھی اور مرنے کی بھی۔''

میں سناٹے میں آ گیا۔ ان کی مسکراہٹ اتنی تلخ 'کیوں رہتی ہے' میں نے جان لیا

''آؤ میں تمہیں اپنی سب سے چھوٹی بیٹی سے ملواتا ہوں۔ یوں سمجھو کہ میرا بچا کھچا اطمینان اب اسی بیٹی سے جڑا ہے۔''

مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اپنی ایک بیٹی کا دکھ بتانے کے بعد وہ مجھے اس سے ملوانے کیوں لے گئے تھے۔

اس سے...... مشعل سے......

جس وقت مشعل میری طرف اپنا ہاتھ بڑھا رہی تھی اس وقت وہ مجھے پہچاننے کی ذرا سی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔ ظاہر ہے میں اسے کیسے یاد رہ سکتا ہوں۔ میرا دل بجھ سا گیا کہ اس نے کیسے مجھے فراموش ہی کر دیا۔

''میں آپ کا یونیورسٹی فیلو بھی ہوں۔'' میں نے خود ہی یاد دلانا چاہا جس پر اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

اپنے پاپا سے ایکسکیوز کر کے وہ واپس اپنے دوستوں کے پاس چلی گئی۔ مجھے پورے تین ہفتوں تک اس بات کی سمجھ نہیں آ سکی کہ مسٹر جلال نے صرف مجھے ہی کیوں اپنی سب سے چھوٹی بیٹی مشعل سے متعارف کروایا۔ لیکن پھر مجھے سمجھ آ گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اس سے شادی کر لوں۔

کیوں......؟؟

☼......☼......☼
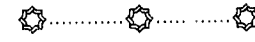
ان کی دو بیٹیوں اور ان کی اکلوتی بہن کی ازدواجی زندگیاں ناکام رہی تھیں۔ بڑی بیٹی نے ایک پاکستانی بزنس مین سے شادی کی تھی۔ تین سال کی محبت کے بعد ہونے والی شادی ڈیڑھ سال میں ہی اتنی بری طرح سے ناکام ہو گئی کہ وہ واپس آسٹریلیا آ گئی۔ دوسری شادی اس نے اپنے کولیگ مصری نژاد سے کی۔ چار سال بعد اس شادی کا انجام بھی طلاق پر ہوا۔ بہن شادی کے نو سال تک بے اولاد رہیں تو شوہر نے دوسری شادی کر لی۔ پھر جب وہ دو بچوں کا باپ بن گیا تو مسٹر جلال کی بہن کو طلاق دے دی۔ اس صدمے نے انہیں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہنے دیا۔

جس وقت مسٹر جلال نے مشعل سے شادی کے متعلق اشارہ دیا اس وقت میں جیسے بھونچکا رہ گیا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ مجھے مشعل سے شادی کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ یعنی وہ لڑکی جسے میں نے یونیورسٹی میں کتنی ہی بار صرف اس لیے دیکھا تھا کہ کسی کتاب کو پڑھنے سے زیادہ اسے دیکھنا ضروری ہو گیا وہ لڑکی میری بیوی بھی بن سکتی ہے۔

ٹھیک ایک ہفتے بعد مسٹر جلال نے مجھے مشعل کے آفس کا ایڈریس دیا اور کہا کہ میں اسے پک کر لوں۔ مشعل کی کار گیراج میں ہے۔ پہلے میں کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر کار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر میں اس کے انتظار میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

وہ آفس سے نکلی اور اپنی ٹریڈ مارک نظر سے مجھے سرسری سا دیکھا۔ اور ہیلو کہہ کر کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ سارے راستے وہ خاموش رہی۔ جس وقت میری کار مسٹر جلال کے گھر کے باہر رکی اور وہ دروازہ کھول کر باہر جانے لگی تو اس نے بس اتنا کہا۔

''پاپا چاہتے ہیں میں تم سے شادی کر لوں......''

جس شادی کی بات دراصل مجھے کرنی تھی اور میں کر نہیں پایا تھا اس کی بات اب وہ کر رہی تھی۔

''مجھے تم سے شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے...... تم پاپا کو خود منع کر دینا۔''

جب بات اس نے شروع کی تھی تو ختم بھی اسے ہی کرنی تھی۔

اور میں نے واقعی مسٹر جلال کو منع کر دیا۔ میں جانتا تھا یہ ممکن نہیں ہے۔ مشعل کو پسند کیا جا سکتا ہے۔ اس سے محبت بھی کی جا سکتی ہے لیکن اس سے شادی کا خواب دیکھا جا سکتا ہے نہ خیال سوچا جا سکتا ہے۔ وہ ناممکنات میں سے تھی۔ اسے ممکن کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں یہ بات سمجھ چکا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ میرے اور مشعل کے درمیان کچھ بھی کامن نہیں ہے۔'' میں نے مسٹر جلال کو وجہ انکار دی

''ہاں! ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ شادی ایک جیسی سوچ یا ایک جیسی چیزوں کو پسند کرنے کا نام تو نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ دو لوگ جو ایک جیسی دلچسپیاں رکھتے ہوں وہ ایک کامیاب زندگی بھی گزار سکتے ہوں۔''

''لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ دو الگ الگ طرح کے لوگ ایک کامیاب زندگی گزار سکتے ہوں......''

''میری بڑی بیٹی کومل نے اس شخص سے شادی کی تھی جس کے ساتھ اس کی کمال کی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ فروا نے جس سے شادی کی تھی اسے وہ اسکول کے وقت سے جانتی تھی۔ آٹھ سال سے...... اور کیا ہوا؟ شہریار نے چیٹنگ کی...... فروا نے اس لیے خودکشی نہیں کی تھی کہ شہریار نے چیٹنگ کی ہے۔ اس نے تو اس لیے اپنی جان لے لی کہ وہ شہریار کو آٹھ سالوں میں بھی پہچان کیوں نہیں سکی تھی۔ اس احساس نے اس کی جان لے لی کہ وہ دھوکا کھا چکی ہے۔ اور میری بہن...... وہ تو اپنے شوہر سے محبت بھی کرتی تھی اور اس کے ہر حکم پر سر بھی جھکاتی تھی۔ لیکن پھر بھی کیا ہوا؟

''یہ سب تو میرے اور مشعل کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے سر......''

''ہو سکتا ہے...... ہو تو کچھ بھی سکتا ہے لیکن تم اتنے اچھے انسان ہو عادل کہ تم کچھ بھی برا نہیں ہونے دو گے۔''

''اتنا ہی اچھا انسان ہوتا تو مشعل کو بھی اچھا لگتا سر......''

''ہماری بدقسمتی اس وقت عروج پر ہوتی ہے جب ہم اچھے انسانوں کی قدر نہیں کرتے۔ میں مشعل کو بدقسمتوں میں نہیں دیکھ سکتا۔''

انہوں نے کچھ اس انداز سے کہا کہ میرا دل بھیگ سا گیا۔ ایک انسان اپنی دو بیٹیوں اور ایک بہن کی بربادی پر اتنا دکھی تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب کوئی چوتھا انسان آئے اور اس کی لاڈلی بیٹی کی زندگی برباد کر دے۔ پرانے دکھ حال کو بوجھل بھی کر دیتے ہیں اور خوفزدہ بھی۔ مسٹر جلال بھی خوفزدہ تھے۔

میں خود بھی مشعل سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں اس سے محبت کرتا تھا۔ میں اس محبت کو اس کے ساتھ نبھاہ سکتا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ مجھے اس کے علاوہ کوئی اور پسند آ جاتا۔ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ اب میں اسے بھول جاتا۔ مجھے ساری زندگی پچھتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ مشعل سے شادی کی بات شروع ہو چکی تھی۔ میں نے ہمت سے کام نہیں لیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ اس لیے اس بار میں پھر سے اس کے آفس کے باہر اپنی کار میں موجود تھا۔ پارکنگ میں وہ اپنی کار کی طرف بڑھی تو میں فوراً اس کے پاس آیا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے مشعل......''

کار کا دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ اس کی آنکھیں اتنی تیکھی ہو گئیں کہ ان میں دیکھنا ناممکن ہو گیا۔

''کیا بات کرنی ہے؟''

میں نے جرأت سے کام لیا...... بہت جرأت سے کام لیا...... میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور کہہ دیا۔

''شادی کی...... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... میں تمہیں پسند کرتا ہوں...... بلکہ بہت پسند کرتا ہوں۔'' چاہ کر بھی میں محبت کا لفظ استعمال نہیں کر سکا۔

اس کی تیکھی آنکھوں میں تمسخر سمٹ آیا۔ اس کے ہونٹ ناپسندیدگی سے قہقہہ لگا دینے کے قریب ہو گئے۔

''میں تمہیں اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔ اس دن تمہارے ساتھ کار میں میں صرف پاپا کی وجہ سے بیٹھی تھی۔ تمہیں کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔''

''تمہارے انکار کی وجہ کیا ہے؟'' سارے تمسخر اور ناپسندیدگی کو نظرانداز کر کے میں نے پوچھا۔

وہ استہزائیہ ہنس ہی دی۔ ''میں صرف تم سے اس لیے شادی کر لوں کہ تم پاپا کو بہت پسند ہو۔''

''اور میں تمہیں اتنا ناپسند کیوں ہوں......؟''

''بہتر ہو گا کہ تم پاپا کی باتوں میں نہ آؤ۔ وہ میری دو بہنوں کے انجام سے خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں بھی نفسیاتی مریضہ بن جاؤں گی یا خودکشی کر لوں گی۔''

''تمہیں مجھ میں کیا ناپسند ہے مشعل؟'' میں نے اس کی بات کو نظرانداز کر کے اپنا سوال دہرایا۔

''تم میں پسند ہی کیا کیا جا سکتا ہے مسٹر عادل...... یہی کیا کم ہے کہ تم ایک عام اور معمولی انسان ہو......''

میں زندگی میں کبھی اتنا شرمندہ نہیں ہوا جتنا اس وقت ہوا جب مشعل نے یہ کہا۔ مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ ''عام'' ہونا کس قدر ذلت آمیز بات ہے اور ''خاص'' ہونا کس قدر ضروری ہے۔ کم سے کم محبت کے لیے...... کم سے کم مشعل کے لیے......

۞......۞......۞
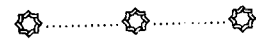
اس بار شاید مشعل نے ہی اپنے پاپا سے صاف صاف بات کر لی تھی کیونکہ انہوں نے آفس میں مجھ سے دوبارہ کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش ہو گئے تھے۔ جس دن میں نے انہیں یہ بتایا کہ میں پاکستان جا رہا ہوں۔ ایک سایہ سا ان کے چہرے پر لہرایا اور پھر اس سے اگلے دن ہمیں ان کے ہارٹ اٹیک کی خبر ملی۔

وہ آئی سی یو میں تھے۔ مسز جلال سے میں کافی دیر تک ان کی کنڈیشن کے بارے میں بات کرتا رہا۔ جس وقت میں ہاسپٹل سے نکل کر اپنی کار کی طرف آ رہا تھا اس وقت مشعل میرے پیچھے تیز تیز چلتی ہوئی آئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی میرے پیچھے آ رہا ہے۔ مجھے تب اندازہ ہوا جب میں نے اپنے پیچھے مسٹر عادل کی پکار سنی۔

''تم پاکستان جا رہے ہیں......؟''

مجھے حیرت تھی کہ اسے کیسے معلوم ہوا۔ ''جی...... ایک ہفتے بعد کی فلائٹ ہے میری......''

''تم پاپا کے ٹھیک ہونے سے پہلے کیسے جا سکتے ہو......؟''

میں حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔ ''میں ابھی نہیں ایک ہفتے بعد جا رہا ہوں۔ ایک ہفتے تک وہ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''تم گھر نہ جاؤ...... یہیں رہو...... انہیں ہوش آئے گا تو ان کے سامنے رہنا...... پھر ان سے ہماری شادی کی بات کر لینا......''

کہہ کر وہ چلی گئی۔ میں کار کے پاس حیرت زدہ کھڑا رہا۔

۞......۞......۞
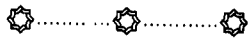
والدین اولاد کے لیے پہاڑ اپنے کندھوں پر اٹھا سکتے ہیں لیکن وہ اولاد کے دکھ کے ایک کنکر کے بوجھ کو اپنے دل پر نہیں اٹھا سکتے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مسٹر جلال مشعل کے لیے اتنے فکرمند تھے کہ انہیں لگا کہ اگر میں پاکستان چلا گیا تو انہیں اس پوری دنیا میں مشعل کے لیے کوئی اور لڑکا نہیں ملے گا۔ جن کی بیٹی کو مجھ میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آتی تھی اس کے باپ کو مجھ میں ہر خوبی غیر معمولی کیوں لگتی تھی۔ ایک کے لیے عام تھا تو دوسرے کے لیے خاص کیوں تھا۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی عار نہیں کہ میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ میرے من کی مراد ایک ہارٹ اٹیک سے پوری ہو سکتی تھی مجھے معلوم نہیں تھا۔ مشعل میرے اور اپنے لیے ''ہم'' کا لفظ استعمال کر سکتی تھی میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

میری اور مشعل کی منگنی ہو گئی۔ ابا جی، مشعل کا رشتہ لینے چھوٹی بہن سارہ کے ساتھ آئے تھے۔ ایک مہینہ رہے اور پھر چلے گئے۔

۞......۞......۞
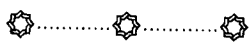
منگنی برائے نام ہوئی تھی۔ ابا جی نے ڈھیر سارے پیسے مشعل کو دیئے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور منگنی ہو گئی۔ مشعل دس منٹ ہمارے ساتھ بیٹھی رہی۔ پھر میں نے اسے کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا۔ عارضی طور پر لیا گیا دوپٹہ اس نے اتار دیا تھا۔ گھر کے دروازوں کو تیزی سے پھلانگتی، وہ گھر سے کہیں دور بھاگتی ہوئی سی لگتی تھی۔

میں جانتا تھا کہ وہاں منگنیاں کیسے ہوتی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ کم سے کم اس کے کسی دوست کی منگنی کیسی ہوئی ہوگی۔ اس کی ویسے نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے نہیں کہ میں ویسی منگنی ارینج نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ میرے ساتھ ویسی منگنی ارینج کروانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسی صورت میں منگنی کی پارٹی رکھتی جس صورت میں اس کا منگیتر اس کا من پسند ہوتا۔ جبکہ میں ایک عام انسان تھا۔ ایک دیہاتی۔ مجھ جیسے پینڈو کے ساتھ پارٹیز نہیں کی جاتیں۔ جشن نہیں منائے جاتے۔ ٹرنک نہیں ٹوسٹ کی جاتیں کیونکہ وہ اس کے مستحق نہیں ہوتے......

لیکن اس وقت تو میرے دل میں یہی دھن سمائی تھی کہ میں اسے اپنی محبت سے بدل دوں گا۔ مجھے اسے حاصل کرنے کی چاہ تھی بس۔ اسے اپنی بیوی بنا لینے کی۔ مجھے لگتا تھا کہ وہ خالی زمین ہے جس پر میری محبت کی فصل لہلہانے لگے گی......ایک دن......ایک دن تو ضرور......

✪......✪......✪
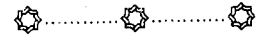
''میں تمہیں ڈنر پر لے جانا چاہتا ہوں مشعل......''

جواب میں کچھ دیر کی خاموشی ملی۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ جیسے وہ کوئی کڑوی گولی نگل رہی ہے۔

''رات کو مجھے گھر سے پک کر لینا۔''

اس نے آخر کار کہہ ہی دیا۔ لنچ سے اس رات کے ڈنر کے انتظار میں میں نے کتنی ہی راتوں کی مسافت طے کی۔ کتنی ہی بار میں اپنی وارڈ روب تک چل کر گیا اور اس میں رکھے اپنے کپڑے چیک کیے۔ مجھے پانچ سال ہو گئے تھے آسٹریلیا میں رہتے ہوئے۔ میری ڈریسنگ بہت آؤٹ کلاس نہیں تھی تو ایسی لو کلاس بھی نہیں تھی۔ میرے پاس اچھے، مہنگے، خاص، عام سب کپڑے موجود تھے۔ کچھ ڈیزائنرز ڈریسز اور جوتے بھی موجود تھے۔ لیکن پھر بھی مجھے لگا کہ ویک اینڈز پر جمپ سوٹ پہن کر سائیکلنگ کرنے والی لڑکی کو ڈنر پر لے جاتے ہوئے مجھے اپنی تیاری پر کچھ تو غور کرنا چاہیے بلکہ کچھ خاص تیاری کرنی چاہیے

پہلی بار جب مشعل نے مجھ سے شادی سے انکار کیا تھا تو یہ خیال میرے ذہن میں راسخ ہو چکا تھا کہ وہ مجھے میرے پس منظر کی وجہ سے ناپسند کرتی ہے۔ وہ مجھ جیسے پڑھے لکھے انسان کو ایک ہائی فائی پینڈو سے زیادہ نہیں سمجھتی۔

اسی لیے اب میں......ایک ہائی فائی پینڈو......ایک ہائی فائی منگیتر بننے کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔ ویب سائٹس کو سرچ کر رہا تھا۔ ڈنر کے لیے آن لائن ڈریسز دیکھ رہا تھا۔ کچھ کولیگز اور دوستوں سے مشورے کر رہا تھا۔ کچھ موویز اور ویڈیوز دیکھ رہا تھا۔

جس وقت میں مشعل کے لیے کار کا دروازہ کھول کر کھڑا ہوا اس وقت میں نے مشعل کو حیرت سے اپنے سراپے کو دیکھتے ہوئے پایا۔ وہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ وہ اگنور بھی نہیں کر رہی تھی۔ وہ بری طرح سے تلخ نظر آنے لگی تھی کہ میں کتنا اوور ڈریس ہو کر آیا ہوں۔ جب کہ وہ خود ایسے لباس میں تھی جس میں وہ آرام سے اپنے گھر کے لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھ سکتی تھی۔ پاپ کارن کھا سکتی تھی۔ کولڈ کافی پیتے اسے اپنے کپڑوں پر گرا بھی سکتی تھی۔ وہ جو گھر میں بھی ایسے رہتی تھی جیسے کسی پارٹی میں جا رہی ہو وہ آج اپنے منگیتر کے ساتھ پہلی بار جاتے ہوئے ایسے مردہ رنگ اور بجھے ہوئے لباس میں تھی جیسے کسی

دوست کی عیادت کے لیے ہسپتال جا رہی ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مشعل جیسی فیشن ایبل لڑکی کی وارڈ روب میں ایسا مرجھایا ہوا ڈریس بھی ہو سکتا ہے۔

میں نے اس کے لیے ڈنر ٹیبل بک کروائی تھی۔ مشعل میرے ساتھ نہیں چل رہی تھی۔ وہ مجھ سے آگے چل رہی تھی۔ جب ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تب بھی وہ خاموش رہی۔ تب بھی جب میں نے اپنی جیب سے ایک رنگ نکال کر اسے مشعل کے عین سامنے رکھا۔ مشعل نے ہاتھ بڑھا کر رنگ نکالی اور اسے اپنی انگلی میں پہن لیا۔

''تھینکس......''

اس نے میری طرف دیکھ کر کہنے کی غلطی نہیں کی۔ رنگ کو دیتے ہوئے میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ سوچا ہی رہ گیا اور ہم دونوں ڈنر کر کے گھر آ گئے۔ اس رات میں دیر تک اپنے فلیٹ میں ٹہلتا رہا۔ میں مشعل کے ساتھ ڈنر کر کے آیا تھا پھر بھی میرے ہاتھ میں خوشی کا کوئی سرا نہیں آیا تھا۔ میں اس کے عین سامنے بیٹھا رہا تھا پھر بھی میں مشعل کو حق سے یا محبت سے نہیں دیکھ پایا تھا۔ مشعل کے سٹینڈرڈ کے عین مطابق میں نے ٹیبل بک کروائی تھی پھر بھی میں کہیں سٹینڈرڈ سے نیچے ہی رہا تھا۔

ہال کے وسط میں بجنے والا پیانو بھی بے کار رہا......

میرے دل میں جلتی محبت کی ''مشعل'' گرم ہو کر بھی ٹھنڈی ہی رہی......

اور ایسے ڈنر اور فرسٹ ڈیٹ نائٹ تمام ہوئی۔ اور وہ رات بھی جس رات میں نے پھر سے مشعل کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔

✪......✪......✪
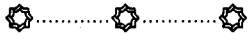
اس رات میں نے فیصلہ کرنا چاہا کہ مجھے یہ منگنی توڑ دینی چاہیے۔ شاید مشعل بھی خوش نہ رہ سکے۔ شاید مشعل بھی مجھے پسند نہ کر سکے۔ شاید میں بھی مشعل کے دل میں جگہ نہ بنا سکوں۔ میں نے ساری رات یہ فیصلہ کرنے میں لگا دی۔

اگلی صبح، آنکھ کھلتے ہی اس خیال نے کہ مجھے مشعل کو چھوڑ دینا ہے کچھ ایسے میرا گھیراؤ کیا جیسے تیز آندھی لہلاتی فصلوں کا کرتی ہے۔ میرے دل کی دھرتی سے سبزا ناپید ہو گیا اور کلرزدگی کا جال پھوٹ نکلا۔ مجھے ایسے لگا میرے جسم سے کچھ جدا ہو رہا ہے۔ میری جان بے جان ہو رہی ہے۔ کوئی میرے دل کو پھٹا پرانا کپڑا سمجھ کر ادھیڑ رہا ہے۔

پھر اس رات کی صبح میں نے دو تکلیفوں کا موازنہ کیا......مشعل کے ساتھ رہنے کا......مشعل کے بغیر رہنے کا......

مشعل کے بغیر رہنے والی تکلیف ہار گئی اور میں نے مشعل کے ساتھ رہنے والی تکلیف کا انتخاب کر لیا۔

✪......✪......✪

''تم میرے فیانسی ہو میرے گارڈ نہیں۔ کیوں روز مجھے پک کرنے آ جاتے ہو؟''

''مجھے اچھا لگتا ہے......''

''مجھے اچھا نہیں لگتا......مجھے الجھن ہوتی ہے۔'' وہ کوفت سے بولی۔

اور کچھ راتوں سے پہلے، کچھ صبحوں کے بعد، جو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ مشعل کے ساتھ رہنے والی تکلیف بہتر

ہے۔اس فیصلے نے جیسے مجھ پر قہقہہ لگایا۔میرا چہرہ شرمندگی کے احساس کو چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

''تم میرے اعصاب پر سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔''

کاش وہ اعصاب کی جگہ دل کہہ دیتی۔یا کاش ایسا دل کو مسل دینے والا جملہ اس کے اندر کہیں ہی دم توڑ دیتا ہے۔

''میں جانتا ہوں تم مجھے پسند نہیں کرتی......تم نے انکل جلال کے لیے مجھ سے منگنی کی ہے۔''

''تم طنز کر رہے ہو......؟''

''حقیقت بتا رہا ہوں۔اگر تم چاہو تو میں انکل سے بات کر سکتا ہوں۔''

''کیا بات کر سکتے ہو؟''

''یہی کہ ہمیں اس منگنی کو ختم کر دینا چاہیے......''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہیں میری بھی کوئی ضرورت نہیں ہے مشعل......تمہیں مجھے برداشت کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔میں ایک ایسی ناپسندیدہ ہستی ہوں جس کے لیے چاہ کر بھی تم اپنی ناگواری نہیں چھپا سکتی۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور کار میں بیٹھ گئی۔اگلی بار اس نے پھر نہیں کہا کہ میں اسے پک کرنے نہ آیا کروں۔البتہ یہ ہوا کہ اب وہ دروازہ کھولتی، بیٹھتی اور فوراً اپنا سمارٹ فون آن کر لیتی اور اس کے ساتھ مصروف ہو جاتی۔ہر بار ایسا ہی ہوا۔ہمیشہ ایسا ہی رہا۔پھر بھی میں اسے پک کرتا رہا۔اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتا رہا۔اس کی بے اعتنائی کو دیکھتا رہا۔

میں عادل......مجھے افسوس بھی ہوتا رہا لیکن میں کیا کرتا......میں دُکھ کرتا یا محبت......

✿.........✿.........✿
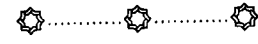
انکل جلال اکثر مجھے گھر ڈنر پر بلا لیتے تھے۔مشعل کی سب سے بڑی بہن کومل کو انکل نے امریکا سے اپنے پاس مستقل بلا لیا تھا۔وہ اب انہی کے ساتھ ان کے گھر میں رہتی تھیں۔وہ بھی مشعل کی طرح ہائی فائی لیڈی تھیں لیکن ان میں بے اعتنائی کی مقدار مشعل کی نسبت کم تھی۔وہ ہائے ہیلو سے آگے چند جملوں پر مشتمل بات چیت کر لیتی تھیں۔مسز جلال بھی کم و بیش مشعل اور کومل جیسی ہی تھیں۔لیکن شاید شوہر کی محبت میں وہ مجھ سے اس طرح بات کرتیں جیسے اگر میں ان کا داماد نہ ہوتا تو ان کا بڈی ہوتا۔لیکن جب جب میں انہیں انکل جلال کے بغیر ملتا مجھے لگتا کہ وہ مجھے ''شٹ اپ'' کہہ کر ''گٹ لاسٹ'' ہونے کے لیے کہہ دیں گی۔

کسی ایگری منٹ کی طرح کی ہی سہی لیکن میری انٹری جلال فیملی میں ہو چکی تھی۔مجھے کافی بھی آفر کی جاتی تھی اور ساتھ بٹھا کر مووی بھی دیکھ لی جاتی تھی۔

ڈنر ٹیبل پر مشعل کا رویہ کچھ کچھ بدل جاتا تھا۔اس کے لیے وہ کس مشکل سے گزرتی میں جانتا تھا۔وہ میرے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ جاتی تھی۔مجھے فوڈ سرو کرتی۔مجھ سے ہلکی پھلکی باتیں کر لیتی تھی۔میں جانتا تھا کہ یہ سب انکل جلال

کے لیے کیا جاتا ہے۔صرف انکل جلال کو دکھانے کے لیے۔میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ دکھاوا ہی سہی مشعل میرے لیے مسکراتی تو ہے۔اوپرے دل سے ہی سہی وہ میرا حال چال تو پوچھتی ہے۔اور سب سے بڑی بات وہ میرے ساتھ آ کر بیٹھتی ہے۔میرے برابر......

''لیکن اس رات جب انکل جلال نے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر یہ کہا کہ انہوں نے ہماری شادی کا دن طے کر لیا ہے تو مشعل مسکرا سکی نہ ہی وہ اپنے سامنے رکھی پلیٹ میں سے کھانا اٹھا کر منہ تک لے جا سکی۔وہ کھانے سے کھیلتی رہی۔

میں نے مشعل کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔اگر میں اس کی طرف دیکھ لیتا تو شاید میں اتنا دل گرفتہ ہو جاتا کہ مشعل کو چھوڑ کر پاکستان لوٹ جاتا۔پھر پاکستان میں گاؤں کی زمین پر مجاور بن کر بیٹھ جاتا۔میرا دل اس خیال سے ہی بلکنے لگا۔میں نے خود کو انتہائی اذیت میں گھرے ہوئے پایا۔

''تمہاری فیملی کب تک آ جائے گی عادل؟'' انکل پوچھ رہے تھے

''دو ہفتے بعد......''

''مشعل تمہیں یہ ڈیٹ سوٹ کرتی ہے......کوئی پرابلم تو نہیں؟؟''

''نہیں......کوئی پرابلم نہیں......''

اس نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔انکل اور میں دیر تک شادی کے انتظامات کو ڈسکس کرتے رہے۔اگلے دن مجھے آفس میں مشعل کی کال آئی۔

''میں گھر لینا چاہتی ہوں......''

یہ پہلی فرمائش تھی جو شادی کے سلسلے میں مشعل نے کی تھی۔گھر کے لیے میں بھی سوچ رہا تھا لیکن چاہ کر بھی مشعل سے ڈسکس نہیں کر سکا۔بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ انکل نے مشعل سے کہا تھا کہ وہ اپنی پسند سے عادل کے فلیٹ کا انٹرئیر کروا لے۔اور شاید مشعل میرے فلیٹ میں آنا پسند نہیں کرتی تھی اس لیے اس نے مجھ سے کہا کہ میں گھر کا ارینج کروں۔

وہ اسی ایریا میں رہنا چاہتی تھی جہاں انکل رہتے تھے اور اس نے ایک گھر بھی وہیں دیکھ لیا تھا۔پیسہ میرا مسئلہ کبھی نہیں رہا تھا لیکن میں اتنا بھی امیر نہیں تھا کہ اس ایریا میں اتنا بڑا گھر فوراً خرید لیتا۔میرے اکاونٹ کی اتنی حیثیت نہیں تھی۔لیکن مشعل سے یہ سب کیسے کہا جاتا۔اس نے پہلی بار تو فون کر کے مجھ سے کہا تھا کہ وہ گھر لینا چاہتی ہے۔مجھے وہ گھر ہر صورت لینا تھا۔میں نے ابا جی کو پاکستان فون کیا اور اپنا مسئلہ بتا دیا۔ابا جی نے رات سے دن پتا نہیں کیسے کیا اور کتنی ہی زمین بیچ کر پیسے میرے اکاونٹ میں ڈالوا دیئے۔میں نے گھر خرید لیا۔اور بس مشعل سے اتنا کہہ دیا کہ ابھی میں اس پورے گھر کا انٹرئیر نہیں کروا سکتا۔وہ صرف بیڈ روم اور لاونج کا کروا لے۔

''میں خود کروا لوں گی انٹرئیر تم فکر نہ کرو......''

وہ استہزائیہ سی ہنس دی۔میری چیز اس کی تھی اور اس کی میری لیکن جب میری محبت ہی اس کی نہیں تھی تو پھر اس کا کچھ بھی میرا نہیں تھا۔وہ اتنے بڑے فیشن میگزین میں جاب کرتی تھی۔وہ ایسا ایک گھر بھی خرید سکتی تھی اور اس کا انٹرئیر بھی کروا سکتی تھی۔میں جانتا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی مرد عورت کے خریدے ہوئے گھر میں تب ہی رہ سکتا ہے جب عورت

اپنے دل کا گھر اس مرد کی ملکیت میں دے چکی ہو۔

''یہ گھر اور تم میری ذمہ داری ہو...... مجھے کچھ وقت دو میں سب کر دوں گا......''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور سارے گھر کا انٹیریئر کروا دیا۔ وہ گھر جو میں نے خریدا اور جسے مشعل نے سجایا ایک ایسا گھر تھا جو مجھے مشعل کی طرح ہی بے اعتنا، روٹھا اور اکھڑا اکھڑا سا لگتا۔ اس گھر کے باہر میرے نام کی تختی تھی پھر بھی مجھے لگتا تھا وہاں میرے علاوہ سب رہ سکتے ہیں۔ وہاں کی ہر چیز خوبصورت تھی سوائے وہاں میری موجودگی کے۔ وہ مشعل کا گھر تو لگتا تھا لیکن ایک دیہاتی کا نہیں۔ پھر بھی وہ دیہاتی وہاں رہ رہا تھا۔ کاش میں تھوڑی سی ہمت سے کام لے سکتا اور مشعل کو چھوڑ کر پاکستان آ سکتا۔

ان دنوں بھی میں ہر رات یہ فیصلہ کرتا کہ مجھے پاکستان چلے جانا چاہیے۔ اور ہر رات کی ہر صبح میں خوف سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔ میں اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی مشعل کی تصویر کو ہاتھ میں لیتا اور اسے اپنے سینے میں چھپا لیتا۔

''چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا...... جیسے پا لینا مشکل ہوتا ہے......''

یک طرفہ ہی سہی محبت تو محبت ہی ہوتی ہے نا۔ دو طرفہ ہونے میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگے' یک طرفہ محبت اپنی آس نہیں چھوڑتی۔

۞......۞......۞
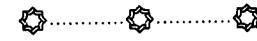
شادی ویسی ہی ہوئی تھی جیسی مسٹر جلال کی لاڈلی اور آخری بیٹی کی ہونی چاہیے تھی۔ مشعل دیسی ہی دلہن بنی تھی جیسی اس جیسی لڑکی بن سکتی تھی۔ میں بھی ویسا ہی دلہا تھا جیسا کہ مجھے ہونا چاہیے تھا۔ پھر بھی اس شادی میں شادی والی کوئی بات نہیں تھی۔

اگر یہ شادی ہی تھی تو...... پھر بھی یہ شادی نہیں تھی......

شادی سے پہلے شاپنگ کے لیے میں نے کافی بار مشعل سے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور اپنی پسند سے جو لینا چاہے وہ خرید لے۔ لیکن مشعل نے مجھے ایسا کوئی موقع دیا نہ وقت۔ مجھے خود ہی اس کے لیے شاپنگ کرنی پڑی۔ میں اس کے پسندیدہ ڈیزائنرز کے پاس گیا تھا اور اس کے لیے کچھ ڈریسز اور جیولری ڈیزائن کروائی۔

وہ ڈریسز میں نے اسے کبھی پہنے نہیں دیکھا۔ جیولری اس نے چند بار پہن کر وارڈروب میں لاک کر دی تھی یا کہیں پھینک دی ہوگی۔ ہماری گرہستی آباد ہو گئی۔ گھر میں ایک ایسا سناٹا رہنے لگا تھا جیسا سناٹا میرے فلیٹ میں بھی کبھی نہیں رہا تھا جہاں میں اکیلا رہتا تھا۔ لیکن اب دو لوگوں کی موجودگی میں وہ ہمیشہ رہتا......

اتنا عرصہ آسٹریلیا میں اکیلے رہنے کا ایک فائدہ مجھے ضرور ہوا تھا کہ میں ایک اچھا کک بن گیا تھا۔ مجھے کوکنگ کا شوق بھی تھا۔ شروع میں جب میں نے اپنے لیے دیسی کھانے بنائے تو حیرت انگیز طور پر مشعل نے انہیں بہت رغبت سے کھایا۔ یہ کھانے اس کے اپنے گھر میں بھی بنتے تھے۔ لیکن شاید اسے میرے ہاتھ کا ذائقہ پسند آ گیا تھا۔ پھر ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

''کیا تم آج چکن فجیتا بنا سکتے ہو؟''

چکن فجیتا مشعل ایک مخصوص ریسٹورنٹ سے ہی کھاتی تھی۔ اب اگر اس نے مجھے بنانے کے لیے کہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ اب وہ اسے گھر میں کھانا چاہتی تھی یعنی جب اس کا دل چاہے تب۔ میں یہ ڈش آرام سے بنا لیتا تھا۔ پھر بھی میں نے آن لائن کوئی پچاس ویڈیوز دیکھیں تا کہ اگر کہیں کوئی کمی یا زیادتی ہے تو میں وہ بھی دُور کر لوں۔ میں مشعل کے سامنے بے حد لذیز فجیتا رکھنا چاہتا تھا۔ اسی لیے مشعل کے گھر آنے سے پہلے میں کوئی چھ بار الگ الگ فجیتا بنا کر ٹیسٹ کر چکا تھا۔

''آہ!...... یہ خوشبو...... کیا میری ناک مجھے ٹھیک بتا رہی ہے؟ کیا تم نے فجیتا بنا لیا ہے؟'' وہ کچن کی سمت گئی۔

وہ شاید جانتی نہیں تھی کہ میں تو آج آفس ہی نہیں گیا تھا۔ میں نے بیسٹ ٹیسٹ کا چکن فجیتا سٹوو پر رہنے دیا تھا۔ اس نے پین کا ڈھکن اٹھایا۔ چمچ سے چکھا۔ پھر جلدی سے پلیٹ میں ڈال کر کھانے لگی۔ نہ اس نے کپڑے بدلے اور نہ ہی میز پر بیٹھنے کا تردد کیا۔ جب اس نے ساری پلیٹ صاف کر دی تو میں نے پوچھا۔

''ٹھیک بنا تھا......؟''

وہ ہنس دی۔ پہلی بار شاید میری کسی بات پر۔ ''ٹھیک! اٹس آؤٹ آف دی ورلڈ...... کیا یہ مجھے ہفتے میں ایک بار مل سکتا ہے۔''

''یہ تمہیں ہفتے کے سات دن مل سکتا ہے......''

''شکریہ! تم کمال کے کک ہو......''

ماحول اتنا دوستانہ ہو گیا کہ میں کچن میں گیا اور باقی کے چھ فجیتا بھی اٹھا لایا۔ ''یہ بھی ٹرائی کرو...... شاید تمہیں یہ بھی پسند آئیں۔''

اس نے سوالیہ مجھے دیکھا اور پھر میز کو۔ ''تم نے اتنا سارا بنا لیا؟''

''ہاں! الگ الگ چھ بار...... جو سب سے بیسٹ تھا وہ تمہیں دیا ہے......''

مسکراہٹ اس کے چہرے سے غائب ہو گئی۔ شاید اس نے برا مانا۔ لیکن میرے لیے یہی کافی تھا کہ مجھ جیسے معمولی آدمی کے ہاتھ کے پکے کھانے اسے غیر معمولی لگے تھے۔ اس رات میں اطمینان سے سویا۔ مجھے اُمید نظر آ رہی تھی کہ وہ ایک دن مجھے بھی چکن فجیتا کی طرح پسند کرنے لگے گی۔ لیکن اس رات کی صبح بہت عجیب تھی...... اس صبح نے میرے دل کو نئے سرے سے...... نئی مایوسی سے توڑا......

۞......۞......۞

آفس میں مجھے مشعل کی ایک دوست کا فون آیا۔

''تم مشعل کے ساتھ کیمپنگ کے لیے کیوں نہیں جا رہے۔ مشعل ٹھیک کہتی ہے تم بہت بورنگ ہو۔''

حال احوال کے بعد لیزا نے پہلا سوال کچھ ایسے پوچھا۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے کیا جواب دینا ہے

''میں پھر کبھی چلا جاؤں گا۔ آج کل میں مصروف ہوں۔''

لیزا نے مجھے ایک لمبا لیکچر دیا اور فون ٹھک سے بند کر دیا۔ ٹھک سے ہی میرے دل کا اطمینان رخصت ہو

گیا۔ گھر آیا تو مشعل پیکنگ کر رہی تھی۔

''میں کیمپنگ کے لیے جا رہی ہوں......'' اس نے تیسرے اور آخری بیگ کی زپ کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے......انجوائے کرنا......'' میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے۔

کچھ سامان جو ابھی بھی بیڈ پر بکھرا تھا وہ ان کا جائزہ لیتی رہی۔ اس نے مجھ سے مزید بات کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

''کب واپس آؤ گی'' وہ اگلی صبح جا رہی تھی جب میں نے پوچھا۔

''شاید دو ہفتوں تک......ہمارا پلان تھوڑا لمبا ہے......زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں......''

''میں تمہیں مس کروں گا......کم سے کم مجھے ایک میسج کر دیا کرنا......''

اس کے دوست باہر کار میں بیٹھے ہارن پر ہارن بجا رہے تھے۔ میں اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے' اس کا بیگ اٹھا کر باہر لا رہا تھا کہ میرے آگے چلتے چلتے وہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھٹک سی گئی۔ لیکن اس نے پلٹ کر مجھے پیچھے نہیں دیکھا۔ وہ پلٹ کر بھی مجھے پیچھے نہیں دیکھے گی۔ میں جان گیا ہوں۔ نہ ہی وہ پلٹ کر بھی میرے پاس آئے گی۔ وہ میرے دل کے جتنی قریب تھی' میں اس کے دل سے اتنا ہی دور تھا۔

گھر میں کھانے کے نام پر میں نے برگر اور پزا کھانا شروع کر دیا۔ کافی پر کافی پینے لگا۔ اس کی موجودگی میں بھی گھر میں سناٹا ہی رہتا تھا لیکن اب تو یہ سناٹا میرے اندر رہنے لگا تھا۔ تو میرا یہ فیصلہ ٹھیک تھا کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا......ہاں یہ فیصلہ ٹھیک تھا......

وہ مجھے باقاعدگی سے ایک میسج کرتی رہی۔ ایک میسج جس کا مجھے چوبیس گھنٹے شدت سے انتظار رہتا تھا۔ جس کے لیے مجھے بار بار فون کو دیکھنا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے میں آفس میں کوئی کام ٹھیک سے نہیں کر پایا تھا......

''ہیلو! آج ہم فشنگ کے لیے جا رہے ہیں......''

''ہائے! آج سنی ڈے ہے......موسم اچھا ہے یہاں......''

''لیزا کے پاؤں میں چوٹ آئی ہے......ہمارا آدھا دن ڈاکٹر کے پاس گزرا۔''

روز آنے والا ایسا ایک آدھ میسج میرے لیے اتنا ہی ضروری تھا جتنا ضروری ''مشعل'' کی واپسی کا انتظار کرنا۔

میں اسے فون کرتا بھی تو فون دو منٹ کے اندر اندر بند ہو جاتا۔ میرے پاس کہنے' پوچھنے' سننے کے لیے بہت وقت تھا بلکہ سارا ہی وقت تھا۔ لیکن مشعل کے پاس نہیں تھا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میری بورنگ فون کالز اس کا ٹرپ خراب کر دیں۔ اور یہ بھی کہ جب اس کے فون پر ''عادل کالنگ'' آئے تو اس کا سارا موڈ خراب ہو جائے۔ وہ کوفت سے اِدھر اُدھر دیکھے اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے میری فون کال ریسیو کرنی پڑے۔

جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ میرے ساتھ رہ رہی تھی......

گھر واپسی پر وہ مجھے زندگی سے اتنی بھرپور لگی کہ مجھے دُکھ ہوا کہ میں نے اس سے شادی کر کے اسے مرجھا دیا

ہے۔ مجھے اس کی ہر خوشی کے غم میں بدل جانے میں صرف اپنا ہی قصور نظر آیا۔ اگر مجھے اس سے محبت نہ ہو چکی ہوتی تو میں کتنی آسانی سے اسے چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔ اتنی آسانی سے جتنی آسانی سے وہ مجھے چھوڑ جاتی ہے......ہر روز......ہر پل......ہر بار......

٭......٭......٭

مشعل کے آفس میں ہونے والے فنکشن اور دوستوں کی طرف سے دی جانے والی پارٹیز' میں ہم دونوں کو بلایا جاتا تھا۔ لیکن وہاں مشعل اکیلی جاتی تھی۔ مجھے یہ پوچھنے کی اور مشعل کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ مجھے ساتھ لے کر کیوں نہیں جاتی۔

اب مجھے معلوم ہونے لگا تھا کہ میرے کند ذہن باپ نے میٹرک کیسے پاس کر لی تھی۔ دو سال وہ رات دن کتابوں سے کیسے چپکا رہا تھا......مجھے لگتا ہے میں دسویں جماعت کبھی پاس نہیں کر سکوں گا......میں خود کو آئینے میں دیکھتا اور مجھے اپنی پوری شخصیت پر فیل فیل لکھا ہوا نظر آتا............مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ ابا جی تو در بار سے واپس گھر آ گئے تھے لیکن میں کبھی واپس نہیں آ سکوں گا......جو جوگ ابا جی نے ادھورا چھوڑ دیا تھا اسے میں پورا کروں گا......

ورنہ ان دو ادھوری محبتوں کی قیمت نجانے کس کس کو چکانی پڑے گی............کسی کو فقیر بن کر............کسی کو کشکول پکڑ کر......

اس لیے میں نے ہر صورت مشعل کا دل جیتنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرا بھی دل چاہتا تھا کہ جب وہ تیار ہو تو میرے بازو اس کی کمر میں حمائل ہوں۔ میرے پاس یہ حق ہو کہ میں جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کر سکوں۔ میں اس کے بالوں کی لٹ کو چھو سکوں۔ محبت کا اظہار کہیں' تو کسی گوشے میں تو میں ممکن کر سکوں۔

وقت بدل جاتا ہے لیکن محبت کے امتحان وہی رہتے ہیں۔ میں نے دادی کو کسی سے کہتے سنا تھا کہ ابا جی کو ان دنوں تین تین استاد پڑھانے آتے تھے۔ چونکہ ابو جی کند ذہن تھے اس لیے ایک بات انہیں پچاس بار سمجھانی پڑتی تھی۔ پھر بھی انہیں سمجھ نہیں آتی تھی۔ بار بار پر لکھنے کی مشق کرنے سے شاید انہیں یاد ہو جائے۔ انہوں نے لکھ لکھ کر کاغذوں کا انبار لگا دیا تھا۔ وہ راتوں کو نیند میں اپنا سبق دہراتے تھے۔ دن کو جاگتے میں اپنا سبق دہراتے تھے......محبت......محبت......

وہ حقیقت جسے میں نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ مجھے پھر سے اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑا۔ کہ میں ایک دیہاتی ہوں۔ مجھ میں کچھ بھی غیر معمولی نہیں۔ مجھے اپنے دیہاتی پن سے نفرت ہونے لگی۔ اس دیہاتی پن کو میں اپنی ذات اور شخصیت پر سے کھرچ کھرچ کر اتار دینا چاہتا ہوں۔ اپنے معمولی پن کو غیر معمولی پن میں بدلنا چاہتا ہوں۔

ایک رٹا مجھے بھی لگانا تھا۔ جسے اسکول میں کبھی اپنے سبق کے رٹے نہیں لگانے پڑے۔ جس نے میتھ میں ہمیشہ ننانوے فیصد نمبر حاصل کیے۔ جو میٹرک سے ہی فر فر انگلش بولنے لگا تھا۔ جسے ملبورن یونیورسٹی میں آرام سے داخلہ مل گیا۔ جسے جاب کے لیے دھکے نہیں کھانے پڑے۔ وہ عادل اپنی بیوی کو خوش دیکھنے کے لیے بتیس سال کی عمر میں چھ ماہ کا گرومنگ کورس کرنے جانے والا ہے......

"آپ کو گرومنگ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی......اپنے پروفیشن کے لیے......؟"

"نہیں! اٹس فار پرسنل ریزن......" ایڈمیشن سے پہلے مجھ سے چھوٹا سا انٹرویو لیا گیا۔

"اور وہ پرسنل ریزن کیا ہے......خود اپنے لیے یا فیملی' دوستوں یا گرل فرینڈ کے لیے......؟؟"

"وائف کے لیے......" یہ جواب دینے میں مجھے کچھ وقت لگا۔

"کیا وہ چاہتی ہیں کہ آپ ایسا کریں......انہیں آپ کی پرسنالٹی میں کس طرح کی تبدیلیاں چاہیے؟"

"میرا تعلق دیہات سے ہے۔ میں اپنا دیہاتی پن ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اس ہائی فائی سوسائٹی کا حصہ نہیں بن پا رہا۔ میں خود کو بہت کمتر محسوس کرتا ہوں۔ میری وائف ایک بہت بڑے فیشن میگزین میں کام کرتی ہے۔ وہ مجھ جیسے دبے دبے لوگوں کو پسند نہیں کرتی۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ پارٹیز میں جا سکوں۔ وہ مجھے اپنے ساتھ فخر سے لے جا سکے۔ شاید وہ میری وجہ سے شرمندہ ہے......"

"کیا آپ کو بھی خود پر شرمندگی ہے......؟؟"

مجھے کتنی ہی دیر تک جواب کے لیے سوچنا پڑا۔ "شاید! ہاں......"

"آپ پڑھے لکھے ہیں......اچھی لک' اچھی جاب ہے آپ کے پاس......پھر بھی؟"

"ہاں! پھر بھی......"

میرا انٹرویو لینے والا تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ "احساس کمتری تو شخصیت کی موت ہے......"

"اسی موت سے تو زندگی چاہتا ہوں......"

"آپ اپنی وائف کو کیوں نہیں بتانا چاہتے کہ آپ گرومنگ کے لیے آئے ہیں......؟"

میں کافی دیر تک خاموش رہا اور پھر میں نے سچ بولنے کا ارادہ کر لیا۔

"اسے میری ذات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ شاید میری گرومنگ ہو جائے تو اسے کچھ......"

یہ بات کہتے ہوئے میں نے محسوس کیا جیسے میں انٹرویو لینے والے سے التجا کر رہا ہوں یا بری طرح سے التجا کرنے ہی والا ہوں کہ خدا کے لیے مجھے بدل دو۔ اتنا بدل دو کہ مشعل کا دل بھی بدل جائے۔ اسی وقت میں نے اس احساس کو پا لیا جب ابا جی اپنے اُستادوں کی باقاعدہ منت کیا کرتے تھے کہ "مجھے دس جماعتیں پاس کروا دیں استاد جی......اللہ کا واسطہ ہے......مجھے ایسے پڑھا دیں کہ میں پاس ہو جاؤں......مجھے فیل نہیں ہونا......مجھے پاس کروا دیں......اللہ کا واسطہ ہے جی......

گرومنگ کورس کے اس بیچ میں میں وہ واحد انسان تھا جو اپنی بیوی کو متاثر کرنے کے لیے وہ کورس کر رہا تھا۔ مجھ پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ یہ توجہ اس انٹرویو کا نتیجہ تھی جو میرا پہلے دن ہوا تھا۔

سیکھنے سے کچھ بھی آ جاتا ہے اور لگن سے کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میری شخصیت میں لمحہ بہ لمحہ تبدیلی آ رہی تھی۔ میری ڈریسنگ میں' میری بول چال اور بات چیت میں۔ اگر کہیں میرے ظاہر میں گنوار پن تھا بھی تو وہ بھی میل کی طرح اترنے لگا تھا۔

کورس کے پانچویں مہینے میں میں نے کم و بیش انہی ماڈلز کی طرح کی شخصیت اپنا لی تھی جو مشعل کے میگزین کے کور پر آتے تھے۔ کورس کے شروع میں میری ویڈیو بنائی گئی تھی۔ پھر ہر ہفتے وہ ویڈیو بنتی تھی۔ چھٹے مہینے کے پہلے ہفتے ساری ویڈیوز ایک ساتھ مجھے دکھائی گئیں۔ اور میں نے خود کو اجڈ گنوار سے "ماڈرن گائے" بنتے دیکھا۔ مجھ میں حیرت انگیز تبدیلیاں آئیں تھیں۔ میں نے دیہاتی' سیدھے سادے سے' غیر اہم عادل کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا تھا بلکہ دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکال دیا تھا......اب یہ نیا عادل تھا......مشعل کا شوہر......گرومڈ......پالش......ہینڈسم......چارمنگ......آؤٹ کلاس......

❁......❁......❁
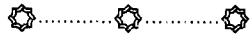
"اگلے ہفتے تمہارے آفس میں سالانہ پارٹی ہے نا......؟"

مشعل نے مجھے دیکھا اور صرف سر ہلایا۔

"میں بھی جاؤں گا......تمہارے ساتھ......"

مشعل نے کوئی جواب نہیں دیا اور انکار بھی نہیں کیا۔

میں اس کے ساتھ پارٹی میں گیا۔ میں نے اس کے گرد اپنے بازو بھی حمائل کیا۔ اس کے ساتھ چلتے' لوگوں سے ملتے میں بالکل نہیں جھجکا۔ میں نے اپنے اندر کی مایوسی اور اپنی شخصیت کی کم مائیگی کو اپنے اندر سے نکال کر پھینک دیا تھا۔ میں خوش تھا۔ بہت خوش تھا۔ اور خوش ہی رہتا اگر ہال میں کپل ڈانس کا آغاز نہ ہو چکا ہوتا۔

مشعل اپنی کسی کولیگ کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ میں دُور میز پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک کر کے سب ڈانس کرنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ مشعل کی طرف اس کے مرد کولیگ بڑھے اور ڈانس کے لیے کہا لیکن مشعل نے انکار کر دیا۔ اس کی کولیگ نے میری طرف اشارہ کیا۔ پھر ہال میں ہونے والے ڈانس کی طرح۔ مشعل ہنس کر رہ گئی۔ میں مشعل کی اس ہنسی کے معنی جانتا تھا۔ وہ مجھ پر ہنسی تھی۔

میں چھ ماہ کے گرومنگ کورس کو مکمل کرنے کے بعد وہاں گیا تھا۔ اور وہاں جا کر یہ احساس ہوا تھا کہ میں کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب میری اور مشعل کی شادی ہوئی تھی تب بھی ایسا ہی ڈانس ہوا تھا۔ مشعل نے اپنے پاپا اور اپنے بھانجے کے ساتھ کیا تھا۔ دنیا دکھاوے کے لیے ہم دنوں نے رقص کی کوشش کی تھی لیکن وہ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں روک دی گئی تھی۔ میں اس کے برائیڈل گاؤن میں بری طرح سے الجھ رہا تھا اور کچھ ایسا مضحکہ خیز لگ رہا تھا کہ شرمندگی سے مشعل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انکل جلال ہنستے ہوئے میرے پاس آئے اور میرا کندھا تھپک کر کہنے لگے۔

"تمہارے بس کی بات نہیں لگتی......میری بیٹی کو گرا نہ دینا......"

میں نے زندگی میں کبھی اکیلے ڈانس نہیں کیا تھا کجا یہ کپل ڈانس۔ بظاہر ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو اپنے پارٹنر کا ہاتھ پکڑنا ہے اور تھوڑا بہت موو کرنا ہے لیکن اگر پارٹنر مشعل ہو تو پھر اتنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ مشعل کے سامنے جو آج بھی سرخ لپ اسٹک کو پورے اہتمام سے سنبھال کر رکھتی ہے اور اپنے سفید گاؤن میں جس کی بیک ناپسندیدگی کی حد تک بیک لیس ہے میں وہ کسی بھی صورت کہیں سے بھی پاکستانی نژاد نہیں لگتی کہ ساتھ کپل ڈانس کیسے آسان ہو سکتا ہے۔ آسان تو یہ بھی نہیں

تھا کہ اسے کسی اور کے ساتھ ڈانس کرتے دیکھا جائے۔ لیکن شاید میرے لیے کچھ آسانیاں زندہ تھی اور میری غیرت کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہاں اس نے کسی اور کا ہاتھ تھام کر رقص نہیں کیا تھا۔

گھر واپسی پر میں اس کا ہاتھ بھی نہیں پکڑ سکا۔ وہ اتنی تیزی سے جا کر کار میں بیٹھی اور کار میں بیٹھ کر اس نے کچھ ایسے انداز میں سیٹ کی پشت پر سر ٹکا کر خود کو تھکا سا لیا کہ میرے لیے خاموش رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا۔

جس وقت وہ بیڈروم کی طرف جا رہی تھی اور میں کاؤچ پر بیٹھا تھا۔ اس وقت اس نے نے ہائی ہیل کے ساتھ ٹھک ٹھک چلتے رک کر مجھے دیکھا 'جیسے کہنا چاہا'' دیکھا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا تم میں ایسا ہے ہی کیا جو تم سے شادی کی جائے۔''

اسے مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی......اور مجھے اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی......

اسے مجھ سے محبت نہیں تھی...... مجھے بھی اس سے محبت کرنی چھوڑ دینی چاہیے تھی......

اس کی صورت ضروری تھی اور میری ناممکن......

✡..........✡..........✡
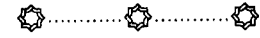
انکل جلال بہت خوش خوش رہنے لگے تھے۔ وہ پھولے نہیں سماتے تھے کہ ان کی بیٹی اپنے گھر میں کس قدر خوش ہے۔ وہ علاج کے لیے کسی نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہے نہ ہی اسے سلیپنگ پلز کھا کر اپنی زندگی کو ختم کرنے کی جلدی ہے۔ وہ اکثر ہمارے گھر اچانک آ جاتے اور مجھے کچن میں کوکنگ کرتے اور مشعل کو میز لگاتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ یا کبھی میں ٹی وی دیکھ رہا ہوتا اور مشعل لاؤنج میں رکھی اپنے رننگ مشین پر دوڑ رہی ہوتی۔ وہ اس طرح کے مناظر دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے۔

اپنے پاپا کو ایسے خوش دیکھ کر مشعل بھی پھولی نہیں سماتی تھی۔ جب جب وہ گھر آتے، مشعل کا رویہ ایک دم سے بدل جاتا۔ وہ معمول سے کچھ زیادہ مجھ سے مخاطب ہونے لگتی۔ بلکہ وہ بار بار مجھ سے مخاطب ہوتی......

''دیکھیں پاپا آج عادل نے کیا بنایا ہے۔ یہ ہر بار مجھے حیران کر دیتا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنا بہترین کک ثابت ہو سکتا ہے......کمال کی کوکنگ کرتا ہے یہ......''

پاپا ہنس دیتے۔ ''اچھا شوہر ثابت ہو گیا ہے تو کک کیوں نہیں......''

''کیسے اچھا شوہر ہوا یہ......میں اسے شاپنگ پر نہیں لے جا سکتی...... یہ بور ہوتا ہے......''

''ہاہاہا! ہر مرد بور ہوتا ہے مائی ڈیئر صرف یہ ہی نہیں......''

مشعل کو واقعی اپنے پاپا سے بہت پیار تھا کیونکہ ان کے آنے پر وہ اتنی مکمل اداکاری کرتی تھی کہ مجھے شک ہونے لگتا تھا کہ وہ اداکاری نہیں کر رہی بلکہ ہمارا تعلق ہے ہی ایسا۔ کاش وہ اداکاری نہ کیا کرتی۔ کاش اسے دکھاوے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور کاش وہ اتنی فرمانبردار نہ ہوتی کہ اسے مجھے برداشت کرنا پڑتا۔ وہ ان سے اتنی محبت نہ کرتی کہ اسے میرے ساتھ بیوی بن کر رہنا پڑتا۔

ہم دونوں میں جیسے کوئی ان دیکھا معاہدہ طے تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں خود سے انکل سے کچھ نہیں کہوں گا اور یہ بھی

کہ جس وقت وہ انکل کے سامنے اداکاری کرے گی میں بھی اس کا ساتھ دوں گا۔ مجھے تو اس کا ساتھ ہمیشہ دینا تھا......اس کی ناپسندیدگی کے بدلے میں بھی پسندیدگی ہی دینی تھی......

اسے میرے ہاتھ کے پکے کھانے پسند ہیں۔ اسے اب میری ڈریسنگ پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اور ایک دن ہو سکتا ہے ایسا بھی ہو کہ میری شخصیت پر اٹھنے والے سب اعتراضات ختم ہو جائیں۔ میں خود کو اتنا بدل دوں کہ مشعل کا دل بھی بدل جائے۔ پھر مجھے خود کو پورا بدل دینے میں وقت نہیں لینا چاہیے۔

اس کی سالگرہ آنے والی ہے اور میں ایک بڑی پارٹی کا ارینج کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ رقص کروں۔ اس لیے مجھے دو نہیں چار قدم آگے بڑھنا چاہیے اور رقص سیکھ لینا چاہیے......

جس وقت میں ڈانس اکیڈمی گیا اس وقت میں نروس بھی تھا اور شرمندہ شرمندہ سا بھی۔ میں نے زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یہ سب کرنا ہوگا۔ نہ مجھے ان چیزوں کا شوق تھا نہ کبھی ضرورت رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ یہ سب صرف فلموں میں ہوتا ہے۔ جیسے چاند آسمان پر ہے اور وہ زمین پر نہیں آ سکتا ایسے ہی فلموں کی چیزیں حقیقی زندگی کا حصہ نہیں بن سکتیں۔

''تمہیں کپل ڈانس آتا ہے......''، مشعل کے ساتھ پہلی بار پارٹی پر جانے کے بعد میں نے اگلے دن اپنے کولیگ سے پوچھا۔

''وہ کسے نہیں آتا ہوگا...... مجھے تو ٹینگو بھی آتا ہے......''

مجھے حیرت ہوئی۔ ''کیا سب کو یہ ڈانس وانس کرنا آتا ہے۔''

اس نے کندھے اچکائے۔ ''شاید......ویسے میری بیوی کمال کی ڈانسر ہے۔ کیا خوب رقص کرتی ہے۔''

''اور تم......؟''

''میں اس کے مقابلے میں پھوہڑ ہوں۔ لیکن میں مینج کر لیتا ہوں......''

''کیسے مینج کرتے ہو......؟''

اس نے قہقہہ لگایا'' جیسے مجھ جیسے پھوہڑ شوہر کر لیتے ہیں۔ میں اسے مجبور کر دیتا ہوں کہ وہ میری آنکھوں میں دیکھے نہ کہ میرے رقص کو......ہاہاہا......''

مشعل کی آنکھوں میں دیکھنا ایسے ہی تھا جیسے کوئی جرم کرنا......

''کیا تم مجھے کپل ڈانس سکھا دو گے......''

''بہتر ہے کہ تم کسی انسٹرکٹر سے سیکھ لو بلکہ اگر تم چھوٹے موٹے ڈانسر بننا چاہتے ہو تو ڈانس اکیڈمی جوائن کر لو۔''

میں ہنس دیا۔ وہاں ابا جی زمینوں اور فیصلوں میں الجھے ہیں۔ اماں جی سارہ کی شادی کے لیے جہیز بنا رہی ہیں۔ سارہ اپنا اسکول چلا رہی ہے اور یہاں میں رقص سیکھنے کا سوچ رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں مشعل کو متاثر کر سکوں۔ یا اس لیے کہ ایک بار ہی سہی میں اس کے ساتھ ڈانس کر سکوں۔ یا صرف اور صرف اس لیے کہ اگر حاصل ہو سکے تو ایسے محبت کو

حاصل کر سکوں۔‘‘

جن دونوں میں گرومنگ کورس کر رہا تھا میں نے اکثر نوٹ کیا تھا کہ وہ ترچھی نظروں سے مجھے دیکھ لیا کرتی ہے۔ شاید وہ دیکھ رہی تھی کہ میں بدل رہا ہوں۔ وہ نوٹ کر رہی تھی کہ میری وارڈروب میں تبدیلی آ رہی ہے۔ میرے بالوں کا ہیئر اسٹائل بدل گیا ہے۔ میں برانڈڈ شاپنگ کرنے لگا ہوں بلکہ فضول خرچ لڑکیوں کی طرح میرے پاس بھی اب جوتوں' کپڑوں' پرفیومز اور گھڑیوں کا ڈھیر لگنے لگا ہے۔

پہلے ایسا نہیں تھا۔ دیہات میں رہنے والے ایک دیہاتی کی طرح میرے لیے چند ڈریسز بھی کافی تھے۔ اپنے پورے یونیورسٹی پریڈ میں میں نے چند بار شاپنگ کی وہ بھی صرف موسم کی تبدیلی پر۔ میں نے کبھی دوسرے لوگوں کے کپڑوں پر غور نہیں کیا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ہم نے کیا پہنا ہوا ہے اور اسے کتنی بار پہنا ہے۔ اگر ہمارا پہناوا صاف ستھرا ہے تو وہ بار بار پہنا جا سکتا۔

اب یہ بات مجھے بے چین رکھتی ہے کہ میں بے کار چیزوں پر لاکھوں روپے لگا رہا ہوں۔ میرا گاؤں جہاں ہر گھر میں بجلی تو ہے لیکن ہر کمرے میں بلب اور پنکھا نہیں' جہاں پانی کے لیے ہاتھ والے نلکے ہیں' جہاں آج بھی بہت سے گھروں میں اتنی غربت ہے کہ لالٹین کی روشنی میں عورتوں کو رات رات بھر کڑھائی سلائی کر کے اپنا پیٹ بھرنا پڑتا ہے۔ کتنے ہی بچوں کو میلوں دور چل کر کالج جانا پڑتا ہے۔ ایک ایسے پس منظر سے تعلق رکھنے کے بعد میرا آسٹریلیا جیسے ملک میں ہزاروں ڈالرز کپڑوں پر لگا دینا پاگل پن تھا۔ میں نے یہ پاگل پن صرف مشعل کے لیے کیا۔ اگر پیسے سے محبت خریدی جا سکتی ہے تو میں یہ محبت خرید رہا تھا...... اگر محبت کسی بازار میں بکتی ہے تو میں اس بازار میں خود کو نیلام کر کے اسے پا لینے کے لیے تیار تھا......

✡.........✡.........✡

جو سوچنے میں مضحکہ خیز لگتا ہے وہ حقیقت میں اتنا ہی حقیقی لگتا ہے۔

میں حقیقت میں ڈانس اکیڈمی موجود تھا کیونکہ چند ہفتے پہلے اپنے ماما پاپا کی میرج اینورسری پر بھی مشعل نے اپنے بھانجے اور پاپا کے ساتھ ڈانس کیا تھا۔ ڈانس کرتے وہ بہت خوش تھی۔ ہنس رہی تھی' قہقہے لگا رہی تھی۔ شاید یہی زندگی کا غیر معمولی پن تھا۔ شاید رقص اسے خوش رکھتا تھا۔

انکل جلال نے میری طرف اشارہ کیا اور ڈانس کے لیے کہا تو مشعل نے ہنس کر کہہ دیا۔

’’آپ چاہتے ہیں میں بھری محفل میں شرمندہ ہو جاؤں......‘‘

مسکرا کر کہتے اس نے اپنے لہجے کی تلخی چھپائی۔ مشعل نے گرے کلر کی ساڑھی پہنی تھی اور وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ گروپ فوٹو کے دوران جب میں اس کے ساتھ کھڑا ہوا تو بے اختیار اس کی کمر میں اپنا بازو حمائل کر دیا۔ اس نے خائف نظروں سے مجھے دیکھا لیکن خاموش رہی۔

میرے ساتھ کھڑی بھی وہ کتنی دُور تھی......

کچھ رشتے تعلق میں بندھ کر بھی بے تعلق ہی رہتے ہیں۔ آج سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ جتنا فاصلہ ایک

میاں بیوی کے درمیان آ سکتا ہے وہ دنیا کے کسی اور رشتے میں نہیں آ سکتا۔ دنیا کا ہر رشتہ کبھی نہ کبھی' کہیں نہ کہیں دریا و سمندر کی طرح ایک مقام پر ایک ہو ہی جاتا ہے لیکن مجھ جیسے میاں بیوی کے تعلق میں قسمت سے ہی دریا سے سمندر ہونا لکھا ہوتا ہے۔

جس وقت انسٹرکٹر مجھے کپل ڈانس کے بنیادی اصول سکھا رہا تھا اس وقت میں نے اپنی شناخت خود سے ہی چھپا لی تھی۔ میں نے یہ بھولنے کی کوشش کی کہ یہ صرف ایک بچکانہ مذاق ہے جو میں خود اپنے ساتھ کر رہا ہوں۔ ایک لڑکی جو اب میری بیوی ہے کے لیے میں اپنے آفس سے یہاں ڈانس سیکھنے کے لیے آ رہا ہوں۔ یہ معلوم کرنے کہ اپنے پارٹنر کی کمر میں ہاتھ کیسے رکھنا ہے۔ اپنے پیروں کو کیسے حرکت دینی ہے اور کیسے کپل کیمسٹری بنانی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ خون کا اثر ہوتا ہے۔ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ماضی کا بھی اثر ہوتا ہے۔ جو تکلیفیں اور روگ پچھلوں نے بھگتے ہوں وہ اگلوں کو بھی بھگتنے ہوتے ہیں۔ کیا واقعی اتنی ہی شدت تھی میرے باپ کی محبت میں کہ وہ شدت اتنا لمبا سفر طے کرتی مجھ میں آ گئی۔ کیا یہ جو محبت ہے یہ ایسی ہی آندھی ہے کہ سب کچھ گرد آلود کر دیتی ہے۔ آنکھیں دھندلاتی...... سانسیں اکھاڑتی......

✡.........✡.........✡
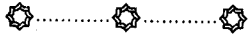
جس دن مشعل کی سالگرہ تھی اس دن انکل نے اسے اپنے ساتھ مصروف رکھا اور پھر رات بارہ بجے جب وہ دونوں گھر آئے تو مشعل کے لیے سرپرائز تیار تھا۔ اس کی برتھ ڈے پارٹی......

بارہ بج کر ایک منٹ پر اس کے سب دوستوں اور میں نے اسے ایک ساتھ وش کیا۔ مشعل نے کیک کاٹا۔ ہم نے کھانا کھایا اور پھر میوزک لگا کر میں نے مشعل کا ہاتھ تھام لیا۔

میں نے اس کے ساتھ ڈانس کیا اور کامیابی سے کیا۔

وہ رات میری تھی...... جو مشعل کے نام تھی......

لیکن......

✡.........✡.........✡

سب کے جانے کے بہت دیر بعد تک مشعل کاؤچ پر خاموش بیٹھی رہی۔ میں چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ میز پر مشعل کے گفٹس کا ڈھیر رکھا تھا۔ میں نے اسے نیکلس گفٹ کیا تھا۔ مشعل نے فی الحال کوئی بھی گفٹ نہیں کھولا تھا۔

’’کم سے کم میرا گفٹ تو دیکھ لو۔‘‘ میں اپنا گفٹ لے کر اس کے پاس آیا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر گفٹ پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ ’’یہ سرپرائز برتھ ڈے پارٹی کس نے ارینج کی تھی؟‘‘

’’میں نے......‘‘ میں نے خوش ہو کر بتایا۔

’’دوبارہ نہ کرنا......‘‘ اس نے اپنے لہجے کی سختی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

’’کیوں کیا ہوا...... تمہیں اچھا نہیں لگا......؟‘‘

’’میں نے بس اتنا کہا ہے کہ دوبارہ ایسی کوئی پارٹی ارینج نہ کرنا...... اتنی سی بات تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی۔‘‘

اس نے دوبارہ اسی سخت انداز سے کہا تو میری ساری خوشی کافور ہوگئی جو اس کے ساتھ رقص کرنے اور پارٹی میں چاند تارا بنے رہنے سے حاصل ہوئی تھی۔

''تمہیں برا لگا کہ یہ سب میں نے کیا......؟''

''مجھے مزید کوئی کمنٹ نہیں کرنا......'' وہ اٹھ کر جانے لگی۔

''مجھے کمنٹ سننا ہے......'' پہلی بار میں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا اور اسے روک لیا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔

''یہ کیا طریقہ ہے مجھ سے بات کرنے کا......''

''کیا تم نے اپنا طریقہ دیکھا ہے مجھ سے بات کرنے کا......''

''مجھے زہر لگتا ہے جب تم ہر وقت مجھے متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ تم کسی جوکر سے کم نہیں لگتے جو ہر بار نیا تماشا کرتا ہے......تنگ آ گئی ہوں میں تمہارے ان کھیلوں سے......''

میں سناٹے میں آ گیا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ میرے بارے میں اتنی سخت بات کہے گی۔ سات ماہ کی منگنی اور اٹھارہ مہینوں کی شادی شدہ زندگی کے بعد وہ مجھے جوکر کہے گی۔ پینڈو کے بعد میرے درجے میں فرق تو آیا۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور کاؤچ پر گر سا گیا۔

''اگر مجھے اتنا ہی ناپسند کرتی مشعل تو تم میرے ساتھ رہ کیوں رہی ہو؟''

بیڈ روم کی طرف تیزی سے جاتے اس نے رک کر مجھے دیکھا لیکن جواب پھر نہیں دیا اور جانے لگی۔

''مجھے جواب چاہیے مشعل......'' مجھے چلانا پڑا۔

''تم ایک نارمل انسان کی طرح میرے ساتھ رہو اور بس......''

''تم کسے نارمل ہونا کہتی ہو؟'' میں اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ جا کر اس کے عین سامنے کھڑا ہو گیا۔

''گڈ مارننگ مشعل...... آؤ ناشتہ کرو...... گڈ بائے مشعل...... گڈ ایوننگ مشعل...... آفس میں دن کیسا رہا تمہارا......آ جاؤ مشعل زبردست مووی لگی ہے مل کر دیکھتے ہیں...... چلو ٹھیک ہے سو جاؤ...... مشعل ہم ڈنر کرنے باہر چلیں...... ٹھیک ہے! نیکسٹ سنڈے سہی۔ تم ریسٹ کرو۔ مشعل کہیں گھومنے چلیں...... ٹھیک ہے پھر کبھی سہی......'' یہ ہے ہم دونوں کی نارمل لائف؟

''تو اور تمہیں کیا چاہیے؟ وہ چلائی۔ ''کیا چاہتے ہو تم مجھ سے......''

''محبت چاہتا ہوں تم سے مشعل...... تھوڑی سی...... بہت تھوڑی سی ہی سہی...... محبت دے دو مجھے...... ساری زندگی تمہارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں اتنی جلدی بے دم نہ کرو مجھے...... سہارے کے لیے تھوڑی سی محبت دے دو......''

اس کی سرخ لپ اسٹک اور گہری میک اپ زدہ آنکھوں کی سختی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''میں نے شادی پاپا کی وجہ سے کی تھی......''

''میں نے محبت کی وجہ سے......''

''وجہ تو میرے پاس بھی محبت ہی ہے...... پاپا سے محبت......''

''کس چیز کی کمی ہے مجھ میں مشعل...... بتاؤ مجھے...... میں خود کو بدل لوں گا...... جیسے کہوگی ویسا ہو جاؤں گا......''

''کس چیز کی کمی ہے مجھ میں جو مجھے تم ملے ہو......؟'' مشعل کے لہجے میں نوکیلی چٹانیں سمٹ آئیں۔

اٹھارہ مہینوں بعد بھی وہ وہی کہہ رہی تھی جو اس نے منگنی سے پہلے کہا تھا۔ اس کے رویے میں، انداز میں، الفاظ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ مجھ میں جو کمیاں تھیں وہ کمیاں ہی رہیں۔ زیادتی ہوئی تو صرف ایک محبت کی۔ لیکن صرف ایک محبت اکیلی پسند نہیں کی جا سکتی۔ تن تنہا محبت کے بس میں سب کچھ نہیں، اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ نتھنی کرنا پڑتا ہے۔ اس کی آرائش کرنی پڑتی ہے۔ اس کی قیمت بڑھانی پڑتی ہے...... پھر ہی یہ کارگر ہوتی ہے......

''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھ میں کیا کمی ہے۔ میں اچھا فجیتا بناتا نہیں ہوں مشعل...... میں اچھا فجیتا پکانا سیکھ گیا ہوں......ایک شارٹ کوکنگ کورس کیا ہے میں نے۔ صرف تمہارے لیے...... صرف تمہارے لیے میں نے ہزاروں بار خود کو آئینے میں دیکھا ہے، خود پر بے جا تنقید کی۔ تمہارے لیے ہی میں نے تو خود کو کبھی بھی پسند نہیں کیا۔ نفرت ہے مجھے خود سے جسے تم پسند نہیں کر سکتی۔ میں نے کوشش کی کہ میں تمہارے لیول پر آ سکوں، گرومنگ کی اپنی، رقص بھی سیکھا......''

''اس گھر کا جو انٹیریئر تم نے کروایا تھا اس پیسے کی ادائیگی کے لیے میں نے گاؤں میں موجود اپنی کچھ پیاری چیزیں بیچ دی تھیں۔ نہر کے کنارے کی وہ زمین جس کے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر میں پڑھا کرتا تھا۔ شہر کا وہ چھوٹا سا گھر جس میں میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ جب تم مجھے پیاری ہو گئی تو میں نے اپنی زندگی میں موجود باقی پیاری چیزوں کی اہمیت کو غیر اہم کر دیا۔ کچھ کو بیچ دیا کچھ کو نکال دیا۔ مجھے پسند تھا سادہ رہنا، پینڈو بن کر رہنا، کبھی کبھی سر میں تیل لگا کر گھومنا، لیکن اپنی بیوی کے لیے جو ایک بہت بڑے فیشن میگزین میں کام کرتی ہے، میں نے بالوں میں وہی سب لگایا جو اس کے میگزین کے میل ماڈلز لگاتے ہیں۔ وہی کپڑے پہنے جو اس کے ماڈلز پہنتے ہیں۔ ویسا ہی دکھنا چاہا جیسے وہ دکھتے ہیں۔ میں نے اپنی پسند کے رنگوں کو تمہارے پسند کے رنگوں سے بدل دیا...... میں نے تو خود کو ہی سر سے پاؤں تک بدل دیا...... میں نے خود کو عادل رہنے ہی نہیں دیا......''

''گاؤں میں میری بہن گاؤں کے بچوں کے لیے اسکول بنا چکی ہے۔ وہ وہاں انہیں مفت تعلیم دے رہی ہے۔ اپنے اسکول کے لیے وہ ایک ایک پیسہ بچاتی ہے، اور میں؟ میں نے تمہارے لیے اپنی ذات پر ایک ایک روپیہ لگا دیا۔ میں نے خود کو بدل لیا کہ شاید تم بدل جاؤ۔ میرا باپ ایک امیر آدمی ہے لیکن آج بھی وہ اپنے سارے پیسے اپنی قمیض کے نیچے پہنے شلوکے میں رکھتا ہے۔ میری ماں نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا لیکن تمہارے لیے میں نے اپنے ہر ڈریس کے لیے مہنگے اور برانڈڈ والٹ خریدے...... اگر محبت پیسے سے خریدی جا سکتی ہے تو میں نے اپنی ساری جمع پونجی اسے خریدنے میں لگا دی۔ دولت کا کیا ہے آ جائے گی، اگر چلی بھی گئی تو بھی کیا لیکن محبت کہاں سے آئے گی...... چلی گئی تو لوٹے گی کیسے...... ملے گی کیسے......''

''میں نے اپنے انسٹرکٹر سے کہا کہ میں اپنی بیوی کے لیے رقص سیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میری بیوی دنیا کی خوش قسمت عورتوں میں سے ایک ہے اور میری بیوی کہتی ہے کہ وہ بدقسمت ہے جو اسے میں ملا...... بدقسمت تو میں ہوں

مشعل کہ مجھے تمہاری توجہ نہیں ملی......گاؤں کا رہنے والا عام انسان' ایک دیہاتی تمہاری مسکراہٹ کے انتظار میں اپنی ساری مسکراہٹیں گنوا بیٹھا ہے......''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو کہ تم میں کیا کمی تھی کہ میں تمہیں ملتا......واقعی میں تمہاری قسمت خراب تھی جو تمہیں انکل کے پریشر کی وجہ سے مجھ سے شادی کرنی پڑی۔ تمہیں ایک ایسے انسان سے شادی کرنی چاہیے تھی جسے تم اپنے ساتھ ٹریولنگ کے لیے لے جاسکتی۔ جسے تم خود کہتی کہ وہ تمہیں ڈنر پر لے جائے۔ جو تمہارے دوستوں کے گروپ کو محظوظ کر سکتا اور جس کے دیئے گفٹ کو حاصل کر کے تم خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین عورت سمجھتی۔''

''میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ تم اپنے لیے یہ انسان ڈھونڈ لو......میں اپنے ملک واپس لوٹ جاؤں گا..........اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں کس قدر بے وقوف رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ دو لوگ میاں بیوی بن کر ساتھ رہتے ہیں' ایک تعلق میں بندھتے ہیں تو وہ خود بھی ایک ہو ہی جاتے ہیں.......لیکن ''ایک'' تو دو لوگ ہوتے ہیں......مشعل اور عادل نہیں......''

''ابا جی کہتے ہیں کہ کوئی چیز پالو تو محصول کی ادائیگی اس کی قدر سے کرو......تمہیں پا لیا تھا تو محصول میں اپنی ساری چاہت دے رہا تھا......لیکن مجھ جیسے انسان کی چاہت کی اتنی ہی حیثیت ہوتی ہے جتنی متروک زنگ آلود سکوں کی جو راکھ کی قیمت کی ادائیگی میں بھی نہیں دیئے جاسکتے......''

✿..........✿..........✿
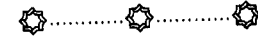
اس نے ٹھیک کہا ہے کہ محبت جیسے بھی ہو اسے حاصل کر لینا چاہیے۔ کچھ لے کر' کچھ دے کر' کچھ کھو کر' کچھ پا کر۔

میں نے پاپا کی محبت کے لیے بھاری قیمت دی ہے......خود کو دے کر......خود کو مار کر......شاید یہ میرا ہی قصور رہا ہے کہ میں نے پاپا سے اس قدر زیادہ محبت کی ہے۔ یہی قصور پاپا کا بھی ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں سے بے حد محبت کی ہے......

پتا نہیں انہیں عادل میں ایسا کیا پسند آ گیا تھا کہ انہیں لگتا تھا کہ ایک صرف عادل ہی میرا شوہر بن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی خوش نہیں رکھ سکے گا۔ وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ انسان اچھائی اور برائی کا میزان ہے اور عادل کی اچھائیوں کا میزان جھکا ہوا ہے۔ کتنے ہی دن وہ مجھے عادل کے بارے میں گاہے بگاہے بتاتے رہے۔ پہلے ایک جونیئر کی حیثیت سے پھر ایک دوست کی حیثیت سے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اسے ہر طرح سے دیکھ بھال چکے ہیں اور اب یہ ممکن نہیں کہ ان کا تجربہ اور مشاہدہ انہیں دھوکا دے دے۔

پارٹی میں مجھے اس سے ملوانے کے بعد انہوں نے مجھ سے صاف صاف کہا کہ وہ میرے لیے عادل کا انتخاب کر چکے ہیں۔ پھر وہ اس کے حق میں دلائل دینے لگے۔ جنہیں میں تحمل سے سنتی رہی اور اسی تحمل سے انہیں انکار کرتی رہی۔ عادل میں ایسا کچھ نہیں تھا جس کی وجہ سے اس سے شادی کی جاتی۔ پھر بھی ہمارے درمیان ہر دوسرے دن عادل ڈسکس ہوتا۔ پاپا میرے کسی بھی انکار کو اہمیت ہی نہیں دے رہے تھے۔ مجبوراً مجھے عادل سے کہہ کر انکار کروانا پڑا۔

''تمہیں عادل سے انکار نہیں کروانا چاہیے تھا۔'' پاپا بہت ناراض تھے۔

''آپ نے مجھے کسی اور لائق چھوڑا ہی نہیں تھا......''

''جس سکیل پر تم عادل کو رکھ کر جانچ رہی ہو وہ مشینوں کے لیے تو کارآمد ہیں لیکن انسانوں کے لیے نہیں۔''

اس کے بعد وہ کتنے ہی دن مجھ سے خفا رہے۔ میں جانتی تھی وہ یہ سب میرے لیے کر رہے ہیں۔ میری محبت میں۔ میری بہنوں کے انجام اور پھوپھو کی حالت نے انہیں میرے لیے خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ میرے لیے اتنے حساس ہو چکے تھے کہ اکثر وہ چھپ کر میری نگرانی کیا کرتے تھے کہ کہیں میں کسی غلط انسان سے قریب تو نہیں ہو رہی۔ ان کی اسی حساسیت کی وجہ سے میں کبھی کھل کر کسی پر اعتماد نہیں کر سکی۔ دنیا کا ہر مرد ان کے نزدیک ایک برا مرد تھا کیونکہ وہ ایک برا شوہر بننے والا تھا۔ انہیں وہ دن بھولتے ہی نہیں تھے جن دنوں کومل کا علاج ہو رہا تھا۔ اس کا پہلا شوہر اس پر تشدد کرتا رہا تھا۔ ان کی پڑھی لکھی خوبصورت بیٹیوں کو پڑھے لکھے خوبصورت شوہر تو ملے لیکن خوب سیرت انسان نہیں۔ یہی وہ وقت تھا جب ان کے نظریات بدل گئے۔ وہ بہت زیادہ خاموش رہنے لگے۔ گھر میں ہونے والی آئے دن کی تقریبات ختم کر دی گئیں۔ گھر میں ان کے دوستوں کی آمد بھی تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ ان کی خوش اخلاقی اور خوش اطواری جو ان کی شخصیت کا حصہ تھی وہ سختی اور لاتعلقی میں ڈھل گئی۔ وہ اپنے آپ کو محدود کرتے چلے گئے۔

میں پاپا کی اس حالت کو سمجھتی تھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ وہ بدل رہے ہیں لیکن میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی کبھی انہیں لگتا کہ یہ ان کی اپنی غلطی تھی جو انہوں نے اپنی بیٹیوں کی پسند کو اتنی اہمیت دی۔ انہوں نے کومل اور فروا کو ہر طرح کی آزادی تو دی لیکن انہیں انسانوں کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں دی۔ یا کم سے کم وہ خود ہی محتاط ہو جاتے۔ انہیں آج بھی یہ لگتا ہے کہ فروا نے خودکشی انہی کی وجہ سے کی۔

جس وقت میں نے فراز کے پرپوزل کے بارے میں پاپا کو بتایا اس وقت ان کے ردعمل نے مجھے حیران کر دیا۔ انہوں نے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔

''میرا دل اس کی طرف مائل نہیں......''

''یہ کیا لاجک ہوئی......؟''

''میرا دل بہت کمزور ہو گیا ہے مشعل......تیز ہوا سے بھی لرزنے لگتا ہے' بس فراز مجھے پسند نہیں تم اسے انکار کر دو۔''

''میں اسے ہاں کہہ چکی ہوں......میں اسے پسند کرتی ہوں پاپا......''

''ایک لڑکا کومل نے بھی پسند کیا تھا اور فروا نے بھی۔ ضروری نہیں کہ جو آج تمہیں پسند کرتا ہے وہ ہمیشہ پسند کرے گا۔ کیا تم نے اپنی بہنوں کی زندگیوں سے کوئی سبق نہیں سیکھا......؟''

''ان دونوں کی زندگیوں نے آپ کو بہت وہمی بنا دیا ہے......''

''وہمی نہیں محتاط ہو گیا ہوں......دو بار اپنا دل چھلنی کروا چکا ہوں' اب تو جان سے ہی جاؤں گا......''

''آپ کو فراز کے لیے مثبت انداز میں سوچنا ہی ہو گا......اسے میرا آخری فیصلہ سمجھ لیں......''

فراز میرا کلاس فیلو بھی تھا اور میرا بیسٹ فرینڈ بھی۔ میری اور فراز کی منگنی گیارہ ماہ رہی۔ اور پھر شادی کی

تیاریاں ہونے لگیں۔اس دوران اس کی ایک ایکس گرل فرینڈ سامنے آ گئی۔فراز مجھے اس ایکس گرل فرینڈ کے بارے میں بتا چکا تھا لیکن اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس ایکس کے ساتھ اس نے منگنی بھی کی تھی اور نوبت شادی تک بھی آ چکی تھی۔

''ایکس گرل فرینڈ میں اور تقریباً وائف ہو جانے میں فرق ہوتا ہے۔''میں نے فراز سے کہا۔

''ایکس ایکس ہی ہوتا ہے مشعل، وہ تقریباً ہو یا مکمل......''

ہم دونوں کے درمیان یہ بات کچھ اس انداز سے شروع ہوئی اور اتنی بڑھ گئی کہ فراز نے خود بریک اپ کر لیا۔گیارہ ماہ رہنے والی منگنی اور تین سال چلنے والی دوستی صرف ایک بحث کی نظر ہو گئی۔اسے اپنی پاسٹ لائف کے بارے میں میرے سوالوں کے جواب دینا پسند نہیں آیا۔وہ بار بار مجھے یہ جتاتا رہا کہ وہ مجھے اپنے ہر ایکشن کے لیے جوابدہ نہیں ہے۔جب تک وہ میرا دوست تھا اسے میرا ہر ایکشن، ہر ری ایکشن پسند تھا، جیسے ہی ہمارا رشتہ بدلنے لگا وہ بھی بدل گیا۔آخری بات جو اس نے کی تھی وہ یہ تھی......

''شادی سے پہلے ہمارے درمیان بحث کا یہ حال تو شادی کے بعد کیا ہوگا...... مجھے سوچنے کے لیے وقت دو۔''

اس نے وقت لیا اور پھر منگنی توڑ دی۔پاپا نے کہا تھا ''فراز اچھا ہے، پڑھا لکھا ہے، امیر ہے، لیکن وہ بھی ان نوے فیصد لوگوں میں سے ہے جو شادی سے پہلے ہی اچھے ہوتے ہیں، پھر وہ شوہر تو رہتے ہیں لیکن اچھے نہیں۔جھوٹے تو ہوتے ہیں لیکن سچے نہیں۔''

فراز سے متعلق خیالات میں بلاشبہ پاپا جیت گئے تھے۔میں اس معاملے میں ہار گئی تھی۔پھر بھی میں عادل کے ساتھ کسی بھی طرح کے تعلق کے لیے تیار نہیں تھی۔میں نے زندگی میں بہت کم لوگوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ میرے قریب آئیں۔خاص طور پر مردوں کو۔میرے چند دوستوں اور فراز کے علاوہ میں نے کبھی کسی کو اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی۔شاید کہیں نہ کہیں میرے ذہن میں بھی وہی سب تھا جو پاپا کے ذہن میں تھا۔میں بھی اجنبی اور نئے لوگوں سے ایسے ہی خائف رہتی تھی جیسے پاپا رہتے تھے۔

فروا کی خودکشی نے ہم سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔مہینوں ہمارے گھر سے سوگ نہیں نکلا تھا۔سالوں پاپا نے گہری نیند سو کر نہیں دیکھا تھا۔اس سب کی وجہ فروا کا شوہر تھا۔پاپا چاہتے تھے کہ میرا شوہر فروا کے شوہر جیسا نہ ہو۔پاپا کا جو بھی کہنا تھا اس سب کے باوجود میں عادل کے لیے اپنے دل میں گنجائش پیدا نہیں کر سکی۔وہ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا، اس سے محبت تو دُور کی بات تھی۔شادی اس سے بھی زیادہ دُور کی بات تھی۔اس میں کوئی ایک بھی خوبی ایسی نہیں تھی جو مجھے اس کی طرف اٹریکٹ کرتی۔وہ پڑھا لکھا تھا تو دنیا میں لاکھوں کروڑوں لوگ پڑھے لکھے ہیں۔اس کے پاس اچھی جاب یا اچھا مستقبل تھا تو دنیا میں کروڑوں لوگوں کے پاس عادل سے کہیں زیادہ کامیاب حال اور روشن مستقبل تھا......پھر عادل ہی کیوں......

✿......✿......✿
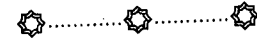
اور عادل ہی کیوں کہ پاپا نے اس کے جانے کی اتنی ٹینشن لی کہ اپنی جان ہی لے لی۔انہوں نے آفس سے مجھے پک کیا اور گھر لائے۔

''عادل پاکستان جا رہا ہے......''

''سوواٹ پاپا......میں یہ موضوع بند کر چکی ہوں، مزید اس پر بات نہیں کروں گی......''

''اس کی فیملی نے اسے شادی کے لیے بلایا ہوگا مشعل......''

''یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے......''

''مشعل! یہ غلطی نہ کرو......میں کہاں تمہارے لیے اس جیسا ایک اور ڈھونڈتا رہوں گا......''

''مجھے اس جیسا چاہیے بھی نہیں......آپ سمجھ کیوں نہیں رہے......؟؟''

''تم کیوں نہیں سمجھ رہی......مجھ پر اعتماد نہیں ہے تمہیں......''

''آپ پر اعتماد ہے لیکن آپ کی پسند میری پسند نہیں بن سکتی۔میری شادی کا خیال ہی آپ اپنے دل سے نکال دیں ورنہ کم سے کم عادل سے شادی کا۔پاپا میرا انکار کبھی ہاں میں نہیں بدلے گا......اس شخص کو دیکھتے ہی مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔کتنی دبی دبی شخصیت ہے اس کی۔اس میں اتنی قابلیت تو ہوگی کہ وہ محنت کر کے دنیا کے کسی بھی مقام پر پہنچ جائے لیکن اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہو سکتی کہ وہ میرا لائف پارٹنر بنے......''

''لائف پارٹنر میں قابلیت یا صلاحیت نہیں دیکھتے مشعل......انسانیت دیکھتے ہیں......''

''پھر آپ میرے لیے انسانیت کی خدمت کرنے والا کوئی انسان ڈھونڈ لیتے نا......''

تلخی سے کہہ کر میں کمرے میں آ گئی۔اور پھر آدھی رات کو مجھے اور ماما کو پاپا کو ایمرجنسی میں لے جانا پڑا۔فروا کے مرنے پر ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔عادل سے شادی پر انکار پر انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا......اتنا ہی خاص تھا وہ ان کے لیے......جو میرے لیے ایک معمولی سا انسان تھا وہ پاپا کے لیے اتنا غیر معمولی کیوں تھا۔کیا صرف اس لیے کہ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے وہ مجھے کبھی تنگ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔کیا پاپا نے عادل کا انتخاب اس کی بزدلی کی بناء پر کیا تھا۔

مجھے عادل سے منگنی کرنی پڑی۔یہی وہ قیمت جو اپنے باپ کی محبت کے لیے میں نے ادا کی۔

مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس کے ساتھ میں اپنی اور اس کی شادی میں کیا ڈسکس کروں۔ایسے لگتا تھا یہ ہماری نہیں دو الگ الگ لوگوں کی شادی ہے۔ایک بار وہ مجھے ڈنر پر لے کر گیا تھا۔اتنا اوور ڈریس ہو کر کہ اسے دیکھتے ہی میں کوفت کا شکار ہو گئی۔مجھے اسے برداشت کرنا پڑتا تھا۔مجھے اسے اگنور کرنا پڑتا تھا۔اس کے ساتھ موجود ہونا میرے لیے کسی امتحان سے کم نہیں ہوتا تھا۔اس نے جو انگوٹھی مجھے دی تھی وہ عین میری پسند کے مطابق تھی۔ویسی ہی جیسی میں اپنی منگنی پر لینا چاہتی تھی لیکن ایک صرف اس انگوٹھی کا اس کے ہاتھ سے دیا جانا تھا کہ وہ انگوٹھی مجھے بری لگنے لگی۔

میرے دوستوں کا کہنا تھا کہ وہ ایک سادہ لیکن سوبر انسان ہے۔شاید ایسا ہی تھا پھر بھی وہ مجھے پسند نہیں تھا۔وہ مجھے پسند نہیں آ سکتا تھا۔شاید میں اس سے نفرت کرتی تھی۔اس لیے کہ اس نے پاپا کو بری طرح سے اپنے جال میں پھانس لیا۔میں جانتی ہوں کہ یہ سوچ غلط ہے لیکن مجھے ایسا ہی لگا۔اس نے پاپا کو اپنی خوبیوں کا اتنا گرویدہ کر لیا کہ وہ اس کے سوا سب کو ناپسند کرنے لگے۔

میرے لیے شادی اتنی ضروری نہیں تھی یا پھر مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں تھی۔میں زندگی میں کبھی بھی شادی کر

سکتی تھی یا پھر کبھی نہ بھی کرتی تو بھی میری اپنی لائف پر اس کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شادی تو پھر ایک جوا ہے جس میں جیت جتنی غیر یقینی ہے ہار اتنی ہی یقینی۔ پتا نہیں ڈیڈی کیوں چاہتے تھے کہ یہ جوا وہ ہر صورت جیتیں اور مجھے بھی جتوائیں...... وہ بار بار مجھے ایک اچھے انسان کی' ایک اچھے شوہر کی خوبیوں کے بارے میں بتاتے تھے۔ یہ وہ موضوع تھا جو مجھے سخت ناپسند تھا اور پاپا کو اتنا ہی پسند تھا۔ شاید وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اس طرح بات کرنے سے میں اپنا ذہن بدل دوں گی

اور میں نے ذہن بدل دیا۔ ان کے بات کرنے سے تو نہیں لیکن ان کے ہارٹ اٹیک سے۔

✡............✡............✡
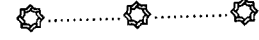
ایسی شادی جو عادل جیسے انسان کے ساتھ ہو رہی تھی اس میں میری دلچسپی کیا ہو سکتی تھی؟ میں نے جتنی بھی دلچسپی دکھائی وہ پاپا کے لیے دکھائی۔ شادی سے کچھ دن پہلے عادل نے گھر کا انٹیرئیر جو میں نے کروایا تھا اس کی پوری پے منٹ مجھے دی دے۔ اس نے چیک میرے آگے کیا۔

''تم نے ہمارا گھر بہت اچھا سجایا ہے مشعل...... یہ خوبصورت ہے تمہاری طرح......''

وہ مجھ سے ڈرتا تھا میں جانتی تھی۔ اسی ڈر کی وجہ سے وہ میری تعریف نہیں کر سکتا تھا۔ اور جب کر دیتا تھا تو صاف نظر آتا تھا کہ اس نے بہت جرأت سے کام لیا ہے۔ مجھے نہ اس کا ڈر پسند تھا نہ جرأت۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو کبھی ایسی لڑکی سے شادی نہ کرتی جس سے بات کرنے سے پہلے دس بار سوچنا پڑے۔ وہ دس نہیں بیس بار سوچتا ہوگا کیونکہ وہ مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مجھے کوئی بات بری لگے۔

یا مجھے کوئی بات ہرٹ کرے۔ اس امکان کو میں نے بہت بعد میں سوچا۔ جب وہ چلا گیا۔

مجھے اکثر یہ لگتا تھا کہ وہ مجھے اپنے پیسوں سے متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے شادی کے لیے مجھے جو گفٹس دیئے وہ مجھے متاثر کرنے کی ابتدائی کوششوں میں سے ایک تھے۔ کوئی ایسے کسی بھی انسان کو کیسے پسند کر سکتا ہے جو ہر وقت دوسروں کو متاثر کرنے میں ہلکان رہتا ہے۔

میں اس سے بہت زیادہ چڑتی ہوں میں جانتی ہوں۔ میں اسے ایک نارمل حد تک پسند نہیں کر سکتی یہ بھی میں جانتی ہوں۔ پھر اس صورت میں ہمارا تعلق کسی ایگری منٹ سے زیادہ کیا حیثیت رکھ سکتا ہے۔ جیسے کہ اکثر ہمیں بہت ساری ایسی ماڈلز کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے جنہیں ہم ذاتی طور پر بالکل پسند نہیں کرتے لیکن چونکہ ہمیں ان کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ہم ان سے ایگری منٹ بھی کرتے ہیں اور انہیں برداشت بھی۔

ایک بار پاپا گھر آئے جیسا کہ وہ جان بوجھ کر اچانک میرے گھر آتے رہتے تھے کہ دیکھیں ہم دونوں کسی بات پر جھگڑ تو نہیں رہے یا سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے نا۔ میں جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے کاؤچ پر اونگھ رہی تھی میرے پاس بیٹھ گئے۔

''تھک گئی ہو مشعل؟''

''اوہ! پاپا آپ...... کب آئے؟''

''میں تو تمہارے کچن سے بھی ہو آیا ہوں...... بہت مزے کا کھانا بنایا ہے آج عادل نے۔''

''آپ نے کھا بھی لیا؟''

''ہاہاہا! تھوڑا سا...... عادل کہاں ہے؟''

اور یہ وہ سوال تھا جس کا جواب میں نہیں جانتی تھی۔ جب میں گھر آتی تھی تو مجھے بالکل پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ کہاں ہے' کیا کر رہا ہے۔ اکثر وہ مجھ سے پہلے گھر میں موجود ہوتا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ نظر آ جاتا تھا۔ یا اگر میں عادل کی طرف سے بات کروں تو ایسے ہوتا تھا کہ وہ گھر پر میرا انتظار کر رہا ہوتا تھا۔ پاپا نے اس کے بارے میں پوچھا تو مجھے سمجھ نہیں آئی کیا کہوں۔

''یہیں کہیں ہوگا......''

''یہیں کہیں کہاں؟'' پاپا ناراض سے ہو گئے۔

''لان میں ہوگا پاپا...... ابھی دیکھتی ہوں......''

''آدھ گھنٹہ پہلے میں نے تمہیں آفس سے آتے دیکھا ہے۔ تیس منٹ سے تمہیں معلوم ہی نہیں کہ عادل کہاں ہے؟''

''وہ میں آتے ہی کاؤچ پر لیٹ گئی تھی۔ بس نیند آ گئی۔''

پاپا اٹھے اور عادل کو آوازیں دینے لگے پھر وہ اسے فون کرنے لگے۔ ''آفس میں ہے وہ۔ آج دیر سے آئے گا۔''

''پھر کھانا کس نے بنایا؟'' میں حیران ہوئی۔

''وہ کہہ رہا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ پہلے گھر آیا تھا۔ یعنی وہ آیا تھا تمہارے لیے کھانا بنانے کہ تمہیں آتے ہی بھوک لگتی ہے۔ اور تمہیں یہ تک معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔'' پاپا خفا ہو کر گھر واپس جانے لگے۔

''میرے ساتھ کھانا کھا لیں پاپا۔ ممی کو بھی یہیں بلا لیتے ہیں۔''

''تم اپنے شوہر کا کھانے پر انتظار کر لو تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔'' کہہ کر وہ چلے گئے۔

پہلی بار مجھے عادل نے حیران کر دیا تھا۔ وہ گھر آیا اور میرے لیے کھانا بنا کر چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کو مجھے کُکنگ کرنا بالکل پسند نہیں۔ آفس سے آتے ہی مجھے بھوک بھی بہت لگتی ہے۔

عادل اچھا انسان ہے...... خیال رکھتا ہے...... بات مانتا ہے...... لیکن پھر بھی وہ مجھے پسند نہیں...... وہ حیران کر دیتا ہے لیکن متاثر نہیں...... شاید وہ مجھے متاثر بھی کر دے۔ میں متاثر ہو بھی جاوں لیکن پھر بھی......

✡............✡............✡

وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے حلیے میں جو تبدیلیاں آ رہی ہیں میں ان سے لاعلم ہوں۔ اس میں اتنی تیزی سے اور اتنی زیادہ تبدیلیاں آ رہی تھیں کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر چونک جاتا۔ ایک دن میں نے اسے کار سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ میں اپنے آفس کی کھڑکی میں کھڑی بارش کا نظارہ کر رہی تھی جب وہ پارکنگ سے بارش میں بھیگتا ہوا آفس بلڈنگ کی طرف آیا۔ وہ پہلی بار تھا کہ میں نے اسے پہچاننے میں تھوڑا وقت لیا۔ اس کا ہیئر اسٹائل بدلا ہوا تھا۔ یقیناً اس نے بالوں کو کلر بھی کروایا تھا اور انہیں باقاعدہ سیٹ کروایا تھا۔ اس کی شرٹ' شرٹ پر کوٹ' شوز اور ہاتھ میں پہنی ریسٹ واچ میں ایسی نمایاں تبدیلیاں تھیں کہ کھڑکی سے اسے دیکھتے میں چند سیکنڈز کے لیے اسے پہچان ہی نہیں سکی۔

میرا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ گرومنگ کلاسز لے رہا تھا۔ آج وہ فائنل میک اوور کروا کر آیا تھا۔ ایک عرصے سے وہ کچھ زیادہ ہی اپنی ڈیٹ کا خیال رکھنے لگا تھا۔ اپنے لیے اسپشل فوڈ بناتا تھا۔ جم جا رہا تھا' ریگولر رننگ' جوگنگ کرتا تھا۔ اس کی باڈی ایک خاص شیپ میں بدلنے لگی تھی۔

آج جیسے وہ مجھے سرپرائز دینے آیا تھا۔ میں سرپرائزڈ ہو گئی تھی...... بہت حیران تھی میں...... اس نے خود کو بہت حد تک بدل لیا تھا۔ اس کی شخصیت کی سادگی اپ ڈیٹ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ پاپا کہتے ہیں کہ وہ بہت ڈیسنٹ ہے تو آج وہ ڈیسنٹ پرسن ڈیشنگ پرسن لگ رہا تھا۔

وہ اندر میرے آفس میں آیا اور مجھ سے کہا کہ کیا میں اس کے ساتھ لنچ کے لیے چلوں گی۔ میں نے صاف منع کر دیا۔

''میرا خیال تھا آج موسم بہت اچھا ہے ہمیں لنچ کہیں باہر کرنا چاہیے۔''

میرے انکار پر بھی وہ بضد تھا کہ ہمیں لنچ کر لینا چاہیے۔ میں نے ایک فائل اٹھا لی اور اسے پڑھنے لگی اور اس سے کہا کہ میں بہت مصروف ہوں۔ سر ہلا کر وہ چلا گیا۔ پہلے وہ مجھ سے فون پر پوچھا کرتا تھا کہ میں لنچ کے لیے اس کے ساتھ جا سکتی ہوں آج وہ خود آیا تھا۔ میں اس کے ساتھ لنچ کے لیے ضرور چلی جاتی اگر اس کے لیے میری ناپسندیدگی میں کوئی کمی آ چکی ہوتی۔ ویسے بھی آج وہ مجھے لنچ پر لے جانے نہیں خود کو دکھانے آیا تھا۔ میں نے اسے سرسری نظر سے بھی نہیں دیکھا۔ جو مایوسی اس کے چہرے پر نمایاں ہوئی وہ مجھے نظر آ گئی تھی لیکن میں کیا کرتی...... خود پر جبر یا اس پر رحم......

میں جانتی ہوں خود کو۔ میں جس چیز کو ایک بار ناپسند کر لیتی ہوں پھر اسے کبھی پسند نہیں کرتی۔ جن کھانوں کو' جن کپڑوں کو' جن رنگوں' شہروں' لوگوں کو میں نے ایک بار ناپسند کیا انہیں پھر کبھی پسند نہیں کیا۔ ناپسندیدہ چیزیں جیسے میری انا کے لیے چیلنج بن جاتی ہیں۔ میری انا اتنی بلند ہے کہ میں آسانی سے یہ چیلنج جیت جاتی ہوں۔ اس معاملے میں میں پتھر کی لکیر ہوں بلکہ پتھر ہوں میں......

مجھے نظر آ رہا تھا کہ اس کی وارڈ روب میں کیا تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ اس کے لیے کہاں کہاں سے پارسل آ رہے ہیں۔ مجھے ہنسی آتی تھی کہ وہ کس لیے خود کو اتنا ہلکان کر رہا ہے۔ کیا اسے لگتا ہے کہ اگر وہ کسی ماڈل مرد کی طرح کا چارمنگ ہو جائے گا تو مجھے اچھا لگے گا۔ وہ ہینڈسم ہو گا تو میں اس سے محبت کرنے لگوں گی۔ یا وہ میرا فخر بننا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ فخر سے چل سکوں۔ اگر وہ باعث فخر تھا تو پاپا کے لیے...... متاثر کرتا تھا تو صرف انہیں......

مجھے عادل ہمیشہ ایک بوجھ لگا۔ ایک ایسا سایہ جو میرے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ پاپا کہتے ہیں کہ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ اس نے آج تک مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں کہاں تھی' اتنی دیر سے گھر کیوں آئی۔ کس کے ساتھ تھی' اسے فون کیوں نہیں کر سکی' اس کی کال کا جواب کیوں دے سکی۔

پاپا کہتے ہیں کہ وہ بے ضرر انسان ہے۔ اگر کسی انسان کی ذات سے کسی دوسرے انسان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے تو وہ انسان فرشتہ ہوتا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ وہ بے ضرر ہی ہے۔ میں نے شادی کے بعد بھی شادی سے پہلے والی لائف گزاری ہے۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی ہوں۔ ان کے ساتھ پارٹی کی' ہلا گلا کیا' تھیٹر سینما' کنسرٹ پر

گئی' میچز دیکھے' وہ سب کیا جو میرا دل چاہا۔ میں کسی کو جوابدہ نہیں تھی۔ عادل کو تو بالکل نہیں۔ وہ میرے گڈ ایوننگ' گڈ نائٹ کہنے پر ہی خوش ہو جاتا تھا۔ جس دن میں اسے کہہ دیتی کہ ''کیا وہ میرے لیے ایک کپ کافی بنا دے گا تو وہ دن اس کے لیے خاص ہو جاتا تھا۔ میں اسے مسکرا کر دیکھ لیتی تھی تو سارا دن مسکراہٹ اس کے چہرے سے الگ نہیں ہوتی تھی۔ اپنی کافی کے ساتھ اگر میں اس کی کافی بھی بنا دیتی تھی تو اسے لگتا تھا کہ جیسے میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔

مجھے اس سے محبت ضرور ہو جاتی اگر وہ مجھے پسند آ جاتا...... اس میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ جسے ناپسند کیا جاتا تو ایسا بھی کچھ نہیں تھا کہ اسے اتنا پسند کر لیا جاتا کہ محبت ہی کر لی جاتی...... وہ ایک شوہر تھا...... صرف شوہر...... اور بس......

۞ .... ۞ .... ۞
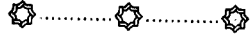
پاپا مطمئن تھے' ممی خوش تھیں اور مجھے کیا چاہیے تھا؟ میں سکون سے اپنے میگزین کے لیے کام کرتی تھی۔ عادل کے ساتھ ہوئے شادی کے ایگری منٹ کو میں نبھا رہی تھی تو دوسری طرف اپنے کیرئیر کے لیے میں جیسے جان کی بازی لگا رہی تھی۔ اب جب زندگی میں ایک ناپسندیدہ چیز موجود تھی تو مجھے زندگی میں ہر چیز اپنی پسندیدہ چاہیے تھی۔ گھر سے لے کر آفس تک۔ کام سے لے کامیابی تک۔

ایک دن میں اپنے میگ کے ایک آرٹیکل کے لیے ملبورن کی ٹاپ ٹین ڈانس اکیڈمیز میں سے ایک میں گئی تھی۔ کافی دیر تک میں آفس میں بیٹھی مائیکل سے بات چیت کرتی رہی تھی۔ جس وقت میں واپس آ رہی تھی اس وقت میں نے سرسری انداز سے شیشے کی اس دیوار کے پار دیکھا جہاں ایک بڑا ہال تھا اور بہت سے لڑکے لڑکیاں ڈانس پریکٹس کر رہے تھے۔ میری نظر پلٹ گئی۔ لیکن میں چلتے چلتے رک بھی گئی۔ چار قدم چل کر مجھے پھر سے اپنی نظروں کو شیشے کے اس طرف موڑنا پڑا جہاں انسٹرکٹر ایک لڑکے کے ساتھ مصروف تھا۔ انسٹرکٹر کھڑا ہو کر اسے اسٹیپ کر کے دکھا رہا تھا پھر اس نے سامنے والے کو کہا کہ وہ کر کے دکھائے۔

''سامنے والا انسان عادل تھا۔''

میں آج بھی ٹھیک سے یہ نہیں جان سکی کہ چلتے چلتے میں کیوں رُک گئی تھی۔ کس چیز نے مجھے زیادہ حیران کیا تھا۔ عادل نے یا اس کی وہاں موجودگی نے۔

میں وہیں کھڑی رہی اور اس طرف کی دیکھتی رہی۔ عادل نے انسٹرکٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک کمر میں حمائل کیا اور پھر اس نے موومنٹ دی۔ اس کی موومنٹس پالش تھیں۔ یقیناً وہ کافی وقت سے یہاں آ رہا تھا۔ خوف سے یا حیرانی سے میں کپکپا کر رہ گئی۔ پہلی بار میں نے اپنے دل کو ایک دم سے سکڑتے محسوس کیا...... ایک سرگوشی بے اختیار میرے ہونٹوں سے نکلی۔

''عادل...... تم یہ کیا کر رہے ہو......؟؟''

پاپا کہتے ہیں کہ وہ آفس سے وقت پر نکل آتا ہے۔ پھر وہ کہاں جاتا ہے۔ میں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ گھر جاتا ہے' میرے لیے کھانا پکاتا ہے اور پھر یہاں آ جاتا ہے۔ میں تو تقریباً روز ہی آفس سے لیٹ ہو جاتی تھی۔ بلکہ مجھے تو رات بھی آفس میں گزار دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

دو منٹ تک وہاں کھڑی میں اسے دیکھتی رہی۔ میں اپنی پلکیں نہیں جھپک سکی۔ ایک لمحے کے لیے میرا دل چاہا کہ میں ہال کے اندر جاؤں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آؤں لیکن پھر...... پھر یہ کہ مجھے اس کی چیز کی فکر نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کیا کر رہا اور کیوں۔

اس رات جب وہ گھر آیا تو غیر معمولی طور پر خوش تھا۔ شاید اس کا ڈانس ٹھیک ہو گیا تھا۔ رات گئے تک میں اپنے آرٹیکل پر کام کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس رات مجھ سے صرف کام ہی نہیں ہو سکا۔ میں بار بار بیڈ روم کے آدھ کھلے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں اندر وہ سو رہا تھا...... عادل......

✿.........✿.........✿
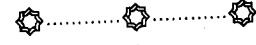
پتا نہیں کیوں لیکن میں نے اسے اپنے لیے ایک چیلنج سمجھ لیا تھا۔ مجھے عادل کو یہ موقعہ دینا ہی نہیں کہ وہ اپنے رقص سے کسی کو بھی متاثر کر سکے یا کم سے کم اس کا مظاہرہ کر سکے۔ جب سے وہ ویل گرومڈ ہوا تھا تب سے پاپا اس کے اور زیادہ گرویدہ ہو گئے تھے۔ ان فیکٹ وہ تو ہر وقت اس کی ڈریسنگ اور پرسنالٹی کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ وہ بار بار مجھے یہ جتاتے رہتے تھے کہ وہ کس قدر ہینڈسم ہو چکا ہے۔ ہمارے حلقہ احباب میں کوئی بھی اس کی پرسنالٹی جیسا نہیں ہے۔ اس کی شخصیت میری شخصیت سے کہیں زیادہ پرکشش ہو چکی ہے......

شاید اس نے زندگی بھر کبھی خود پر اتنے پیسے انویسٹ نہیں کیے تھے جتنے وہ اب کر رہا تھا۔ انویسٹمنٹ جتنی بڑی ہوتی ہے فائدہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ میرے دوست بھی اس کی تعریف کرنے لگے تھے۔ اکثر لوگ تو اسے پہچاننے میں کافی وقت لیتے تھے۔ پاپا کی دیکھا دیکھی کومل بھی عادل سے متاثر نظر آنے لگی تھی۔ ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگی

"پاپا کا فیصلہ ٹھیک تھا...... عادل تو واقعی میں بہت اچھا انسان ہے...... تم سے محبت بھی بہت کرتا ہے۔"

میں ہنس دی۔ "تمہیں کیسے پتا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے......؟"

کومل حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ "کیوں تمہیں نہیں پتا؟ جب سب کو نظر آ رہا ہے تو تمہیں کیوں نہیں؟"

"نہیں! مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا......"

جبکہ مجھے سب نظر آ رہا تھا۔ وہ کیا کر رہا ہے' کیوں کر رہا ہے' کتنا بدل رہا ہے' میرا کتنا خیال رکھتا ہے' سب۔ لیکن بات صرف اتنی سی تھی کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ ڈانس سیکھتے اس نے مجھے چونکا دیا تھا۔ خوفزدہ بھی کر دیا تھا۔ اس رات میں سو بھی نہیں سکی تھی لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

میں نے اپنی آفیشل پارٹیز میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ وہاں میرے ساتھ جائے۔ لیکن پھر اس نے میرے لیے برتھ پارٹی ارینج کی۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں اتنی مصروف ہو گئی کہ میں اپنی برتھ ڈے بھول گئی۔ میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ ایسی کوئی پارٹی مجھے دی جا سکتی ہے۔ جہاں رات کو میرے سارے دوست گھر میں موجود ہوں گے' گھر سجا ہو گا' لان میں ایک عالیشان پارٹی کا انتظام ہو گا......

پاپا خوش تھے۔ بہت خوش تھے اور عادل بھی...... کومل اور ممی بھی...... پتا نہیں وہ سب کیوں اتنے خوش تھے۔ کیا ان سب نے اپنے اپنے غموں کا علاج میری خوشیوں میں تلاش کر لیا تھا۔ کیا انہیں یہ لگتا تھا کہ اب جبکہ میں اور عادل ایک

پرفیکٹ کپل بن چکے ہیں تو ان کے سارے زخم بھر چکے ہیں۔ کیا عادل ان کے لیے مرہم تھا...... اگر ایسا تھا تو وہ میرے لیے زہر کیوں تھا......

جس وقت عادل نے اپنا ہاتھ میرے سامنے کیا کہ میں اس کے ساتھ ڈانس کروں اس وقت میں اسے صاف انکار کر دینا چاہتی تھی اور میں کر ہی رہی تھی کہ کومل نے کہا۔

"اگر آج رقص نہیں ہوگا تو کب ہوگا...... فوراً شروع ہو جاؤ دونوں......"

شاید کومل جانتی تھی کہ عادل رقص سیکھتا رہا ہے۔ شاید وہ عادل کی رازدار بن چکی تھی۔ میں نے اس رات محسوس کیا کہ میرا بھانجا' کومل کا اکلوتا بیٹا بھی عادل کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ عادل کے ساتھ سلیفیاں لے رہا تھا۔ اسے اپنے دوستوں سے ملوا رہا تھا۔ خضر عام نارمل بچوں کی طرح ایکٹ کر رہا تھا جو کہ وہ کم ہی کیا کرتا تھا۔ وہ تنہائی پسند تھا اور زیادہ تر اپنے کمرے میں گیمز کھیلنا پسند کرتا تھا۔

خضر کے اتنے دوست کیسے بنے۔ اس نے کب اپنے کمرے سے نکلنا شروع کیا۔ وہ کس طرح عادل سے اتنا فری ہوا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے دوستوں سے ملوانے لگا......"

اس رات کی جھولی میں اتنے سوال تھے اور میرے لیے حیرت کے اتنے ساماں تھے کہ میں تلخ سے تلخ ہوتی گئی۔

تو عادل میری فیملی میں انٹر ہی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ہماری فیملی کا حصہ بھی بن چکا تھا۔

اس شخص نے ہر انسان کو متاثر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔

عادل نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے عادل کے ساتھ ڈانس کرنا پڑا۔ میں جو ایک اتنے بڑے فیشن میگزین میں کام کرتی ہوں۔ جس کا ہر دن شوبز کے ہائی فائی لوگوں سے ملاقاتیں کرتے گزرتا' ان کی زندگیوں کے تجزیے کرتے اور ان کی پروفیشنل لائف کے بارے میں لکھتے گزرتا' مجھے یہ ماننے میں کوئی عار نہیں کہ اس رات عادل نے اپنا بیسٹ دیا...... اس نے کسی فلمی ہیرو کی طرح رقص کیا...... مجھے کسی ہیروئن کی طرح ٹریٹ کیا......

اس رات اس کی پرفارمنس آؤٹ کلاس تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ یہ حقیقت کہ وہ میرے ساتھ ایسے رقص کر سکتا اور کر رہا ہے اسے کسی خواب میں لے جا رہی تھی...... وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا...... ہاں! وہ مجھے پوری جرأت اور دلیری سے دیکھ رہا تھا...... اس نے جھک کر میرے کان میں سرگوشی کی اور میری گردن پر جھک آیا......

میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی...... میں نے اسے فوراً پرے دھکیل دینا چاہا......

"میں تھک گئی ہوں......"

"ابھی تو ملی ہو...... ابھی کیسے جانے دوں......"

اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا...... بازو میری کمر میں حمائل رہا اور گردن کا جھکاؤ بدستور پہلے جیسا......

اگر اس رات کا اہتمام میرے لیے تھا تو وہ رات عادل کے نام تھی۔ سب خوش تھے۔ میرے لیے نہیں عادل کے لیے۔ وہ اسٹار تھا اس رات کا۔ میں نے پاپا کو آج سے زیادہ کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔

"حیران کر دیا نا انکل نے آپ کو۔" خضر نے میرے پاس آ کر پوچھا۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ سے اچھا ڈانس کرتے ہیں اب وہ......آپ تو خوبصورت ہیں لیکن وہ تو کمال ہیں......''

عادل پاپا اور ممی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ مسکرا رہا تھا۔ مجھے صاف صاف ایسے لگا جیسے اس نے مجھے ہرا دیا......

وہ جیت گیا......

عادل جیسے انسان کو جیت جانے دینا......اس جیسے انسان سے ہار جانا...... مجھے تذلیل لگا......

۞......۞......۞
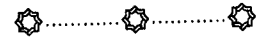
اگلے دن وہ چلا گیا۔

''اچھا ہوتا تم بھی عادل کے ساتھ چلی جاتی۔ کچھ دیر وہاں اپنے سسرال جا کر رہو۔ اب جب عادل بلائے تب چلی جانا۔ کام کو اتنا سر پر سوار نہیں کرتے۔''

پتا نہیں اس نے پاپا سے کیا کہا تھا کیا نہیں۔ کیا سچ کیا جھوٹ کہ پاپا مجھ سے کوئی باز پرس نہیں کر رہے تھے۔ وہ بہت مطمئن تھے۔ میں بھی بہت مطمئن تھی۔ وہ میرے نام ایک خط ٹیبل پر چھوڑ گیا تھا کہ میں پاپا کی فکر نہ کروں وہ انہیں سمجھا لے گا۔ میں اپنے فیصلے میں آزاد ہوں۔ میں نے چاہا کہ میں پاپا کے گھر چلی جاؤں تو انہوں نے مجھے منع کر دیا۔

''اپنے گھر رہو اور اپنے شوہر کا انتظار کرو۔ تمہیں بھی معلوم ہو کہ عادل کے بغیر گھر کیسا لگتا ہے۔''

عادل کے بغیر گھر ویسا ہی تھا جیسا پہلے تھا۔ نہ وہ میرے لیے پہلے گھر میں موجود تھا نہ بعد میں ہوا۔ ان لوگوں کے جانے سے زندگی میں فرق پڑتا ہے جن لوگوں کی موجودگی سے فرق پڑے۔ جسے زندگی میں شامل ہی نہیں کیا اسے نکال دینے پر افسوس کیا کرنا۔ ہاں! لیکن چند بار مجھے افسوس ہوا کہ میں نے ایک عام سے شخص کو اتنا ہلکان کر دیا کہ وہ خود کو سر سے پیر تک بدل دینے میں مصروف ہو گیا۔ کوکنگ سیکھتا رہا' گرومنگ کرتا رہا' رقص میں غلطاں رہا۔ وہ خود کو خاص بنا لینے پر کمر بستہ ہو گیا......

مجھے افسوس تھا اور بس......

پاپا کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی عادل سے روز بات ہوتی ہے۔ ایسے ہی روز بات کرتے عادل ایک دن انہیں ہمارے فیصلے کے بارے میں بتا دے گا۔ مجھے عادل پر ٹرسٹ تھا کہ جیسے اس شخص نے باقی کے سب کام اتنی خوش اسلوبی سے کیے تھے وہ یہ کام بھی بہت اچھے انداز سے کر لے گا۔

''تمہارا اس اکیلے گھر میں دل پریشان نہیں ہوتا مشعل......؟''

عادل کو گئے ہوئے آٹھ مہینے سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا تو ایک رات پاپا نے مجھ سے پوچھا۔

''سارا دن تو میں آفس میں ہوتی ہوں......رات کو سونا ہی تو ہوتا ہے......''

''کیا زندگی یہی ہے؟ دن کو کام کرنا اور رات کو سو جانا؟ اپنے کیریئر کے لیے جنون رکھنا اور اپنی پرسنل لائف کو کوئی اہمیت نہ دینا۔''

میں خاموش رہی......وہ بھی خاموش رہے اور چلے گئے۔ ان کے انداز کی سنجیدگی اور تلخی نے مجھے چونکا دیا۔ میں انہیں کافی کے لے روکتی رہ گئی لیکن وہ رکے ہی نہیں۔ اگلے کئی دن میں ان سے فون پر بات کرنے کی یا گھر میں ملنے کی

کوشش کرتی رہی لیکن پتا نہیں کیوں یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ کیا پاپا مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے یا وہ واقعی میں گھر اور فون پر میسر نہیں تھے۔

پھر ایک دن وہ خود ہی میرے پاس آ گئے۔

''میرے لیے بہت مشکل تھا اس حقیقت کو تسلیم کرنا لیکن خود کو دھوکا دینے سے بہتر ہے کہ میں یہ حقیقت تسلیم کر لوں۔ پھر عادل کے سکون کے لیے میں اسے اور بے سکون نہیں دیکھ سکتا۔ میں یہ بات محسوس کرتا ہوں مشعل کہ جیسے جیسے دنیا ترقی کر رہی ویسے ویسے انسان کی قدر گھٹ رہی ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ یہ ساری ترقی انسان کے لیے کی جا رہی ہے اور انسان ہی اس سب میں سب سے زیادہ پسماندہ ہوتا جا رہا ہے۔''

میں خاموشی سے پاپا کو سن رہی تھی......

''مجھے یہ خوف ہمیشہ رہا تھا کہ مجھے کبھی اپنی کسی بیٹی کے لیے ایک اچھا انسان نہیں مل سکے گا۔ مجھے یہ ایک خواب لگتا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہو گا کہ میری کسی بیٹی کا شوہر اتنا اچھا ہو گا کہ میں رات کو سکون سے سو جایا کروں گا۔ فروا کی موت کے بعد میں تمہاری موت کے فوبیا میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جب کوئی انسان اولاد والا ہو جاتا ہے نا اس دن سے ہی وہ کئی طرح کے خوفوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ میں تو پھر بیٹیوں والا تھا۔ لیکن تم سے یہ باتیں کرنا یا تمہیں سمجھانا بے کار ہے کیونکہ تم ضدی اور خود پسند ہو......''

''میں خود پسند نہیں ہوں پاپا......'' مجھے پاپا کے اتنے سفاکی سے کہنے پر دُکھ ہوا۔

''تم خود کو کیا کیا سمجھتی ہو مشعل؟ ہو تو تم ایک انسان ہی نا۔ اگر تم خوبصورت ہو تو اس میں تمہارا کیا کمال ہے؟ اگر تم پڑھی لکھی ہو تو اس میں میرا کمال ہے۔ میں نے رات دن محنت کی' تمہیں زندگی کی ساری سہولتیں دیں۔ اگر میرا باپ پاکستان سے یہاں نہ آیا ہوتا تو تمہاری پیدائش بھی کسی دیہات میں ہوتی۔ تم اس سے کہیں زیادہ عام اور معمولی ہوتی جتنا عادل تمہیں لگتا ہے۔ جب ایک انسان خود کو بہت اونچے مقام پر رکھ لیتا ہے نا تو اسے باقی کے سب لوگ خود سے چھوٹے ہی نظر آتے ہیں۔ خود کو تم نے کس خوبی کی بنا پر اتنا اونچائی پر رکھ لیا ہے؟''

''تم عادل سے شادی سے انکار کرتی تھی تو مجھے یقین تھا کہ جب تم اس کے ساتھ رہو گی تو تم بھی اس کی گرویدہ ہو جاؤ گی......ہونہہ......لیکن گرویدہ تو وہ شخص ہو جو خود اپنے سحر سے نکل سکے۔ جسے اپنی ہی چاکری سے فرصت نہیں وہ کسی کو کیا سراہے گا۔ مجھے افسوس ہے مشعل کہ تمہیں یہ تو معلوم ہے کہ تمہیں اپنے فلاں ڈریس کے ساتھ کون سے شوز اور کون سا کلچ لینا ہے لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ایک اچھے انسان کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔''

میں حیرت سے پاپا کو دیکھ رہی تھی۔

''عادل مجھ سے تفصیل سے بات کر چکا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں تمہیں تمہارے مرضی کی زندگی گزارنے دوں۔ تم پر اپنی محبت کا دباؤ نہ ڈالوں۔ وہ تمہیں چھوڑنے کے لیے تیار ہے۔ تم کاغذات بنا لو وہ سائن کر دے گا۔ یہ گھر وہ پہلے ہی تمہارے نام کر چکا ہے۔ تم کچھ اور لینا چاہو تو اس کا دعویٰ کر دینا۔ تم نے خود پر شادی کی اسٹمپ لگوا لی ہے' اب چاہو تو ساری زندگی سنگل رہ سکتی ہو۔ عادل کے بارے میں جو میرے دعوے تھے وہ سب سچ ثابت ہوئے۔ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ مایوس تو مجھے میری اپنی ہی اولاد نے کیا۔ اب مجھے اس چیز کا خوف نہیں رہے گا کہ میری بیٹی کی زندگی میں کوئی برا

شخص آ جائے گا کیونکہ اب میں یہ جان گیا ہوں کہ اچھے شخص کو میری بیٹی خود اپنی زندگی سے بے دخل کرتی رہے گی۔ عادل کو بھی مکمل بے دخل کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ کسی اپنی جیسی لڑکی سے شادی کرے اور اپنا گھر بسا لے۔ میں اسے بہت پسند کرتا ہوں۔ اس نے تمہارے ساتھ ایک صبر آزما وقت ساتھ گزارا ہے۔ میں اس کے صبر کی قدر کرتا ہوں۔''

''پاپا! آپ......''

''تم اپنے ہر طرح کے فیصلے کے لیے آزاد ہو مشعل......'' میری بات سنے بغیر وہ اپنی کہہ کر چلے گئے۔

۞............۞............۞
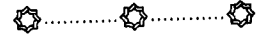
جس رات پاپا میرے پاس آئے تھے' اس رات کے دن میں آفس میں بھی ایک واقعہ ہوا تھا۔

''یہ آرٹیکل آپ نے لکھا ہے۔'' تند و تیز انداز میں ایک عورت میرے آفس آئی۔

''یس! میں نے ہی لکھا ہے......''

''پہلے میں نے سوچا کہ مجھے تمہیں ای میل کرنی چاہیے' پھر سوچا کہ جو بات ملاقات میں ہے وہ ای میل میں نہیں۔ ویسے بھی تم جیسے لوگوں کی طبیعت لائیو صاف کرنی چاہیے......''

''جولائی کے ایڈیشن میں تم نے جو میگزین کے کور پر کول ہزبینڈ' ہاٹ گائے' پرفیکٹ ہزبینڈ کی تصویریں دیں اور اندر آرٹیکل اور ہنٹ دیئے ہیں' کیا سوچ کر دیئے ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہی لڑکا بیسٹ ہو سکتا ہے جس کی باڈی اچھی شیپ میں ہو؟ وہی شوہر پرفیکٹ ہو سکتا جو بیوی کی برتھ ڈے کو یاد رکھے' جو بیوی کو غیر معمولی گفٹ دے سکے۔ جو اسے ہفتے میں ایک بار ڈنر کے لیے لے کر جائے۔ جو دکھنے میں ہینڈسم ہو۔ اس کے پاس ٹریولنگ کروانے کے لیے ڈھیر سارے پیسے ہوں۔ جو کسی فلمی ہیرو کی طرح ہمارے سب خواب سچ کر دکھائے؟؟؟ یہ ہے وہ اسکیل جو تم لوگ دوسروں کو جج کرنے کے لیے دیتے ہو؟ تم ہوتے کون ہو ہمیں یہ اسکیل دینے والے......؟''

''بند کرو یہ واہیات چیزیں لکھنا۔ میرا ہزبینڈ یہ سب چیزیں پڑھتا ہے اور اسے لگتا کہ وہ ایک پرفیکٹ ہزبینڈ نہیں ہے۔ میرے برتھ ڈے گفٹ کے لیے اس نے اپنی کچھ قیمتی اور پیاری چیزیں بیچ دیں۔ اسے لگنے لگا ہے کہ شاید دنیا کی ہر عورت ایسے ہی خوش رہ سکتی ہے۔ ہر عورت کو یہی سب چاہیے۔ ہفتے کے چھ دن وہ پارٹ ٹائم کام کرنے لگا ہے تاکہ ہفتے میں ایک بار مجھے کسی اچھی جگہ پر ڈنر کروا سکے۔ اپنی ضروریات کو نظر انداز کر کے وہ مجھے ٹریول کروانے کے لیے پیسے جمع کر رہا ہے۔ تم لوگ کیوں دوسرے لوگوں کی زندگیاں مشکل بنا رہے ہو۔ میرا شوہر تمہارے میگزین کے کور پر آنے والے پرفیکٹ گائے جیسا نہیں دکھتا' لیکن وہ میرے لیے پرفیکٹ ہے کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے......اس کی جیب میں پیسے ہیں یا نہیں' وہ مجھے ڈھیر ساری شاپنگ کروا سکتا ہے یا نہیں' مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کیونکہ وہ میرے دکھ میں میرے ساتھ مل کر روتا ہے......میری خوشی میں میرے ساتھ خوش ہوتا ہے......''

''تم یہ سب لکھ کر میرے شوہر کو اذیت دینا بند کرو......بند کرو یہ سب بکواس لکھنا......تم وہ وچ ہو جو سادہ دل لوگوں کی زندگیوں کا خون چوستی ہے......تم جیسے گھٹیا لوگ اپنی زندگیوں کو مشینوں کی طرح چلاتے ہیں اور انہیں لگتا کہ باقی کی دنیا بھی اسی فارمولے پر چلے گی......''

''کیا میں واقعی اپنی زندگی کو کسی مشین کی طرح چلا رہی تھی......میں نے اپنی زندگی پر ایک فارمولا لگا لیا تھا......جو اسکیل میں دوسروں کو دے رہی تھی اسی اسکیل پر میں نے عادل کو رکھا ہوا تھا......''

اس دن اور اس رات مجھے لگا کہ ہر شخص عادل کی زبان بول رہا ہے۔ ہر شخص عادل کے حق میں بول رہا ہے۔ ہر اشارہ اس کے حق میں جا رہا ہے۔ اس رات پہلی بار میں نے اپنے دل کو ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ پہلی بار مجھے لگا کہ جس نظر سے میں دنیا کو اور عادل کو دیکھتی رہی ہوں وہ نظر ہی غلط تھی......

نہیں مجھے عادل سے محبت نہیں ہو گئی تھی۔ میں تو اس سے متاثر ہوئی تھی کہ کیسے ہر شخص اس کی وکالت کر رہا ہے۔ ہر شخص' ہر واقعہ' ہر اشارہ......وہ خود پاکستان میں تھا اور یہاں وہ اپنے وکیل چھوڑ گیا تھا......

۞............۞............۞

اگلے دن صبح ہی مجھے ہمارے فیملی وکیل کی کال آ گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ پاپا نے انہیں مجھ سے بات کرنے کے لیے کہا۔ پاپا کا رویہ مجھے حیران کر رہا تھا۔ وہ عادل کو اس قدر پسند کرتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ عادل جلد سے جلد مجھ جیسی اذیت سے آزاد ہو جائے۔ پاپا کا یہ رویہ مجھے اپنے منہ پر کسی طمانچے سے کم نہیں لگا۔

۞............۞............۞

پاپا مجھ سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ وہ نہ گھر آتے تھے نہ میرے گھر جانے پر مجھ سے بات کرتے تھے۔ لیکن میں نے انہیں عادل سے فون پر لمبی لمبی باتیں کرتے دیکھا تھا۔ آخر اس شخص میں ایسا کیا تھا کہ جنہیں وہ ایک بار پیارا لگا تھا انہیں وہ برا نہیں لگ رہا تھا۔

اور پھر......ایک رات......

ان دونوں نے ایک ساتھ مجھ پر حملہ کیا تھا۔ ایک نے پسٹل مجھ پر تان لی تھی اور ایک نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے ریسٹ واچ اور باقی کی جیولری اتارنے کے لیے کہا۔ اس طرح کے اسٹریٹ کرائم سے میں واقف تھی۔ میں نے آج تک ہزاروں بار ان اسٹریٹ کرائم کے بارے میں پڑھا تھا' سنا تھا اور ہمیشہ یہی سوچا تھا کہ یہ سب دوسروں کے ساتھ تو ہو سکتا ہے لیکن میرے ساتھ نہیں۔ میرے پاس میری اپنی کار تھی' اور میرا اچھے علاقوں میں آنا جانا تھا۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کسی پوش علاقے میں بھی میرے ساتھ یہ ہو سکتا ہے۔ کار تک آتے کوئی مجھے بھی پیچھے سے دبوچ سکتا ہے۔ میرے گھٹنے پر' میرے پیٹ میں اور میرے منہ پر تھپڑ مار سکتا ہے۔ کبھی کہیں میرے ساتھ بھی کچھ برا ہو سکتا ہے......کوئی مجھے بھی بے بس کر سکتا ہے......

میری ساری قیمتی جیولری اور میرا بیگ ان کے پاس تھا پھر بھی وہ مجھے گالیاں نکال رہے تھے۔ ایک اپنا بدبودار' غلیظ منہ میرے منہ کے پاس لا کر چلا رہا تھا......میرے اعصاب اتنی بری طرح سے منتشر ہوئے کہ میں کتنی ہی دیر تک وہیں بت بنی کھڑی رہی۔ میں خوفزدہ نہیں ہوئی تھی بلکہ میں بے عزت ہوئی تھی۔ میری گردن پر ایک لڑکے کے پنجوں کی سختی اور میرے ہاتھوں' کانوں' انگلیوں سے جیولری اتارنے کی سی درندگی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

میں نے پولیس کو کال نہیں کی تھی۔ میں گھر آ گئی تھی۔ میں نے اپنا منہ بھی صاف نہیں کیا تھا۔ کپڑے بھی نہیں

بدلے تھے۔ تذلیل کے اس احساس کو لیے میں رات بھر خاموش بیٹھی رہی...... اس ایک تھپڑ کی گونج ساری رات سنتی رہی......

ملبورن کی نمبر ون یونیورسٹی سے ڈگری لینے والی لڑکی' ملک کے سب سے بڑے میگزین میں کام کرنے والی مشعل جلال' جو لوکل ٹرین میں سفر کرنے کو اپنی توہین سمجھتی تھی۔ جسے اپنی خوبصورتی ریمپ پر چلنے والی ماڈلز سے کہیں زیادہ لگتی تھی۔ میں جو عادل جیسے انسان کو اپنے کندھے پر صرف اس لیے ہاتھ نہیں رکھنے دیتی تھی کہ میں سمجھتی تھی کہ میری خوبصورتی اتنی گری ہوئی نہیں کہ ایک دیہاتی اس پر اپنا حق جمائے۔ وہ مشعل آج گندے سندے' نشہ کرنے والے' گلی کے غنڈوں کے ہاتھوں ذلیل ہو چکی ہے...... وہ میرا سامان نہیں لوٹ کر لے گئے تھے بلکہ وہ میرا وقار لوٹ کر گئے تھے...... پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ ذلت تو کہیں سے بھی' کبھی بھی مل سکتی ہے...... یہ تو عزت ہے جو ہر ایک سے' ہر جگہ سے نہیں ملتی...... اور محبت...... اور عادل بھی...... جس کا ہاتھ ہاتھ میں تو آتا لیکن گال تک نہیں جاتا......

✡......✡......✡
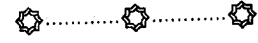
پاپا اور میں عادل کو اطلاع دیئے بغیر پاکستان اس کے گاؤں گئے تھے۔ عادل گھر پر موجود نہیں تھا۔ وہ گاؤں میں کوئی ڈسپنسری بنوا رہا تھا وہ وہیں تھا۔ گھر کا ایک ملازم مجھے وہاں تک لے گیا تھا۔ ڈسپنسری کی تعمیر سے کچھ فاصلے پر وہ ایک ٹیوب ویل کے پاس بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔

جس وقت میں اس کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اس نے سر اُٹھا کر ایسے دیکھا کہ جیسے اسے گمان تھا کہ وہاں میں ہوں لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا گمان سچ بھی ہو سکتا ہے۔ حیرت اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی۔ اسی حیرت نے اسے خاموش کر دیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا۔

میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور اسی کی طرح میں نے بھی اپنے پاؤں پانی میں ڈبو لیے۔ وہ ابھی بھی خاموش تھا۔ وہ میری طرف دیکھنے سے بھی کترا رہا تھا جیسے اسے یہ لگتا تھا کہ میں کوئی خواب ہوں جو اس کے بات کرنے سے ٹوٹ جائے گا۔

اس وقت اس کے ساتھ اس گاؤں' اس جگہ بیٹھے مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ اس پوری دنیا میں عادل ایک صرف میرے بغیر کتنا اکیلا اور تنہا تھا۔ اس کے سامنے لہلاتے سارے کھیت دراصل کس قدر بنجر تھے۔ عادل کی آنکھوں کی ویرانی' اس کے وجود میں نمایاں کرب کے گہرے سائے اسے کس قدر بدصورت بنا چکے تھے...... ایک صرف میرے لیے...... ایک صرف میرے لیے...... وہ شخص میرے لیے خود کو ویران کیے ہوئے تھا...... ایسا پہلی بار ہوا کہ اسے ایسے دیکھ کر میری آنکھیں نم ہو گئیں...... میں نے اس کی اذیت کو پورے دل سے محسوس کیا...... میں نے جان لیا کہ وہ تو صرف مجھ سے محبت کرتا تھا...... ایسی محبت جس پر اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں تھا......

"میں تم سے محبت نہیں کرتی عادل...... لیکن کیا تم اتنا وقت میرے ساتھ رہ سکتے ہو کہ مجھے تم سے محبت ہو جائے...... زیادہ نہیں بس اتنا ہی......" میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اس نے کتنی ہی دیر تک بے یقینی سے مجھے دیکھا...... "کیا تم نے محبت کا لفظ استعمال کیا مشعل؟"

"ہاں! وہی "حرفِ محبت" جو تم سے سیکھا ہے......"

"جو تمہیں سکھا دیا ہے وہ میں خود بھول گیا ہوں مشعل۔"

اس نے کہا اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا۔ میں نے اسے دیکھا۔ ہاں وہ ٹھیک کہہ رہا تھا وہ بھول سکتا تھا۔ کائنات میں ایسا کیا ہے جو ہمیشہ ایک ہی جگہ قائم رہتا ہے۔ وہ کیا ہے' جس میں تبدیلی وقوع پذیر نہیں۔ محبت اپنے وجود میں کتنی بھی کامل کیوں نہ ہو کہیں نہ کہیں ڈگمگا ہی جاتی ہے۔ پھر محبت تو اپنے اندر غیرت رکھتی ہے' جب اسے مسلسل ذلیل کیا جائے' تو یہ غیرت جاگ اُٹھتی ہے۔

"میں نے آنے میں دیر کر دی نا عادل؟"

"واپس لوٹ جاؤ مشعل......"

پہلی بار مجھے اس تکلیف کا احساس ہوا جس تکلیف سے ہر بار عادل گزرتا تھا' جب میں اس کی محبت کو اپنی جوتی کی نوک تلے مسل دیا کرتی تھی۔

"واپس لوٹ جاؤ" نے مجھے ایک ایسے درد سے آشنا کیا جس درد کو عادل نے مسلسل جھیلا تھا۔ وہ مجھے لوٹا سکتا تھا' وہ اس کا حق رکھتا تھا۔ میں نے اسے تھکا دیا تھا۔ وہ یقین جو اسے اپنے جذبے پر تھا وہ سرد ہو چکا تھا۔

"میں نے اس کے ہاتھ پر پھر سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔"

کیونکہ یہ بھی تو میں نے عادل سے ہی سیکھا ہے کہ پتھر محبت سے کتنا ہی نا آشنا کیوں نہ ہو' آخر کار پگھل کر موم ہو ہی جاتا ہے۔

✡......✡......✡

ش......شرار

الوینہ نے اپنی چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لیا تھا۔ چادر کے نیچے اس کے ہاتھ میں وہ چھوٹا سا ہینڈ بیگ تھا جس میں پیسے اور زیورات تھے۔ کمرے سے نکل کر جیسے ہی وہ صحن میں آئی اور اس نے ایک آخری نظر اپنے گھر پر ڈالی تو وہ تھوڑی دیر کے لیے کانپ سی گئی۔ اس کے ہاتھ میں اتنا زیادہ پسینہ آ گیا کہ بیگ اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گر گیا۔ اس میں چلنے کی سکت ختم ہوگئی اور وہ برآمدے کی دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔

''یہ میں کیا کرنے جا رہی ہوں......'' اس کے دل پر وزنی بوجھ آ گرا۔

''اماں......بابا......''

زیرِ لب کہہ کر وہ سسکنے لگی اور برآمدے کی دہلیز پر بیٹھ گئی۔ آنسو آپ ہی آپ اس کی آنکھوں سے رواں ہو گئے اور وہ باقاعدہ رونے لگی۔ سوچ لینا اور پھر کر گزرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جن لڑکیوں کو شادی کا بہت شوق ہوتا ہے ان کے دل بھی رخصتی کے وقت منہ کو آتے ہیں الوینہ تو پھر گھر سے بھاگ رہی تھی۔ جو لڑکیاں رخصت ہو رہی ہوتی ہیں ان کے دلوں کو کم سے کم یہ تسلی تو رہتی ہے کہ وہ کل پھر سے اپنے اماں ابا، بہن بھائیوں سے مل لیں گی، اپنے گھر واپس آ جائیں گی۔ لیکن اس طرح بھاگ جانے کی صورت میں تو وہ مر کر بھی انہیں اپنی شکل نہیں دکھا سکے گی۔

اس کے بیگ میں رکھا موبائل بجنے لگا۔ وہ جانتی تھی کہ اسد اسے فون کر رہا ہے۔ وہ دو گلی چھوڑ کر کار میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''اسد میرا دل گھبرا رہا ہے......ہم یہ ٹھیک نہیں کر رہے......میں ایسے کیسے اپنا گھر چھوڑ آؤں......'' اب فون پر بات کرتے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے جبکہ اسی اسد سے اس نے رات رات بھر فون پر باتیں کی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوتا تم جلدی آؤ بس......جلدی کرو یہ نہ ہو کوئی آ جائے اور ہم پکڑے جائیں......''

''ساری زندگی میں اماں بابا کو نہیں دیکھ سکوں گی......کیسے رہوں گی ان کے بغیر......''

''میرے بغیر رہ لو گی......رہ لو پھر......'' غصے سے اس نے فون بند کر دیا۔

فون ہاتھ میں لیے وہ سر جھکا کر رونے لگی۔ وہ اسد کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ نہ ایک دن نہ ایک پل۔ لیکن اس کے ماں باپ، وہ ان کے بغیر بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ مہینوں سے اس بارے میں سوچ رہی تھی اور پھر جب اس کی منگنی طے کر

دی گئی اور شادی کی تاریخ کی بات کی جانے لگی تو اس نے فیصلہ کر لیا۔ اماں بابا غیر ذات میں اس کا رشتہ کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے۔ کتنی ہی بار اسد کے گھر والے رشتہ لے کر آئے لیکن بابا مانے ہی نہیں۔ پھر دونوں خاندانوں میں تلخی اتنی بڑھ گئی کہ دشمنی ٹھن گئی۔ ابا نہ رشتہ دینے کے لیے تیار تھے نہ اسد کے گھر والے لینے کے لیے......دونوں نے گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

آج رات اسے اسد کے ساتھ جانا تھا۔ اماں، بابا ایک رشتے دار کے گھر شادی میں گئے تھے، دونوں چھوٹے بھائی بھی ساتھ تھے۔ وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر گھر رہ گئی تھی، اور اب وہ برآمدے کی دہلیز پر بیٹھے رو رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ یہ سوچ لینا کہ گھر چھوڑ دوں گی، بھاگ جاؤں گی، الگ بات تھی اور اب واقعی میں گھر چھوڑ دینا جیسے آگ میں کود جانے کے برابر تھا۔

فون پھر بجنے لگا۔ اسد پھر سے فون کر رہا تھا۔ اس نے فون نہیں اٹھایا تو اس نے میسج کیا۔

''آ رہی ہو نا......آ جاؤ ورنہ یہ لوگ ہماری زندگیاں جہنم بنا دیں گے۔''

میسج پڑھ کر بھی اس کے احساسات نہیں بدلے اور وہ اٹھ کر اماں کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہاں جا کر اپنا بیگ خالی کیا۔ زیور پیسے سب واپس رکھے اور اماں کے بیڈ پر بیٹھ کر پھر سے رونے لگی۔ ٹھیک اسی وقت اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا لیکن وہ اتنی غم زدہ اور دکھی تھی کہ اس نے پلٹ کر دیکھنا ہی نہیں چاہا۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنی چادر اتار کر ایک طرف پھینکی اور فون کو آف کر دیا۔ وہ بری طرح سے کانپ رہی تھی، اس کا دل پھٹا جا رہا تھا......فیصلہ نہ یہ آسان تھا نہ وہ......نہ رہنا آسان تھا نہ چھوڑ دینا......

اٹھ کر اس نے پانی پیا، منہ دھویا اور برآمدے کے ستون سے سر ٹکا کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اماں ابا کسی بھی وقت واپس آ سکتے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کچھ بھانپ جائیں۔

چاپ پھر سنائی دی......جیسے ہوا کو پاؤں مل گئے ہوں......سکوت کو زبان......

اسد کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا اور وہ نظریں چرانے کی کوشش کر رہی تھی......

صحن میں جس طرف روشنی تھی وہاں سیاہ دھبہ نمودار ہوا۔ پھر وہ روشن تو ہوتا گیا لیکن روشنی جیسا نہیں۔ وہ خوبصورت اور اس کی آنکھوں میں جال بچھا تھا۔

''تمہیں اپنا ارادہ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے......کون سی چیز تمہیں کمزور کر رہی ہے......؟''

دہلیز پر بیٹھے بیٹھے الوینہ نے جھرجھری سی لی اور زیرِ لب بڑبڑائی۔ ''میں یہ وہموں اور وسوسوں کی جنگ اور نہیں لڑ سکتی......''

''محبت تو دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے......پھر تم اس قیمتی چیز کو حاصل کیوں نہیں کر لیتی......؟''

''کیا صرف ایک مرد کی محبت ہی قیمتی ہوتی ہے......میرے ماں باپ کی نہیں ہے......؟''

''تمہارے ماں باپ کے لیے تمہاری محبت کہاں ہے......؟'' وہ اس سے کچھ دور فاصلے پر کھڑا تھا۔

''انہیں اسد پسند نہیں......''

''انہیں اسد کی ذات پسند نہیں......اگر تمہاری محبت تمہاری والدین کے لیے اتنی ہی اہم ہوتی تو وہ ایسی معمولی

سی وجہ کے لیے تم دونوں کو الگ نہ کرتے......وہ ضد کر رہے ہیں......''

''صرف محبت کے لیے مجھے بھی ایسے گھر سے نہیں بھاگ جانا چاہیے......''

''اسے گھر سے بھاگنا نہیں محبت پانا کہتے ہیں......تم اس ظلم سے دُور جانے کی کوشش کر رہی ہو جو تم پر کیا جانے والا ہے......''

''میں کبھی خوش نہیں رہ سکوں گی......ایسے اپنے ماں باپ کی عزت کو نیلام کر کے مجھے کیسے سکھ ملے گا......''

''تمہاری محبت نیلام ہو جائے گی تو کیا پھر تمہیں سکھ ملے گا؟ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم خود اپنی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ ہو۔تم میں چھپ کر محبت کرنے کا حوصلہ تو تھا لیکن اس محبت کو پا لینے کی ہمت نہیں ہے۔ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی اپنی مرضی سے گزارے۔اگر اسے ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے گا جو اس کی پسند کی نہیں ہوگی تو وہ ظلم ہوگا۔جو لوگ یہ ظلم سہتے ہیں وہ خود بھی ظالم ہوتے ہیں۔تم ایک کمزور اور بزدل انسان ہو۔جو بزدل ہوتے ہیں وہ کبھی سچی محبت حاصل نہیں کر پاتے۔وہ ہمیشہ معاشرے اور حدود قیود کے بارے میں سوچتے رہ جاتے ہیں۔اسی لیے وہ سچی محبت کرنے والے امر ہوتے ہیں جو زمانے کے رنگ میں نہیں رنگتے۔کیا تم نے سنا نہیں کہ ہیر رانجھے کے لیے بھاگ گئی تھی؟''

الوینہ نے خود کو بجھی ہوئی روشنی کی مانند ٹمٹماتے پایا۔''میرے ماں باپ کا کیا ہوگا؟''

''اسد کا کیا ہوگا......؟ تمہارے دل کا کیا ہوگا......؟''

''میں اتنی تکلیفیں نہیں سہہ سکتی......میرا گھر پیچھے اجڑ جائے گا......میرے بھائیوں کے سر جھک جائیں گے......''

''یہ صرف تمہارے وہم ہیں۔سوچو اگر تمہاری شادی اس شخص سے ہوگئی جسے تمہارے لیے پسند کیا گیا ہے تو پھر بھی تمہاری زندگی اجڑ جائے گی۔تمہاری اس زندگی پر صرف تمہارا اپنا حق ہے الوینہ......کسی کو یہ حق چھیننے نہ دو......تمہیں تمہاری مرضی سے شادی کرنے کا پورا پورا حق ہے......''

''شادی کرنے کا حق ہے......گھر سے بھاگ جانے کا تو نہیں......''

''گھر سے تم اسی لیے بھاگ رہی ہو کیونکہ تمہیں تمہارا حق استعمال کرنے کی آزادی نہیں ہے......تمہیں اپنے لیے خود ہی آزادی پیدا کرنی ہوگی......''

الوینہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر برآمدے سے اندر کمرے میں آگئی۔تھوڑی دیر کی بات ہے اماں بابا گھر آجائیں گے۔پھر وہ کبھی اس گھر سے نہیں نکل سکے گی۔وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگی۔

''یہ وقت اگر گزر گیا تو پھر بہت پچھتاؤ گی الوینہ......''

''میں یہاں سے جانے کے بعد پچھتاؤں گی......''

''تم جانتی ہی نہیں کہ آنے والا وقت کیسا ہو سکتا ہے......پھر کیا کرو گی......؟؟''

''آنے والا وقت کیسا بھی ہو......مجھے یہیں رہنا ہے......''

''پھر آنے والے وقت کو ایک نظر دیکھ لو......''اس نے اپنے ہاتھ کی روشنی کو شکوک وشبہات کے مستقبل میں ڈھال کر دیوار پر منتقل کر دیا۔

''تم نے اپنی کلائی کاٹ لی تھی نا اس حرامی کے لیے......اب میرے نکاح میں میری دلہن بن کے بیٹھی ہو......تم

جیسی حرافہ عورتوں کو تھوکنے کے لیے تو لایا جا سکتا' نکاح میں نہیں......تمہارے باپ نے میرے باپ کو اسے گاؤں کی زندگی میرے باپ نے میرا سودا کر دیا......اب اس سودے کا سود تم دو گی......''اس نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ کچھ اور ہے۔ آئی۔

الوینہ نے سہم کو اس کے ہاتھ کو دیکھا......

اس نے ہتھیلی سمیٹ لی اور پھر کھولی......روشنی دیوار پر پڑنے لگی......

وہ اپنے گھر کے کمرے کے ایک کونے میں پڑی اپنے تین بچوں میں سے ایک بچے کا بخار کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔وہ اس پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔اس کا بخار کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔وہ نیلا ہو رہا تھا۔تڑپ کر وہ اٹھی اور باہر سے تالا لگے دروازے کو کھینچ کر جھٹکے دینے لگی......

''دروازہ کھولو......کھولو......کوئی ہے باہر......میرا بچہ مر رہا ہے......وہ مجھے اندر قید کر گیا ہے...... تالا باہر سے توڑ دو کوئی......کوئی تالا توڑ دو......''

اس نے اپنی انگلیاں سمیٹ لیں......پھر انہیں کھولا......

وہ دونوں ایک بڑے سے گھر میں موجود تھے' وہاں چند عورتوں اور مردوں میں ان کا نکاح ہو رہا تھا۔پھر کمرے میں بیٹھا اسد اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا......

''مجھے لگ رہا ہے یہ کوئی خواب ہے......تم اب ہمیشہ کے لیے میری ہو الوینہ......میں تم پر زندگی کی دھوپ کی کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔''

اس نے ہتھیلی سمیٹ لی اور پھر سے کھولی......

چھوٹا سا ایک گھر ہے اور وہ کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی ہے......فون شانے اور کان کے درمیان پھنسا ہے......

''کہاں ہو......کب تک گھر آؤ گے......؟''

''بس یہی کوئی آدھے گھنٹے میں......''

''تمہارے باس بھی ساتھ آ رہے ہیں......میں نے تین ڈشز بنائی ہیں' دیکھنا انہیں کتنی پسند آتیں......''

''انہیں پسند نہ آئیں تو بھی مجھے تو بہت پسند آئیں گی۔''

ہتھیلی پھر سے سمٹ گئی۔

الوینہ ہاتھوں میں منہ دے کر سسکنے لگی۔

''اگر تم یہاں رہ گئی تو تمہاری زندگی عذاب بن جائے گی۔تم اپنے شوہر کے ہاتھوں ہر روز ذلیل وخوار ہوگی۔ جس عزت کے لیے تم یہاں سے جانے سے انکار کر رہی ہو وہ عزت پیروں کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہوگی۔اپنے ماں باپ کے جس مان کے لیے تم اس انسان سے شادی کرو گی وہ مان تمہیں دیا جائے گا نہ تمہارے ماں باپ کو......تمہارے ماں باپ ناسمجھ ہیں' وہ نہیں جانتے کہ رشتے دلوں سے بنتے ہیں معاشرتی اصولوں سے نہیں۔تم اسد سے شادی کر لو گی' اپنے گھر میں خوش رہو گی تو خود ہی تمہارے ماں باپ مان جائیں گے۔اگر نہیں بھی مانیں گے تو کم سے کم تمہاری زندگی میں کوئی دکھ تو نہیں ہوگا۔تمہارا زندگی کا ساتھی ہی تمہارا غمخوار ہوگا......الوینہ تم نے اس عذاب کو دیکھ لیا ہے جو تمہیں جلد ہی ملنے والا ہے اور اس راحت کو بھی جو ایک قدم اٹھانے سے تمہارے قدموں میں ہوگی......''

الوینہ شدومد سے رونے لگی......

''ماں باپ کی عزت' بھائیوں کا مان' یہ روایت' وہ روایت' انہیں اپنے اندر سے نکال پھینکو۔ نئے دور کی باہمت لڑکی بنو۔ اپنی زندگی خود بناؤ۔ ہر شخص زندگی میں وہی حاصل کرتا ہے۔ جس کی طرف وہ قدم بڑھاتا ہے۔ تمہیں محبت بھی دکھا دی ہے اور ذلت بھی۔ اب اپنے قدم دونوں میں سے ایک کی طرف بڑھا دو......''

اپنی سمت کو سمیٹ کر وہ کھڑا اسے دیکھنے لگا......وہی جو ہر وقت ہر انسان میں موجود رہتا ہے اور اسے اپنے راستوں پر اپنی حکمت سے دھکیلتا رہتا ہے......

الوینہ کی آنکھوں میں جال بجھنے لگا اور اس کے دل کا غبار چھٹنے لگا۔ اس نے فون اٹھایا' اسے ہاتھ میں لے کر سوچا' پھر آن کر کے اسد کو فون کیا۔

''میں آ رہی ہوں۔''

اماں کے کمرے میں جا کر اس نے زیور' پیسے اپنے بیگ میں رکھے اور چادر کو اچھی طرح سے اپنے گرد لپیٹ لیا۔

۞......۞......۞
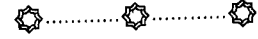
جس وقت وہ اسد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی اس وقت اسد بری طرح سے گھبرایا ہوا تھا۔

''میں سمجھا کہ تم مجھے دھوکا دے رہی ہو......اپنے بھائی لا کر مجھے پٹواؤ گی۔''

''اتنا ڈرتے ہو......؟'' وہ ہنس دی۔

''ڈرنا پڑتا ہے......اتنے بڑے گھر سے لڑکی بھگا کر لے جا رہا ہوں......''

''اتنے بڑے دل کی لڑکی کہو......مجھ جیسی جرأت مند لڑکیاں کم ہی ہوتی ہیں......''

''پہلے تو تم کچھ اور کہہ رہی تھی......ڈر سے تمہاری جان نکل رہی تھی......''

''چھوڑو اسے......'' الوینہ نے گاڑی چلاتے اسد کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔

''تم نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا نا الوینہ......؟؟''

''آگ کا دریا پار کر کے آئی ہوں......سب کے سینوں میں چھری اتار کر آئی ہوں......میری قدر کرنا......''

اسد نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''میں بھی سب چھوڑ کر آیا ہوں' میری پابند رہنا۔''

رات تک دونوں سفر کرتے رہے۔ صبح کے قریب وہ اپنے مطلوبہ گاؤں پہنچے۔ وہاں ان کی آمد کا پہلے سے ہی انتظار کیا جا رہا تھا۔ اسد کا دوست مصطفیٰ وہاں رہتا تھا۔ دوست کے علاوہ باقی سب کو یہ بتایا گیا تھا کہ الوینہ کا سوتیلا باپ اس کی شادی کسی بڈھے سے کر رہا تھا' ماں نے خود اسد کے ساتھ بھیجا ہے۔

نکاح کے لیے اسد کے دوست نے اچھا انتظام کیا تھا۔ رات کو ان کے نکاح کی خوشی میں ڈھولک بھی بجائی گئی۔

الوینہ نے دلہن بن کر حسن میں حسن والوں کو مات دے دی تھی۔ منہ دکھائی میں اسد نے اسے انگوٹھی دی تھی اور ہزار طرح کے وعدے کیے تھے۔ الوینہ نے اماں کے سارے زیورات پہنے تھے۔

چند دن گاؤں میں رہ کر وہ شہر آ گئے۔ اسد کے دوست نے اسد کے لیے وہاں ایک گھر کا انتظام کر دیا تھا۔ اسد کے ملائیشیا جانے تک انہیں اسی گھر میں رہنا تھا۔ ملائیشیا جا کر اسد کو اسے بھی اپنے پاس بلانا تھا۔

تین مہینے بعد اسد ملائیشیا چلا گیا اور وہ اسد کے دوست مصطفیٰ بھائی کے پاس گاؤں آ گئی۔ اسے گاؤں کی زندگی کی عادت نہیں تھی لیکن مجبوری تھی' اسے وہاں رہنا تھا۔ مصطفیٰ بھائی کے گھر والوں کو شک ہو گیا تھا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ مصطفیٰ بھائی کی بیوی نے اس پر کئی بار طنز کیے کہ باپ سوتیلا تھا لیکن ماں تو سگی تھی' وہ اب تک اس سے ملنے کیوں نہیں آئی۔

اسے نہ مصطفیٰ بھائی کی بیوی کے طنز کی پرواہ تھی نہ باقی دنیا کی۔ اسے پرواہ تھی تو اسد کی جس کے ساتھ وہ ان تین مہینوں میں اتنی خوش رہی تھی کہ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ وہ گھر سے نکلتے ہوئے اسے چھوڑ دینے کا عہد کر چکی تھی۔ اسے اس سوچ سے ہی خوف آتا تھا کہ وہ اپنا فون بند کر کے بیٹھ گئی تھی......

اگر وہ رات گزر جاتی......اگر وہ رات گزر جاتی......

اب تک اس کی شادی اس کے ماں باپ کی مرضی سے ہو چکی ہوتی اور اس کی زندگی بنجر زمین پر کسی مردہ جانور سے بھی کمتر ہوتی۔
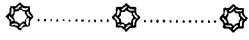
۞......۞......۞

''کہاں ہو......کب تک گھر آؤ گے......؟؟''

''بس یہی کوئی آدھے گھنٹے میں......''

''تمہارے باس بھی ساتھ آ رہے ہیں......میں نے تین ڈشز بنائی ہیں' دیکھنا انہیں کتنی پسند آتیں......''

''انہیں پسند نہ آئیں تو بھی مجھے تو بہت پسند آئیں گی۔''

''تمہیں تو بس باتیں بنانی آتی ہیں......''

''تم نے دیوانہ بنا لیا ہے......میں باتیں بھی نہ بناؤں......''

مسکرا کر اس نے فون بند کر دیا۔ چھ مہینے سے وہ اسد کے پاس ملائیشیا میں تھی۔ اسد نے ایک فلیٹ کرائے پر لیا ہوا تھا۔ اس کی جاب بھی اچھی تھی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ اسد اس کی زندگی میں اتنی زیادہ تبدیلیاں لے آئے گا۔ کہاں وہ اپنے گھر میں بھی دوپٹے کی بکل مار کر رہتی تھی اور کہاں اب وہ گلے میں دوپٹہ ڈال کر آرام سے باہر چلی جاتی تھی۔ ان دونوں کی زندگی ہر طرح سے آزاد تھی۔ نہ سسرال کا جھنجھٹ نہ خاندان کا دباؤ۔

الوینہ کو اس کنٹری کی جو چیز سب سے زیادہ پسند تھی وہ یہاں کی آزادی تھی۔ یہاں کسی کو فرق نہیں پڑتا تھا کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ وہ کہاں جا رہا ہے' کس کے ساتھ جا رہا ہے۔ ان کے ساتھ والے فلیٹ میں ایک لڑکی اکیلی رہتی تھی۔ رات گئے واپس آتی تھی لیکن کسی کو فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ راتوں کو کیوں باہر رہتی ہے۔

''ہم ہمیشہ یہیں رہ لیں گے اسد......'' ایک دن اس نے اسد سے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں......ویسے بھی یہ کنٹری بہت سیو ہے ہمارے لیے......''

''تم اپلائی کرو نا......''

''اتنا آسان نہیں ہے......ہو سکتا ہے ایک بار تمہیں اور مجھے واپس پاکستان جانا پڑے......''

''میں مر کر بھی پاکستان نہیں جاؤں گی......ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کوئی دیکھ نہ لے......''

''اب کسی نے دیکھ بھی لیا تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا......''

''پھر بھی......تم کوشش کرو کہ ہم ہمیشہ یہیں رہ جائیں......''

''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے الوینہ......میں ہوں تمہارے ساتھ......''

اسد اسے کہہ دیتا تھا لیکن پھر بھی اسے فکر رہتی تھی کہ اگر ویزا ختم ہو گیا تو وہ کیا کرے گی۔ اسد کا تو دو سال کا ویزا تھا لیکن اس کا چھ ماہ کا تھا۔ چھ ماہ کا ویزہ ختم ہونے پر اب اسے ہر ماہ آفس جا کر اپنے ویزے میں توسیع کرانی پڑتی تھی۔

جس باس کو اسد آج کھانے پر گھر لا رہا تھا وہ اسی سلسلے میں ان کی مدد کرنے والے تھے۔

وہ کھانا بنا چکی تو اسد کا انتظار کرنے لگی۔ اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا' آدھا گھنٹہ تو کب کا گزر چکا تھا۔ دس پندرہ منٹ اور نکال کر اس نے اسد کو میسج کیا کہ وہ کب تک گھر آ رہا ہے۔ لیکن اس کے میسج کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے کال کی تو کال بھی اٹینڈ نہیں کی گئی۔ وہ پھر سے ویٹ کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد فون کیا تو فون بند جانے لگا۔

''بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہو گی۔''

وہ ٹی وی دیکھنے لگی۔ گیارہ بج گئے تو اس نے پھر سے نمبر ڈائل لیکن فون بدستور بند جا رہا تھا۔ اب وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے اسد کے آفس فون کیا۔ آفس ظاہر ہے بند تھا۔ اس کے پاس اسد کے کسی کولیگ کا نمبر بھی نہیں تھا جسے وہ فون کر کے پوچھ لیتی۔ ناچار انتظار ہی کرتی رہی۔

گیارہ سے بارہ بھی بج گئے لیکن اسد نہیں آیا۔ وہ رو دینے کے قریب ہو گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ پولیس کو فون کر دے یا اسد کے آنے کا انتظار کرتی رہے۔ وہ پولیس کو فون بھی نہیں کر سکتی تھی' اس کے ویزے میں توسیع نہیں ہوئی تھی' اس طرح اس کا یہاں رہنا غیر قانونی ہو گیا تھا۔ اس صورت میں وہ پولیس کو فون کرتی تو خود بھی پھنس جاتی۔

روتے روتے رات گزر گئی اور پھر صبح پانچ بجے اس کے فلیٹ کی ڈور بیل بجی۔

''مسز اسد......آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے......مسٹر اسد نے آپ کو بلایا ہے۔''

آنے والا اسد کے باس کا فیملی ممبر تھا اور بہت عجلت میں تھا۔

''اسد کہاں ہے......؟؟؟''

''جلدی کریں پلیز......ہوش میں آتے ہی انہوں نے آپ کو بلانے کے لیے کہا ہے۔''

''کیا ہوا ہے اسے......کہاں ہے اسد......؟'' وہ چلانے لگی۔

''پلیز! جلدی چلیں......ٹائم ویسٹ نہ کریں......''

اس کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا لیکن ایسا نہ ہوتا کہ اسد اتنی بری طرح سے حادثے کا شکار ہوا ہوتا۔ سارے راستے وہ روتی رہی' اسد کی زندگی کے لیے دعائیں کرتی رہی لیکن......

جس وقت وہ ہاسپٹل پہنچی اس وقت اسد آکسیجن ماسک کے پیچھے ہمیشہ کے لیے سانسوں کی ڈور سے آزاد ہو چکا تھا۔

وہ مر چکا تھا......

اسے زندہ چھوڑ کر وہ کیسے مر سکتا تھا......

✿......✿......✿
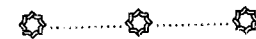
دس دن تک الوینہ لاؤنج کے کونے میں چپ چاپ پڑی رہی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سیاہ ہو چکی تھیں۔

''الوینہ ڈیئر......اب بس کر دو......اپنی حالت دیکھو......چلو اٹھو کچھ کھا لو......''

اپنے گھر سے وہ اس کے لیے کھانے کو کچھ لائی تھی اور نوالہ ہاتھ میں لیے اسے منہ کھولنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

''منہ کھولو......شاباش......کھاؤ......دو دن سے تم نے ایک نوالہ نہیں کھایا' مرنے والوں کے ساتھ مر نہیں جاتے......''

زبردستی ہی سہی الوینہ نے تھوڑا سا کھانا کھا لیا۔ اسد کی موت کے پہلے دن بھی یہ لڑکی آئی تھی اور اس دن یہ لڑکی رات گئے تک اس کے پاس رہی تھی۔ شاید اسد جانتا ہو لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ان کی بلڈنگ میں کوئی پاکستانی لڑکی بھی رہتی ہے۔ یہ لڑکی زبردستی اسے تھوڑا بہت کچھ کھلا کر' نیند کی گولیاں دے کر چلی جاتی......دس دن تک یہی ہوتا رہا......اور پھر گیارہویں دن......

''اسد تمہارا بوائے فرینڈ تھا نا......؟''

الوینہ کافی کا مگ پی چکی تو اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو......؟ شوہر تھا وہ میرا......'' الوینہ کو جیسے کرنٹ لگا

''اچھا! تمہارے کاغذات میں تو ایسا کچھ نہیں لکھا کہ تم میاں بیوی ہو......''

الوینہ کو بے طرح غصہ آیا۔ اسے افسوس ہوا کہ اسے غم میں سب کچھ نہیں بھول جانا چاہیے تھا کہ وہ یہ بھی نہ دیکھ سکتی کہ ربیکا جیسی لڑکی اس کے کاغذات کی تلاشی لیتی پھر رہی ہے۔

''تم نے میرے گھر کی تلاشی لی ہے......کیا کچھ چرایا ہے تم نے......'' الوینہ چلا اٹھی۔

''آرام سے آرام سے......اتنا چلانے کی ضرورت نہیں......''

''کیا چاہتی ہو تم......نکلو میرے گھر سے......''

''تمہارے گھر سے......واہ......جانتی ہو یہ گھر کرائے کا ہے......مالک مکان آیا تھا کرایہ لینے' وہ کرایہ میں نے دیا ہے۔''

''اپنے پیسے لو اور جاؤ یہاں سے......''

''پیسے......وہ کہاں سے آئیں گے تمہارے پاس......تمہاری وارڈروب میں بمشکل بیس رنگٹ رکھے ہیں......اسد کا باس بقایا جات کا چیک دے کر گیا ہے جو دو سو رنگٹ کا ہے......اس کا کہنا تھا کہ ہاسپٹل کا سارا بل اس نے پے کیا ہے' اب وہ اتنے ہی پیسے دے سکتا ہے۔ ان پیسوں کا تم کرایہ دو گی تو کھاؤ گی کہاں سے......؟؟؟''

الوینہ دنگ اس کی شکل دیکھنے لگی۔ ''کون ہو تم......کیا چاہتی ہو......؟؟''

اس نے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیریں۔ ''خود کو فریش کرو الوینہ' جاؤ جا کر شاور لو ڈریس چینج کرو۔ میں تمہاری خیر خواہ ہوں......اب تمہارا اس دنیا میں ہے ہی کون سوائے میرے......''

''کیا بکواس کر رہی ہو......کیوں اکیلی ہوں گی میں......شوہر مرا ہے میرا......میرے گھر والے نہیں......''

''کون سے گھر والے......جنہیں تم چھوڑ کر اسد کے ساتھ بھاگ آئی تھی......؟''

الوینہ کا رنگ سفید پڑ گیا...... وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

''دیکھو میں سب جانتی ہوں۔ تمہارے اور اسد کے نام سے میں نے پاکستان میں سب معلوم کروالیا ہے' کیسے پتا کروایا ہے یہ تم چھوڑ دو۔ میں نے تم سے کہا نا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ تمہیں گھبرانے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہے' میں ہوں نا تمہارے ساتھ......''

الوینہ کے اعصاب بری طرح سے چٹخنے لگے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پوری قوت سے چیخیں مارے۔ یہ کیا ہو رہا ہے' کیوں ہو رہا ہے' وہ کہاں ہے' یہ عورت کون ہے......

''جاؤ جا کر فریش ہو جاؤ......''

''تم میرے گھر سے نکلو...... چلو نکلو......''

''دیکھو الوینہ ڈیئر...... تمہارا ویزا ایکسٹنڈ نہیں ہوا۔ میں ایک فون کروں گی پولیس کو اور وہ تمہیں پکڑ کر لے جائے گی' تمہیں ڈی پورٹ کر دے گی۔''

تھوڑی بہت طاقت جو الوینہ کے وجود میں بچی تھی وہ بھی جاتی رہی۔

''اٹھو اور جا کر فریش ہو جاؤ......'' اس بار اس نے چلا کر کہا...... الوینہ نے سہم کر اسے دیکھا

✡............✡............✡
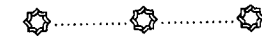
دو دن تک الوینہ وہی کرتی رہی جو ربیکا کہتی رہی۔ اس کے کہنے پر کھاتی رہی' سوتی رہی' چلتی پھرتی' بیٹھتی رہی۔ فلیٹ کی ایک چابی اس نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔ وہ جب چاہے آ سکتی تھی' جا سکتی تھی۔ دوبارہ اس نے الوینہ سے چلا کر بات نہیں کی تھی۔ اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ ایک دن وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی' اس کی صحت بہت گر گئی تھی۔ اچھی طرح سے اس کا چیک اپ کرایا۔ ریگولر اسے میڈیسن اور اسپشل فوڈ کھلاتی رہی۔

چند ہفتوں میں الوینہ تھوڑی بہت بہتر ہو گئی تھی۔ اس دوران دوبارہ ان دونوں کے درمیان کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی۔ اگلے مہینے کا کرایہ بھی ربیکا نے دے دیا تھا۔ ایک بار اس نے کہا کہ وہ اس کے فلیٹ میں چل کر رہ لے لیکن الوینہ نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے دوبارہ نہیں کہا تھا۔

اسد کو مرے ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہو گیا تھا جب ربیکا اسے اپنے ساتھ شاپنگ پر لے کر گئی۔ اسے نئے کپڑے' جوتے' بیگ' جیولیری' لے کر دیئے اور پھر ایک پارٹی میں لے گئی۔

گھر واپسی پر الوینہ نے صرف اتنا کہا۔ ''مجھے دوبارہ کبھی ایسی کسی جگہ لے کر نہ جانا' نہ ہی میں جاؤں گی۔''

ربیکا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔ ''تم تھک گئی ہو' ریسٹ کرو...... صبح ملاقات ہو گی۔''

✡............✡............✡
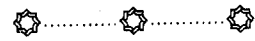
''تم یہاں اس فلیٹ میں کس کے انتظار میں بیٹھی ہو؟'' اگلے دن ربیکا اس کے سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی اس سے پوچھ رہی تھی۔

''مجھے تمہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے ربیکا...... تم نے میرے لیے کافی کچھ کیا ہے...... اس کے لیے شکریہ۔''

وہ قہقہہ لگا کر دیر تک ہنستی رہی۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے یہ سب میں نے جذبہ خدمت خلق کے تحت کیا ہے۔''

''مجھے جو بھی لگتا ہے وہ مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے...... تم اب مجھ سے نہ ملا کرو......''

''اوہو...... تو تم کیا کرو گی...... اس گھر کا کرایہ' کھانا پینا' یہ سب تم کیسے کرو گی......''

''میں کوئی جاب کر لوں گی......''

''جاب تب کرو گی جب یہاں کا ویزہ تمہارے پاس ہو گا......''

''اس کا بھی میں کچھ کر لوں گی......''

''تم غیر قانونی طور پر یہاں چار ماہ سے رہ رہی ہو...... تمہیں کیا لگتا ہے اب وہ تمہیں ویزہ دیں گے...... وہ تمہیں ڈی پورٹ کریں گے......''

''ٹھیک ہے کر دیں ڈی پورٹ......''

''تم خوبصورت تو ہو لیکن سمجھ دار نہیں......''

''تمہیں بھی مجھے سمجھ دینے کی ضرورت نہیں ہے......''

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ ''تم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو' جیسے پرانی فلموں کی ہیروئنز ہوا کرتی تھیں۔''

''تم اگر پولیس کو فون کرنا چاہتی ہو تو کر دو...... لیکن اب یہاں سے چلی جاؤ......''

''انٹرسٹنگ...... اور کیا چاہتی ہو تم کہ میں کروں......''

الوینہ نے سخت نظروں سے ربیکا کو دیکھا۔ ''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

ربیکا کا قہقہہ دیر تک فلیٹ میں گونجتا رہا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے الوینہ تم کسی فلم کی ہیروئن ہو...... پہلے تم نے ایک ہیرو سے محبت کی...... پھر تم اس ہیرو کے ساتھ بھاگ آئی' تم دونوں یہاں آ گئے اور یہاں اپنی جنت بسا لی۔ اب وہ مر چکا ہے تو تمہاری زندگی میں دوسرا ہیرو آ جائے گا اور تم ایک دوسری جنت بسا لو گی...... ایسے سوچتی ہو تم...... ہاہا...... تم بیوہ نہیں ہوئی ہو الوینہ میڈم...... تم اکیلی ہوئی ہو...... تم یہاں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہتی تھی اپنے ہیرو کے ساتھ نہیں......''

''شوہر تھا وہ میرا......''

''شوہر تھا بھی تو اب نہیں رہا وہ...... بہرحال میرے گھر کے دروازے تم پر کھلے ہیں اور تم نے جانا ہی کہاں ہے۔ اٹھو اور خود کو آئینے میں دیکھو' اپنے حسن کو پہچانو۔ اپنی ورتھ کا اندازہ کرو بے وقوف لڑکی۔ دیکھتی نہیں ہو خود کو کہ کیا ہو تم' دیکھو خود کو...... جانو خود کو...... زیادہ کچھ نہیں کرنا ہو گا تمہیں الوینہ...... ٹرسٹ می...... تمہیں وہ بنا دوں گی کہ ڈائمنڈ روڈ سے تمہیں صرف ایک بار گزرنا ہو گا...... اور تمہاری بولی آسمان کو چھونے لگے گی......''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے......''

''سنو میری بات! خاموشی سے سنو...... تم کسی خوابی دنیا میں رہ رہی ہو...... تمہیں لگتا ہے کہ تم کسی طرح سے یہاں کا ویزا حاصل کر لو گی...... ایسا ہو گا ہی نہیں...... کسی صورت نہیں...... یہ لوگ تمہیں ڈی پورٹ کر دیں گے...... جانتی ہو ڈی پورٹ ہونے کا مطلب...... جانتی ہو...... چلو میں تمہیں بتاتی ہوں۔ یہ لوگ تم پر جو خرچ کریں گے وہ پاکستان سے لیں گے۔ پاکستانی آفس اس خرچ کو کیسے بھرے گا...... کیا یہ بھی بتاؤں تمہیں...... اچھا چلو سنو...... تم سے...... اس خرچ کو تم پورا

کروگی...... تمہارے کاغذات پڑھیں گے نا جب وہاں کے رشوت خور آفیسر تو انہیں دو منٹ لگیں گے یہ جاننے میں کہ تم یہاں اسد نامی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہ رہی تھی۔ پھر وہاں سے تمہارا کوئی گھر والا تمہیں لینے نہیں آئے گا...... نہ ہی پوچھنے اور تمہارے اخراجات چکانے...... کون چکائے گا یہ سب...... تم...... قیمت جانتی ہو...... سمجھدار ہو یا تفصیل سے بتاؤں......؟؟؟''

''میں نے کہا دفع ہو جاؤ یہاں سے......''

''دل بھر جائے گا تو وہ تمہیں کسی ادارے کے سپرد کر دیں گے۔ اور اس ادارے سے راتوں کو لڑکیاں کہاں بھیجی جاتی ہیں وہ بھی تم جان جاؤ گی...... کیونکہ الوینہ ڈیئر تم جانتی ہی نہیں ہو کہ تم اپنی اصل قیمت سے کتنا نیچے گر جانے والی ہو...... کتنا ذلیل ہونے جا رہی ہو...... پھر مجھے یاد کرو گی...... بہت یاد کرو گی......''

''اب تم یہاں سے چلی جاؤ......''

''تمہیں میری ضرورت پڑنے والی ہے الوینہ...... صرف میری......''

''دوبارہ نہ آنا یہاں......''

''دو دن بعد میری واپسی کی فلائٹ ہے۔ میں ہیڈ ہوں سب کی...... دس لڑکیاں آئیں تھیں میرے ساتھ...... کلائنٹس پاکستان سے ہی فکسڈ ہوتے ہیں۔ اسے تم کوئی تھرڈ کلاس لوکل کال نہ سمجھنا' میں ہر کسی کو گھاس نہیں ڈالتی۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے...... جاؤ اور جا کر پولیس کو فون کرو......''

''فون میں نہیں تم کرو گی...... وہ بھی مجھے......'' ہنس کر وہ چلی گئی۔

۞......۞......۞
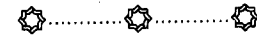
اس نے اپنا سارا سامان پیک کر لیا تھا۔ اس کے پاس کوئی قیمتی چیز موجود نہیں تھی۔ اماں کا زیور اور گھر سے لائی نقدی تو اس کے اور اسد کے ملائیشیا آنے پر ہی ختم ہو گئی تھی۔ ایک اسد کی دی انگوٹھی تھی اس کی انگلی میں جو اس نے پاکستان کے لیے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ اب اسے ڈی پورٹ ہی ہونا تھا اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ رات بھر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ گھر میں کھانے کے نام پر کچھ نہیں بچا تھا۔

وہ رات کچھ ویسی ہی تھی جیسی اس کے گھر سے نکلنے والی رات تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور محسوس کیا کہ اس کا دل ویسے ہی گھبرا رہا ہے۔ اس کے جسم سے جان نکل رہی ہے۔ وہ بے بس اور لاچار ہے۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ اسے واپس پاکستان جانا ہے وہ یہ فیصلہ کر چکی ہے لیکن فیصلہ اسے کسی اژدھا کی طرح خوفزدہ کر رہا ہے۔

باہر بیل ہوئی...... وہ اٹھ کر گئی...... کی ہول سے دیکھا تو باہر ربیکا کھڑی تھی...... اس کے ہاتھ میں پیزا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے کچھ نہیں کھایا ہوگا کیونکہ گھر میں کچھ موجود ہی نہیں تھا۔ کافی دیر تک وہ بیل دیتی رہی۔ پھر پیزا دروازے کے پاس چھوڑ کر چلی گئی۔

الوینہ واپس آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ باہر بارش ہو رہی تھی اور بجلی بھی چمک رہی تھی۔ وہ بہت خوفزدہ تھی' بہت زیادہ۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ پاکستان جاتے ہی گھر فون کر دے گی۔ اس کے دو چھوٹے بھائی' اماں بابا' اسے برا بھلا کہیں گے لیکن اسے مرنے کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکیں گے' وہ ضرور اسے معاف کر دیں گے......

''یہ سراسر تمہاری نادانی ہے الوینہ......''

بجلی کے کوندنے نے اندر شرر بھیجا۔ وہ عین اس کے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ الوینہ نے سختی سے اسے دیکھا۔

''میں یہ نادانی کروں گی' یہ تم ہی تھے جس نے یہ کہا تھا کہ مجھے اسد کے ساتھ بھاگ جانا چاہیے......''

''کیا تم اسد کے ساتھ خوش نہیں رہی' کیا اسد نے تمہیں دل و جان سے نہیں چاہا......؟''

الوینہ خاموش ہو گئی......

''بات صرف اتنی سی ہے کہ تم بہت زیادہ کمزور ہو۔ جو انسان فیصلہ کرنے میں تیزی نہیں دکھاتا وہ نقصان اٹھانے میں کامیاب رہتا ہے۔''

''میں اکیلی ہو گئی ہوں...... کیا کروں اب میں......''

''تمہیں کیا لگتا ہے تم پاکستان جاؤ گی اور اپنے گھر والوں کو بلاؤ گی تو وہ تمہیں معاف کر دیں گے......؟''

''ہاں! کر دیں گے......''

''اگر انہوں نے معاف کر دیا تو باقی کے لوگ بھی معاف کر دیں گے۔ تمہارے محلے والے' رشتے دار' دوست؟''

''مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے......''

''پرواہ تو تمہیں ان کی کرنی ہی پڑے گی...... تم نہیں کرو گی تو تمہارے ماں باپ کریں گے......''

''تم اس بار مجھے بہکا نہیں سکتے......''

''کیا تم عقل کے استعمال کو بہکنا کہتی ہو...... تمہیں ربیکا کے ساتھ جانے میں تردد کیوں ہے......؟؟؟''

''اس کے ساتھ جاؤں اور کال گرل بن جاؤں......؟''

''اگر اس کے ساتھ نہ گئی تو معلوم ہے کیا بن جاؤ گی...... بے غیرت...... ذلیل...... دونوں صورتیں ایک ہی ہیں' لیکن ایک میں تمہارا فائدہ ہے اور ایک میں نقصان...... تمہارا باپ تمہارے منہ پر چانٹے مارے گا اور دھتکار کر تمہیں گھر سے نکال دے گا' ربیکا اسی منہ پر فخر کرے گی تمہیں اپنے سینے سے لگا لے گی۔ تمہارے بھائی تمہاری جان لینے کے درپے ہو جائیں گے' ربیکا اسی جان پر چار چاند لگا دے گی۔ تمہاری ماں تمہاری شکل نہیں دیکھے گی اور ربیکا اسی شکل کے بل پر تمہیں اونچائی پر لے جائے گی......''

اس نے اپنی ہتھیلی کو پھیلا کر اس کی آنکھوں کے عین سامنے رکھا......

اس کے باپ نے اس کے بال اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھے ہیں اور وہ اس کے منہ پر بار بار تھوک رہا ہے۔

''میری تو یہ ذات نہیں تھی تو کیسے ذات نکل آئی بے غیرت...... اب کس منہ سے واپس آئی ہے...... یہ بے حیا منہ لے کر...... جو تھوک زمانے نے ہم پر تھوکا ہے اسے اب تو چاٹ...... جو جوتے زمانے کے ہم کھاتے رہے ہیں اب وہ تو بھی کھا...... تجھ جیسی اولاد وہ گالی ہوتی ہے جو فاحشہ عورتوں کو دیتے بھی شرم آتی ہے...... جا جا کر کسی کوٹھے پر بیٹھ جا...... ہم نے تیری جان پر نہیں اپنے نصیب پر صبر کر لیا ہے...... دفعان ہو جا......''

اس کے بھائی اسے ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال رہے ہیں۔ سارا محلّہ تماشا دیکھ رہا ہے' وہ رو رہی ہے' تڑپ رہی ہے لیکن وہ باز نہیں آ رہے...... اور پھر انہوں نے اسے لے جا کر دُور بہت دور کیچڑ میں پٹخ دیا جیسے وہ کوڑے سے بھرا غلیظ تھیلا ہو......

''اب تو کسی کوڑے کے ڈھیر پر رہے یا خود کوڑا ہو جائے...... ہماری جوتی سے......''

کیچڑ میں لت پت ہوئے اس نے اپنے پورے وجود کو حقیقت میں دیکھا۔

اس نے ہتھیلی سمیٹ لی۔ ''کیا اس عزت لے کر جا رہی ہو وہاں...... کوڑے کا ڈھیر ہونے......؟''

''جھوٹ ہے یہ سب...... غلط ہے......''

''جاؤ پھر آزما کر دیکھ لو...... جاؤ...... لیکن اس سے پہلے یہ دیکھ لو......''

ہاتھ پھیلا کر اسے دیوار کی سمت کر دیا......

اس کے سنہری بال کھلے ہوئے تھے اور اس کی دودھیا پنڈلیاں عیاں تھیں...... ڈائمنڈ روڈ پر اس کی پہلی واک تھی...... جیسے ہی اشارہ بند ہوا...... اپنی اونچی ہیل اور لمبے قد کے ساتھ وہ لانگ شوز پہنے روڈ کراس کر گئی......

اور پھر......

وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سوئیٹ میں لاکھوں کی مالیت کو خود پر اوڑھے' لپیٹے' پہنے' بیٹھی تھی۔ سوئیٹ کی کھڑکی سے نیروبی کا بیرونی منظر کمال وضاحت سے دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تو اندر آنے والے مرد کی وجاہت نے آنکھوں کو ٹھہرا سا لیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگی......

اس نے ہاتھ سمیٹ لیا......

''تمہیں اپنی زندگی کہاں لے جانی ہے یہ تمہیں طے کرنا ہے......''

الوینہ کے ہونٹ کپکپانے لگے' اس کا دل لرزنے لگا۔ اسے اپنے جسم سے بدبودار کیچڑ کی بو آنے لگی۔ منہ پر باپ کے تھوک کے چھینٹے' گالوں پر ماں کے چانٹے' اور گردن میں بھائیوں کے ہاتھ کے شکنجے نظر آنے لگے۔

''جو عزت رہی نہیں اسے بچاؤ گی کیا......''

''جس کی کوئی قیمت ہی نہیں اس پر داو لگاؤ گی کیا......''

''عزت ہے تو پیسے کی' مرتبے کی...... قیمت ہے تو صرف حسن کی...... صرف حسن کی......''

الوینہ نے حقارت سے اسے دیکھا۔ ''تم مجھے بھٹکا رہے ہو...... شیطان مردود......''

وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم مجھے فاحشہ بننے کے لیے کہہ رہے ہو......''

''میں تمہیں فاحشہ بننے سے بچا رہا ہوں۔ جس کیچڑ میں تمہیں پھینکا جائے گا اس کے بعد تم اس سے زیادہ گہرے کیچڑوں میں گروں گی......''

''میرے ماں باپ مجھے معاف کر دیں گے......''

''مان لیتے ہیں...... انہیں فون کرو اور ان سے معافی مانگو......''

الوینہ اس کی شکل دیکھنے لگی......

''کرو فون...... میں کتنا سچ بول رہاں ہوں تمہیں معلوم ہو جائے گا......''

الوینہ نے فون کو ہاتھ میں لیا اور کتنی ہی دیر تک فون کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے گھر کا نمبر ملایا۔ فون بابا نے اٹھایا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ ہیلو ہیلو کرتے رہے لیکن وہ بول ہی نہیں سکی۔

''تم جانتی ہو وہ تمہیں دھتکار دیں گے...... تم ڈر رہی ہو حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے......''

الوینہ نے غصے سے اسے دیکھا' فون ملایا اور چھوٹتے ہی کہہ دیا۔

''بابا...... میں ہوں الوینہ...... بابا میں اجڑ گئی...... بیوہ ہو گئی...... بابا مجھے آ کر یہاں سے لے جائیں...... مجھے معاف کر دیں...... اپنی بیٹی کو معاف کر دیں...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے...... مجھے معاف کر دیں بابا......''

''تو ہمیں معاف کر...... اب کہیں اور جا کر منہ کالا کر...... یہاں نہ تیرا کوئی باپ ہے نہ ماں...... تیری جرأت کیسے ہوئی ہمیں فون کرنے کی......''

سامنے والے کا قہقہہ بلند ہوتا ہوتا بلند تر ہو گیا......

''اور تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہیں بہکا رہا ہوں...... میں ہی تو تمہیں تمہارے بھلے کی راہ دکھا رہا ہوں...... تمہارے فائدے کی...... دروازہ کھول دو...... ربیکا کو آواز دو......''

الوینہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے باپ کی آواز نے اسے اندر تک دہلا کر رکھ دیا تھا۔ آنے والے وقت کے اندھیرے نے اسے ابھی سے اندھا کر دیا تھا۔

''ربیکا کو آواز دے دو الوینہ......''

الوینہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' پھر ایک نظر اس نے خود پر ڈالی۔ آج سے پہلے اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنی حسین ہے کہ ربیکا اسے ایسی زندگی کی آفر کر سکتی ہے۔ آج سے پہلے اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ''حسن'' کوئی ایسی بھی چیز ہے کہ جس کی بولی دی جا سکتی ہے۔

اور......

آج سے پہلے اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنی کمزور ہے...... اتنی کمزور کہ اپنے باپ کی ایک دھتکار سے وہ دوسرے راستے کی طرف پلٹ جائے گی...... اتنی بزدل کہ اپنے منہ پر دو چانٹے نہیں سہہ پائے گی اور خود کو ربیکا کے حوالے کر دے گی......

اگر وہ یاد کرتی تو اسے یاد آ جاتا کہ وہ انہی لوگوں میں سے تھی جو جیسے ہی موقعہ ملتا اپنا رنگ دکھا جاتے تھے۔ اماں اس کے پاس پیسے رکھواتی تھیں۔ ان کی یادداشت کمزور تھی' وہ گنتی بھول جاتی تھیں۔ وہ مزے سے پیسے نکال کر استعمال کرتی رہتی۔ اماں کو الٹا سیدھا حساب دے دیتی تھی۔ چوری' بے ایمانی' بے شرمی' جھوٹ' آزاد خیالی' اس کی گھٹی میں نہیں تھی' اس نے خود گھٹی کے گڑھے میں ہاتھ ڈال کر اسے پی لیا تھا۔ بابا اکثر کہا کرتے تھے ''الوینہ مجھے تیری طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔'' انہیں اس کی طرف سے جو گمان بھی نہیں تھا اس نے وہ حقیقت کر دکھایا تھا۔

یہ جو آج اس کے سامنے کھڑا تھا پہلے یہ دل میں آتا تھا' پھر یہ کانوں میں گونجنے لگا تھا' اب یہ عین آنکھوں کے

سامنے آ جاتا تھا......اسے آنکھوں کے سامنے وہ خود لائی تھی......

"ربیکا کو آواز دو الوینہ......"

الوینہ کی آواز اس کے سینے کے ایک سیاہ کونے سے نکلی اور اس کے ذہن تک آئی......

اسد اس سے ملنا چاہتا تھا' وہ اسے انکار کرتی رہی تھی۔ اسے بابا سے زیادہ خود سے ڈر لگتا تھا۔ وہ میل ملاقات کی حد پار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایک رات اسد اس کی چھت پر آ گیا۔ ان کے گھر کے ساتھ اس کے دوست کا گھر تھا' وہ وہیں سے آیا تھا۔ جس وقت وہ اُوپر چھت پر گئی اور اسد نے اندھیرے سے نکل کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اس وقت وہ چیخ مار دینا چاہتی تھی لیکن اسی وقت......

"یہ یہاں تمہاری محبت میں آیا ہے...... تمہیں دیکھنے......"

یہ سرگوشی اس کے کانوں میں اتنی مدھرتا سے گونجی کہ وہ خاموشی سے اسد کو دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کے سینے سے جا لگی اور پھر اسد روز چھت پر آنے لگا۔

"ربیکا کو آواز دو الوینہ......"

ذہن سے آواز باہر نکلی......اور اس نے ربیکا کو آواز دی۔

آواز ربیکا تک نہیں جا سکتی تھی۔ ربیکا کا فلیٹ کافی دُور تھا اور اس کے اپنے فلیٹ کا دروازہ بھی بند تھا......لیکن مقصد پورا ہو چکا تھا۔

وہ چلتی ہوئی گئی اور دروازہ کھول کر پیزا اٹھا لیا اور کھانے لگی۔

۞......۞......۞

گھٹنوں سے کہیں اُونچی اسکرٹ اور سنہری بالوں میں پیروں کو اونچی ہیل پر دھرکاتے اس نے ڈائمنڈ روڈ کراس کی۔ اس کے دائیں کان میں ایک ائیر رنگ تھی جو ربیکا نے اسے پہننے کے لیے دی تھی......

اس رات کی پانچ لڑکیوں میں سے اس کی بولی ٹاپ پر رہی......

جس وقت وہ روڈ کراس کر گئی اس وقت اس نے روڈ کے دوسری طرف اسے ہاتھ ہلاتے دیکھا جس کی بات مان کر وہ یہاں آئی تھی......

اشارہ کھلتے ہی گاڑیاں تیزی سے گزرنے لگیں اور ان گاڑیوں کے نیچے اس نے بابا' اماں' اور اسد کو دیکھا......

۞......۞......۞
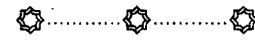
اس نے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیا تھا۔ دونوں صورتوں میں بے عزتی تھی تو اس نے اس بے عزتی کا انتخاب کر لیا تھا جس میں اس کا فائدہ بھی تھا......

آج اس فائدے کی پہلی قسط تھی......

برا لگتا ہے...... برا لگا بھی...... لیکن صرف پہلی بار......

حالات عزت لیے ہوئے ہوں یا ذلت' عادی ہونے میں وقت نہیں لگتا......

پھر وہ ہر کال پر جانے لگی......

اس کی پہلی واک سے چھ ماہ پہلے تک وہ ربیکا کے انڈر رہی تھی۔ وہ جم جاتی' یوگا کرتی' اور سختی سے اپنی ڈائیٹ پر عمل پیرا رہتی۔ اس کا کھانا پینا' کپڑے' اور باقی کے سب اخراجات ربیکا کے ذمے تھے۔ اسے ضرورت کی ہر چیز ملتی تھی بس پیسے نہیں ملتے تھے۔ پیسے اسے تب ملنے والے تھے جب اس پر انویسٹ کی گئی ساری رقم سود سمیت ربیکا کو واپس مل جاتی۔ ان چھ مہینوں نے اسے اتنی چیزوں کا عادی بنا دیا تھا کہ وہ چاہ کر بھی واپس نہیں لوٹ سکتی تھی۔

دو بار وہ بیرون ملک بھی ہو آئی تھی۔ ایک بار وہ گھر بھی گئی تھی لیکن اس کے گھر والوں نے وہ گھر چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس کی اپنی دلچسپی بھی ختم ہو گئی۔ کیا فائدہ تھا ایسے لوگوں سے ملنے کا جو اسے دھکے دینے والے' چانٹے مارنے والے اور بے عزت کرنے والے تھے۔

ایک بار اس نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے کاونٹر پر اپنے بھائی کو کھڑے دیکھا۔ وہ شاید وہاں جاب کرتا تھا۔ اس کا یہ بھائی بہت پڑھا کو اور ذہین تھا۔ اسکول میں ہی فر فر انگلش بولنے لگا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ جلدی سے کارنر کی اوٹ میں ہو گئی کہ وہ اسے دیکھ نہ لے۔ ہوٹل میں وہ کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی تھی۔ چند دنوں بعد اس کا اسی ہوٹل میں جانا ہوا تو اس نے کاونٹر پر ایک نئے لڑکے کو دیکھا۔

"بلال محمود نام کا ایک لڑکا یہاں جاب کرتا تھا...... آج نہیں آیا وہ......؟؟" پوچھے بنا وہ رہ نہیں سکی۔

"اس نے تین ہفتے جاب کی ہے......شروع شروع میں تو بہت پر جوش تھا جاب کے لیے پھر ایک دن اچانک چلا گیا......"

"دوبارہ آئے گا......؟؟"

"دوباہ کیسے آئے گا......فون کیا تو کہہ رہا تھا' کسی اچھے ماحول میں جاب کروں گا۔ لوگ تو ترستے ہیں یہاں جاب کے لیے اور وہ ایسے باتیں بنا رہا ہے۔"

اسے ایسا لگا جیسے اس کے منہ پر کسی نے تیزاب پھینک دیا ہو۔ تو اس دن اس کے بھائی نے اسے دیکھ لیا تھا' اس کی کمر میں جس کا ہاتھ حمائل تھا اسے بھی۔

ایک قہقہہ اس کے کانوں میں گونجا "میں نے کہا تھا نا اب مر کر بھی زندہ ہو جاؤ گی تو عزت نہیں کما پاؤ گی۔"

۞......۞......۞
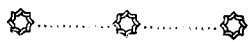
اسے الگ فلیٹ دے دیا گیا تھا۔ اس کے پاس اپنا کریڈٹ کارڈ تھا' گاڑی تھی اور گھر کی دیکھ بھال کے لیے میڈ تھی۔ آئے دن اسے بیرون ملک جانا ہوتا تھا۔ ربیکا اب اس کی ایجنٹ تھی۔ وہ ان کے لیے کالز آرینج کرتی تھی۔ ان کی ڈیلنگ ہو جاتی تو ٹھیک ورنہ الوینہ کے اپنے روابط بہت ہو چکے تھے۔

اس نے زندگی میں سارے فیصلے اپنی مرضی سے کیے تھے اور وہ ان فیصلوں پر مطمئن تھی۔ اسے سوچ سوچ کر اپنا رنگ جلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ پہلی بار جب وہ اسکول سے اسد کے ساتھ گھومنے گئی تھی اور چھٹی کے وقت اسکول آ گئی تھی تب وہ تھر تھر کانپ رہی تھی......شاید پہلی بار تھا اس لیے......شاید پہلی بار حد پھلانگنا ہی پہاڑ سر کرنا ہوتی ہے......پھر ہمت کرنی پڑتی ہے نہ جرأت......سب ہوتا چلا جاتا ہے......

اب بھی سب ہوتا چلا جا رہا تھا......نہ سوچنا پڑتا نہ فیصلے کی نوبت آتی......

کبھی کبھی اسے گھر والوں کا خیال آ جاتا تھا' وہ انہیں یاد بھی کرتی تھی لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ اکثر وہ رات کو سوتی تو اس کی آنکھ اپنے گھر کے نیم اندھیرے کمرے کے بستر پر کھلتی' اپنے قریب اماں کی موجودگی کی گرمائش محسوس کرتی...... وہ ہاتھ بڑھاتی اور انہیں چھونا چاہتی لیکن چھونے سے پہلے ہی اس کی آنکھ کھل جاتی...... پھر ساری رات اسے نیند نہ آتی......

ایسی راتیں کبھی کبھی آتیں......

نیند میں جو اس کی آنکھ کھلتی وہ دن کی روشنی میں پھر سے بند ہو جاتی۔ ربیکا اس کے فلیٹ میں آتی' دونوں اپنا کام ڈسکس کرتیں' لین دین طے کرتیں اور بس......

''میں شادی کرنا چاہتی ہوں......'' ایک دن ربیکا نے یہ کہہ کر الوینہ کو حیران کر دیا۔

''تم اور شادی...... وہ کیوں؟'' الوینہ نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

''بچے کے لیے تڑپ رہی ہوں...... یہ تڑپ بڑھتی ہی جا رہی ہے......''

''تو یتیم خانے سے لے لو......''

''بچہ تو کہیں سے مل جائے گا لیکن اسے گھر کا ماحول نہیں ملے گا...... باپ نہیں ملے گا...... ہماری سوسائٹی میں سنگل مام کو پسند نہیں کیا جاتا۔''

ہنس ہنس کر وہ بے حال ہو گئی۔ ''تم نے کب سے سوسائٹی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ہے ربیکا...... تم تو کہتی ہو ہم اس سوسائٹی کا حصہ نہیں ہیں...... ہم آزاد پنچھی ہیں جہاں دانہ ملتا ہے وہیں ٹھکانہ بنا لیتے ہیں......''

ربیکا اداس نظر آنے لگی۔ ''اگر مجھ میں تھوڑی سی ہمت ہوتی تو آج میرا اپنا گھر ہوتا' بچے ہوتے......''

الوینہ حیرت سے ربیکا کو دیکھنے لگی۔

''لیکن میں ڈر گئی تھی...... خوفزدہ تھی کہ پتا نہیں کیا ہو جائے گا...... میرا شوہر مجھے بہت مارتا پیٹتا تھا۔ آئے دن گالی گلوچ' مار کٹائی۔ شک بھی بہت کرتا تھا۔ میں اس کی مار کھا کھا کر تھک گئی تھی۔ پھر ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ میں ایسے ظالم شوہر کو زہر دے دوں یا اسے نیند کی گولیاں چائے میں ملا کر پلا دوں اور اس کا گلا گھونٹ دوں۔ پھر اس کے دوست کے ساتھ بھاگ جاؤں جو پہلے بھی مجھ پر ڈورے ڈالتا رہتا تھا۔ روز میرے کان میں شیطان مردود یہی ڈالتا تھا کہ ایسے شوہر کو جان سے مار دوں۔ ایک دن جب میں مار کھا کھا کر ادھ موئی ہو گئی تو میں نے اسے زہر پلا دیا...... اسی کے دوست نے مجھے زہر لا کر دیا......''

الوینہ دم سادھے ربیکا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تھوڑی سی ہمت کرتی' شوہر کو چھوڑ دیتی...... طلاق لے لیتی...... میرا چاچا مجھے گھر سے نکال دیتا نا...... یا جان سے مار دیتا تو مار دیتا...... ماں باپ تھے نہیں کہ میں ان کے پاس چلی جاتی۔ کیا تھا اگر میں محنت مزدوری کر لیتی...... اکیلی رہ لیتی...... کسی دربار پر جا کر بیٹھ جاتی...... ورنہ کسی شریف بوڑھے سے دو بول پڑھوا لیتی...... لیکن میں تو سہم گئی تھی' مایوس ہو گئی تھی' لگتا تھا جیسے کچھ اچھا نہیں ہو گا' ایسے جیسے کوئی راستہ نہیں بچا سوائے اسے زہر دے کر مارنے کے' اس کے دوست کے ساتھ بھاگ جانے کے۔ سارے راستے اس نے بند کر دیئے تھے الوینہ......''

الوینہ کی سانس اس کے سینے میں اٹکنے لگی......

''تم ہمیشہ سے اس بزنس میں نہیں ہو......؟''

''ہمیشہ سے یہاں کون ہوتا ہے۔ اپنے شوہر کو مار دیا تو اس کے دوست کے ساتھ بھاگ گئی' پولیس سے ڈر کر ہم قطر چلے گئے......''

''اور پھر......؟''

''پھر میرے ساتھ بھی کم و بیش وہی ہوا جو تمہارے ساتھ ہوا...... تمہارا نکاح ہوا تھا میرا نہیں ہوا تھا...... تمہارا شوہر مرا تھا میرے نے اپنی شرم مار دی تھی...... وہ خود مجھے ان لوگوں کے پاس چھوڑ گیا تھا...... پھر سفر کا ہی نہیں...... رابعہ سے ربیکا بن گئی......''

الوینہ نے ربیکا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''جو ہوا سو ہوا...... بھول جاؤ سب......''

''ہاں بھولنا ہی پڑے گا...... واپسی کی راہیں مسدود ہیں...... مجھے کون اپنائے گا...... بہت بار پلٹنا چاہا لیکن یہیں کی یہیں رہی۔''

✡......✡......✡
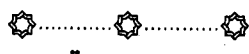
ایک رات اسے ربیکا کا فون آیا وہ بری طرح سے رو رہی تھی۔

''میں توبہ کرنا چاہتی ہوں الوینہ...... پر یہ کہتا ہے کہ اب اللہ میری توبہ قبول نہیں کرے گا...... میں غلاظت کا ڈھیر ہوں۔''

✡......✡......✡

دو دن بعد اسے ربیکا کے مرنے کی اطلاع مل گئی۔ دبئی کے جس ہوٹل میں وہ ٹھہری تھی اس نے اسی بلڈنگ سے چھلانگ لگا دی تھی......

الوینہ کو اس کی ذہنی حالت کا کچھ کچھ اندازہ تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس حد تک پاگل پن کا شکار ہے۔

کیا یہ واقع پاگل پن ہی تھا؟ الوینہ نے کتنے ہی دن خود کو اس سوال پر سوچتے پایا۔

✡......✡......✡

وہ پاکستان سے شاہ زیب نامی مرد کے ساتھ دبئی کا سفر کر رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ فلائٹ کے دوران وہ اسے اپنی دکھ بھری کہانی سنا چکی تھی کہ کیسے وہ اپنی معذور اور اندھی ماں کو کسی کے سہارے اکیلا چھوڑ کر اپنے شوہر کو ڈھونڈنے دبئی جا رہی ہے جو شادی کے بعد سے غائب ہے۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں صرف ایک ہفتے کا کہہ کر گیا تھا اور اب پورے سات ماہ ہو گئے ہیں اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی۔ وہ ہر طرح سے اس کا پتا معلوم کرنے کی کوشش کر چکی ہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس نے اسے اپنے شوہر کی تصویر دکھائی اور باقی کی معلومات بھی دیں۔ وہ مسلسل اسے تسلی دیتا رہا کہ وہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔

جس ہوٹل میں شاہ زیب کا قیام تھا وہ بھی وہیں رہنے لگی۔ وہ مسلسل اس کے گم شدہ شوہر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا' اسے تسلی دلاسے دے رہا تھا۔

ایک دن وہ اسی پریشانی کو لیے اس کے کمرے میں گئی' اور موقعہ دیکھ کر اس کے جوس میں بے ہوشی کی دوا ڈال دی۔ پھر اس کے سامان کی تلاشی لینے لگی۔ اسے کچھ چیزیں ڈھونڈنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس کے بریف کیس کو پاس ورڈ سے کھولتے وہ اپنے اندر بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ پھر اس نے اپنی اور شاہ زیب کی تصویریں لیں۔

اپنا کام مکمل کر کے وہ خاموش بیٹھ گئی۔ سامنے بیڈ پر وہ دراز تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ اس کی پیشانی پر محراب تھا۔ وہ ہمیشہ سر اور آنکھیں جھکا کر اس سے بات کرتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں شاہ زیب جیسے بہت سے لوگ دیکھے تھے' کچھ دُور سے کچھ قریب سے۔ کچھ کی اصلیت کو وہ جانتی تھی کچھ کی حقیقت سے وہ متاثر تھی۔ سامنے والا بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا جن سے وہ متاثر ہوئی تھی۔

تین دن یہ انسان جیسے اس کے پاس آ کر ہمدردی کرتا رہا ہے' اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے' وہ یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ کتنا اچھا ہے۔ اسی لیے اسے بھیجنے والوں نے اس سے کہا تھا کہ وہ بہت آسانی سے اس کی سنائی کہانی میں آ جائے گا کیونکہ وہ بہت ہمدرد انسان ہے اور ہر وقت دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتا ہے۔ الوینہ کو نہیں معلوم تھا کہ ہمدردی کبھی مصیبت بھی بن سکتی ہے۔ یہ شخص اب کسی سے ہمدردی نہیں کرے گا۔

الوینہ نے اس کا موبائل کھنگالا تھا۔ بہت سی تصویریں ملک کے ان پسماندہ علاقوں کی تھیں' جہاں اس کی این جی او کام کرتی تھی۔ کچھ تصویریں صحرائی بنجر علاقوں کی تھیں جہاں وہ کنواں بنوا رہا تھا' اور ان لوگوں کی جو کنویں سے پانی نکال رہے تھے۔

ہاتھ کی اوک میں پانی بھر کر وہ بچوں کی طرف اچھال رہا تھا...... گندے سندے بچے خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے......

وہ کتنی ہی دیر ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ایک شریف انسان ہے۔ اس میں بھی کہ وہ ایک نیک اور خدا ترس انسان ہے۔ اس نے تو ایک بار بھی الوینہ کے چہرے کو غور سے دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ یکدم ہی الوینہ کو اس میں بابا کی شکل دکھائی دینے لگی' پھر وہ شکل اس کے بھائیوں میں بدل گئی۔ الوینہ نے گہرے گہرے لمبے سانس لیے۔ اکثر ایسا ہو جاتا تھا۔ اکثر ہو جاتا تھا...... وہ چادر کی بکل مارے' بابا کے گھر کی الوینہ بن جاتی تھی جو مسجد جاتے ہوئے اسے کہتے جاتے تھے۔

''الوینہ...... نماز پڑھنے جا رہا ہوں میں...... تم بھی نماز پڑھ لینا...... جب پہلے وقت انسان ادائیگی کر سکتا ہو تو اسے قضا کے پاس جا کر ادائیگی نہیں کرنی چاہیے......''

بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ میں آنسو آنے لگے۔

اب وہ ان بچیوں کی تصویریں دیکھ رہی تھی جو اپنے بابا شاہ زیب سے لپٹی ہوئی تھیں۔ الوینہ نے اپنے دل کو ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ جس دن وہ پہلی بار اسدؔ سے اسکول سے نکل کر ملی تھی یہ دل تب ایسے ڈوبا تھا' پھر جب وہ اس کے ساتھ گھر سے بھاگ آئی تھی' تب بھی' اور تب جب اس نے ڈائمنڈ روڈ پر واک کی تھی۔ تینوں بار اس کا دل واپس پلٹ جانے کو چاہا تھا۔ تینوں بار اس کے قدم آگے نہیں بڑھے تھے۔ تینوں بار اس نے چاہا کہ وہ روئے چلائے اور خدا کو پکارے کہ وہ اس کی مدد کے لیے آئے......

اور اب پھر...... پھر اس کا وہی حال تھا......

وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی کہ شاید وہ نارمل ہو جائے۔ وہ جانتی تھی بس یہ تھوڑا سا وقت ٹل گیا تو وہ نارمل ہو جائے گی۔ لیکن یہ تھوڑا سا وقت ٹالنا ہی تو مشکل تھا۔ سامنے بیڈ پر بے ہوش پڑا انسان اسے نارمل ہونے نہیں دے رہا تھا۔ اس کے چہرے کی معصومیت اور اس کی بند آنکھوں کے پار کی شرافت اسے مشکل میں ڈال رہی تھی۔

الوینہ نے اس کے موبائل کا سارا ڈیٹا پھر سے دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ کسی سرحدی ایریا میں لوگوں کی بہبود کے لیے کام کر رہا ہے جسے شاید حکومتی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ جن لوگوں نے اسے یہاں بھیجا ہے یا وہ اسے وہاں کام کرنے دینا نہیں چاہتے یا اس سے اپنی مرضی کا کام لینا چاہتے ہیں۔''

اپنے فون سے الوینہ کو ان لوگوں کو کال کرنی تھی جنہوں نے اسے یہاں بھیجا تھا کہ اس کا کام ہو گیا لیکن وہ کال نہیں کر رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے اس انسان کو دیکھ رہی تھی جس کے بارے میں وہ جانتی تھی کہ کل کا سورج اس کی بربادی لے کر آئے گا۔ دو دن پہلے جب وہ اسے ہوٹل کی لابی میں ملا تھا اور وہ پریشان صورت بیٹھی تھی تو وہ اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

''ایسے پریشان نہ ہوں آپ...... وہ مل جائیں گے...... میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں......''

''مجھے تو لگتا ہے میں ساری زندگی ایسے ہی بھٹکتی رہوں گی...... مجھے کچھ نہیں ملے گا......''

''انشاء اللہ آپ کو سب کچھ ملے گا...... آپ کا شوہر بھی اور دل کا سکون بھی...... میں دعا کرتا ہوں اللہ سے کہ وہ آپ کی تکلیف کو راحت میں بدل دیں...... آپ پر رحمتوں کے دروازے کھول دے......''

کیا اللہ مجھ پر اپنی رحمت کرے گا......؟

''کیوں نہیں...... ضرور کرے گا......''

''لیکن میں تو اللہ کی رحمت کی طلبگار نہیں رہی...... نہ کبھی اس کی عبادت کی نہ کبھی دعا مانگی......''

''جو آپ نے نہیں کیا وہ آپ کا عمل ہے...... اللہ رحم کرتا ہے اور یہی اس کی صفت ہے...... میں دعا کرتا ہوں آپ کے حق میں......''

الوینہ ساکت سی اسے دیکھتی رہی...... اب بھی دیکھ رہی تھی......

''اچھا انسان ہے یہ......'' الوینہ زیر لب بڑبڑائی۔

اس نے فون ہاتھ میں لیا۔ لیکن فون پر اس کی نظریں ٹھہر ہی نہیں رہی تھی۔ وہ پلٹ پلٹ کر شاہ زیب کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ پھر سے اس کا دل بری طرح سے ڈوب رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ اس انسان کو ہوش میں لائے اور اس سے کہے کہ دیکھو میں نے تمہیں ایسے ایسے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے' تمہاری کچھ اہم چیزیں بھی میرے ہاتھ آ گئی ہیں...... اٹھو اور نکل کر بھاگ جاؤ...... بھاگ جاؤ کہ تمہاری تینوں بچیوں کا مستقبل تاریک ہو جائے...... تمہاری بیوی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے......

وہ اٹھی اس کے پاس جانے کے لیے لیکن پھر اس نے اپنا رخ موڑ لیا۔ اس کے گال بھیگ گئے۔ آنسو تو اتر سے گرنے لگے۔ الوینہ نے حیرت سے اپنا ہاتھ اپنے گال پر رکھا۔

"میں رو رہی ہوں......"

کرسی پر بیٹھ کر وہ واقعی میں رونے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ حقیقت میں کیا کچھ محسوس کر رہی ہے۔ وہ اس شخص کی نیک طبیعت کی گرویدہ ہوئی ہے یا دراصل وہ خود اپنے لوٹ جانے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی ہے۔ ربیکا کی باتوں نے اس کے بھی دل پر اثر کیا ہے یا وہ خود اپنے اندر انہی احساسات کو چھپائے ہوئے ہے جو ربیکا اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی......

یا دراصل یہ توبہ ہے، جس کے لیے وہ تڑپ رہی ہے......

اب وہ سسکیاں لینے لگی تھی، آہیں بھرنے لگی تھی، خود پر لعنت ملامت کرنے لگی تھی۔ وہ ابھی بھی یہ جاننے سے قاصر تھی کہ اگر اسے پلٹ جانا ہے تو اس کا آغاز کیسے کرنا ہے...... کیا صرف اس کمرے کو چھوڑ جانے سے......

"شاید ہاں......"

اس نے خود سے کہا اور کمرے سے جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ جیسے ہی اس نے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر اپنا ہاتھ رکھا اسے اپنے ہاتھ پر اس کا ہاتھ رکھا محسوس ہوا...... وہ عین اس کے پیچھے کھڑا تھا...... الوینہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

❁......❁......❁
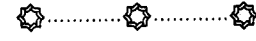
"کہاں جا رہی ہو الوینہ...... کیوں اپنی موت کو دعوت دے رہی ہو...... آؤ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ، انہیں فون کرو اور اپنی یہ ڈیل مکمل کرو......"

الوینہ نے نفرت سے اسے دیکھا۔ "تم پھر مجھے بہکانے آئے ہو......"

"تم ہر بار اسے بہکانا کیوں کہتی ہو...... گہرے سانس لو...... اپنے دل کو پرسکون کرو......"

"میرا دل پرسکون ہی ہے......"

"ہوتا تو مجھے نہ آنا پڑتا...... تمہیں اس شخص سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے......"

"یہ ایک اچھا انسان ہے...... میں اچھی نہیں ہوں...... میں اس کے ساتھ برا کرنے جا رہی ہوں......"

تم سے کس نے کہا یہ اچھا ہے......؟؟

"کون کتنا اچھا ہے اور کتنا برا یہ مجھ جیسی عورتوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی......"

"مان لیا یہ اچھا ہے...... پر تمہیں اس کی اچھائی سے کیا......؟؟"

میں ایسے اچھے انسان کو برباد نہیں کرنا چاہتی

"تم اسے برباد نہیں کر رہی، تم صرف اپنا کام کر رہی ہو، اپنی ڈیوٹی۔ جانتی ہو نا کتنے پیسے ملے ہیں تمہیں اس کام کے...... تمہیں آج تک اتنے زیادہ پیسے نہیں ملے...... اگر یہ کام تم نے اچھی طرح سے کر لیا تو پھر تمہیں اس سے بڑے کام ملے گے......"

"مجھے نہیں کرنے یہ کام...... نہیں چاہیے مجھے پیسہ......"

"پھر تمہیں کیا چاہیے...... سسکتی ہوئی زندگی......؟"

"تم اس بار مجھے اپنی باتوں میں نہیں لا سکتے......"

"کیا اب تم یہ کہنے جا رہی ہو کہ تمہیں اس زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جو کپڑے تم پہنتی ہو، جتنا پیسہ تمہارے پاس ہے عورتیں اس کے خواب دیکھتی ہیں......"

"جو عزت ان کے پاس ہے...... جس چھت تلے وہ رہتی ہیں...... اس کے خواب میں دیکھتی ہوں......"

"یہ عزت ہوتی کیا ہے الوینہ...... صرف ایک نام......" وہ ہنسا۔

"اس بار میں وہی کروں گی جس کی میں نے ٹھان لی ہے، میں کمرے سے جا رہی ہوں، میں اس شخص کو کسی مصیبت میں پھنسنے نہیں دوں گی......"

"تم اس کے لیے اتنی مصیبت کیوں مول لے رہی ہو...... اس لیے کہ تمہیں یہ ایک نیک انسان لگا ہے...... تمہیں یقین ہے کہ یہ نیک ہے......"

"مجھے یقین نہیں بھی ہے تو بھی آج میں وہی کروں گی جس کا میں ارادہ کر چکی ہوں۔" الوینہ سر جھکا کر کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے کرسی کی پشت سے اپنی گردن ٹکا لی۔

"جب میں گھر سے بھاگ رہی تھی اس وقت میں رُک جانا چاہتی تھی لیکن نہیں رکی۔ اچھا ہوتا میری شادی وہیں ہو جاتی جہاں بابا کر رہے تھے۔ وہ مجھے روز مارتا، پیٹتا، گالیاں دیتا، مجھے بھوکا رکھتا، لیکن وہ میرا شوہر تو ہوتا۔ میں ڈر کیوں گئی، ایسی زندگی سے خوفزدہ کیوں ہو گئی۔ جب اسد مر گیا تھا، تو مجھے تب بھی پاکستان واپس چلے جانا چاہیے تھا۔ میں بابا کی مار کھا لیتی، دھتکار سہہ لیتی۔ اگر وہ گھر سے نکال دیتے تو میں چوکھٹ پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ میں ڈر کیوں گئی۔ زندگی کی رنگینوں نے مجھے اندھا کیوں کر دیا تھا۔ میں اتنی مایوس کیوں ہو گئی تھی جیسے آگے کوئی راستہ ہے ہی نہیں...... مجھے یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا کہ اب میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہو گا...... خوابوں کی تتلیوں نے میری ہوش مندی کو کیونکر اڑنچھو کر دیا...... میری ساری خوش امیدی، ناامیدی میں کیسے بدل گئی...... تمہاری وجہ سے...... صرف تمہاری وجہ سے...... تم نے میرے دل کو وسوسوں سے بھر دیا...... تم نے مجھے مایوس کر دیا...... گناہوں پر تم نے اتنے مدلل دلائل دیئے کہ میں ہار گئی...... میں نے دو بار پلٹ جانا چاہا اور نہیں پلٹ سکی لیکن آج میں پلٹ جاؤں گی......"

"تم اس کمرے سے باہر نکل کر کہاں جاؤ گی...... جن لوگوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے کیا وہ عام لوگ ہیں...... نہیں...... وہ تمہیں ناکام لوٹتے دیکھ کر مار دیں گے، تمہارے پاس ان کے راز ہیں...... تم کہیں چھپ کر نہیں رہ سکتی...... یہاں سے نکلو گی تو موت ملے گی......"

الوینہ نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ "مجھے موت منظور ہے......"

"موت...... وہ بھی اس شخص کے لیے...... ٹھیک ہے پھر تم ایسا کرو اسے ہوش میں لاؤ...... اسے سب بتاؤ اور کہو کہ یہ تم سے شادی کر لے...... تمہیں پناہ دے دے...... جس انسان کے لیے تم موت کو گلے لگانے جا رہی ہو اس انسان کو بھی آزما لو...... تمہاری زندگی اتنی بے وقعت تو نہیں کہ تم اسے ایسے قربان کر دو......"

الونیہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس کا دل چاہا کہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے، دل کو مٹھی میں بھینچ لے۔

اس نے اپنی ہتھیلی کو الوینہ کی آنکھوں کے سامنے کیا...... الوینہ نے اپنی آنکھوں کو سختی سے بھینچ لیا۔

"مجھے کچھ نہیں دیکھنا...... میں ہر صورت لوٹ جاؤں گی......"

اٹھ کر وہ شاہ زیب کے پاس گئی اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔

❁......❁......❁
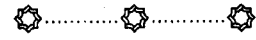
الوینہ نے اسے اپنے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ وہ وہاں کیوں آئی ہے یہ بھی۔

"اس سے کہو یہ تم سے شادی کر لے" الوینہ کو کان میں اس کی سرگوشی سنائی دی۔

"تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہوگی...... ورنہ میں سارا ڈیٹا انہیں دے دوں گی...... یہ تصویریں تمہاری بدنامی کا باعث بنے گی، تم جس حکومتی عہدے پر ہو وہاں سے ہٹا دیئے جاؤ گے۔"

اس نے سکون سے الوینہ کو دیکھا۔ "جس رب نے مجھے عزت دی ہے وہی اس عزت کی حفاظت کرے گا۔ میں آپ کو پناہ دینے کے لیے تیار ہوں لیکن آپ سے شادی کبھی نہیں کروں گا۔"

"یہ نیک اور مومن بھی تم سے نفرت کرتا ہے......"

"اس لیے کہ میں ایک فاحشہ ہوں......"

"اس لیے کہ میں شادی شدہ ہوں، مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے، میں اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کے بارے میں نہیں سوچ سکتا......"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے......"

"تم جھوٹ بول رہے ہو......"

"یہ سچ ہے...... عورت کو صرف شادی کی صورت میں ہی پناہ نہیں دی جا سکتی......"

"یہ تمہیں باہر جاتے ہی پکڑوا دے گا......"

"باہر نکلتے ہیں تم مجھے پکڑوا دو گے......"

"باہر کیا اور اندر کیا...... اللہ کے ساتھ معاملات تو ایک ہی ہوتے ہیں...... زبان دے رہا ہوں آپ کو...... آپ کا ساتھ دوں گا......"

"جس انسان کو تم نیک کہہ رہی تھی اس میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ وہ تم سے شادی کر لے...... یہ ہے اس کی نیکی...... اسے تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے......"

الوینہ نے ناپسندیدگی سے شاہ زیب دیکھا۔ "مجھے اپنا کام کر لینا چاہیے...... مجھے بھی تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔"

"میرا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم دونوں کے لیے وہ کرے جو ہمیں دین و دنیا میں سرخرو رکھے۔"

"ڈھونگ کر رہا ہے یہ، باہر نکلتے ہی تمہارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے گا...... یہ تمہیں مروا دے گا...... اس سے پہلے کہ یہ ایسا کچھ کرے تم کر گزرو...... نکل جاؤ کمرے سے باہر...... ورنہ یہ اٹھے گا اور تمہیں بے بس کر دے گا...... ہوٹل کی پولیس بلا لے گا......"

الوینہ بے بسی سے بیٹھی رہ گئی۔ شاہ زیب بھی بیٹھا تھا۔ وہ پرسکون تھا، اس کے چہرے پر ایسا کچھ نہیں تھا کہ وہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

"تم مجھ سے جھوٹا وعدہ کر سکتے تھے کہ تم مجھ سے شادی کر لو گے......"

"میں زبان دے کر کیسے مکر جاتا...... پھر کس منہ سے جائے نماز بچھا کر نماز پڑھتا، ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا......؟"

"تمہیں اتنی فکر ہے اللہ کی...... اور اللہ کے بندے کی......؟"

"میں اللہ کی خوشنودی کے لیے ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہوں......"

"یہ صرف اس کمرے تک تمہارے ساتھ ہے الوینہ...... میری بات مان لو......"

الوینہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "میرے پاس تو کوئی راستہ ہی نہیں بچا۔"

"راستہ ہمیشہ ہوتا ہے...... سیدھا راستہ تو ویسے بھی سامنے ہی ہوتا ہے......"

"اب کون چلنے دے گا مجھے سیدھے راستے پر......"

"اللہ"

"اگر اللہ نے مجھے سیدھے راستے پر ہی رکھنا ہوتا تو بہکانے کے لیے میرے پاس شیطان نہ آتا......"

"شیطان تو سب کے پاس آتا ہے...... جیسے ہدایت آتی ہے...... فیصلہ تو ہمیں کرنا ہوتا ہے......"

"ایسی باتیں کر کے تمہیں متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے...... اس کے چہرے پر شرافت کا نقاب چڑھا ہے...... بچ جاؤ اس سے...... چلی جاؤ کمرے سے...... یہ خود کو بچا لے گا اور تمہیں پھنسا دے گا......"

الوینہ نے ایک سسکی سی لی۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو...... مجھے اپنی باتوں کے جال میں پھنسا رہے ہو۔"

"اگر ایسا ہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے برباد کر دے......"

الوینہ نے شاہ زیب کی طرف دیکھا اور پھر اس شرر کی طرف...... دونوں کی باتیں سچی تھیں...... دونوں ہی جھوٹے تھے...... دونوں اسے ڈرا رہے تھے...... دونوں اسے بہلا رہے تھے...... دونوں کے ارادے اس سے نہاں تھے......

الوینہ کا دل رونے اور چلانے کو چاہا اور اس نے چاہا کہ وہ ابھی فوراً مر جائے...... خود کو ختم کر لے...... اس کے کلچ میں چھوٹا پسٹل تھا وہ نکال کر اس نے ہاتھ میں لے لیا...... اس پر وحشت طاری ہونے لگی...... مایوسی اس پر قہر بن کر گری، خوف دہشت زدہ کرنے لگا...... اسے اپنی حیثیت جوہڑ کے پانی سے زیادہ کچھ نہ لگی...... زندگی کی ساری رنگینی سیاہی میں ڈھل گئی...... اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کا پیدا ہو جانا ہی بیکار تھا ایسے ہی اب اس کا زندہ رہنا بھی بیکار ہے......

پسٹل اس کے ہاتھ میں بے قرار تھا......

"موت باہر بھی ہے...... موت اندر بھی ہے...... بہتر ہے کہ تم خود کو شاندار موت دو...... لیکن مرنے سے پہلے اسے بھی مار دو......"

اس نے کہا تو الوینہ نے اسے دیکھا......

موت...... موت...... موت......

موت...... اسے بھی اس نے "حرام" کر دیا تھا...... ایک آخری چیز بھی حرام ٹھہرا دی تھی......

تو کیا ربیکا پر بھی یہ جذبات غالب ہو گئے تھے' کہ اسے بھی موت میں راحت نظر آنے لگی تھی۔ کیا وہ بھی ایسے ہی مقام پر آ گئی تھی جہاں اسے لگتا تھا کہ نہ پیچھے کچھ بچا ہے نہ آگے کچھ بچے گا۔ کیا اسے بھی یہ لگنے لگا تھا کہ انسان بن کر پیدا ہو جانا ایک ایسی سزا تھی جسے وہ خود کو مار کر ختم کرنے جا رہی تھی۔ کیا یہی وہ وقت ہوتا ہے اللہ بے رحم اور بے اعتنا لگتا ہے اور دل میں ایسے ابال اٹھتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ خود کو نیست و نابود کر لیا جائے......

الوینہ نے اپنے دل کے اندر جھانکا۔ اس کے دل میں ابال اٹھ رہے تھے' وہ خود کو برباد کرنے دینے کا ارادہ باندھ چکی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ کائنات کی ایک ایک چیز کو تباہ کر دینے کا اختیار حاصل کر لے اور ہر چیز کا نشان مٹا دے......

بجلی کی سی سرعت سے الوینہ اٹھی اور اس نے کھڑکی سے پسٹل باہر پھینک دیا۔

''زندگی میں نے حرام کی لیکن موت حرام نہیں کروں گی۔''

وہ چلا کر بولی اور فرش پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شاہ زیب چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے سر پر کھڑا ہو گیا۔

''آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں آپ کے ساتھ ہوں...... اور مجھ سے پہلے ''اللہ'' آپ کے ساتھ ہے۔''

شاہ زیب کا ہاتھ اس کے سر پر تھا اور اس کے دل پر ''اللہ کا رحم''۔

۞............۞............۞